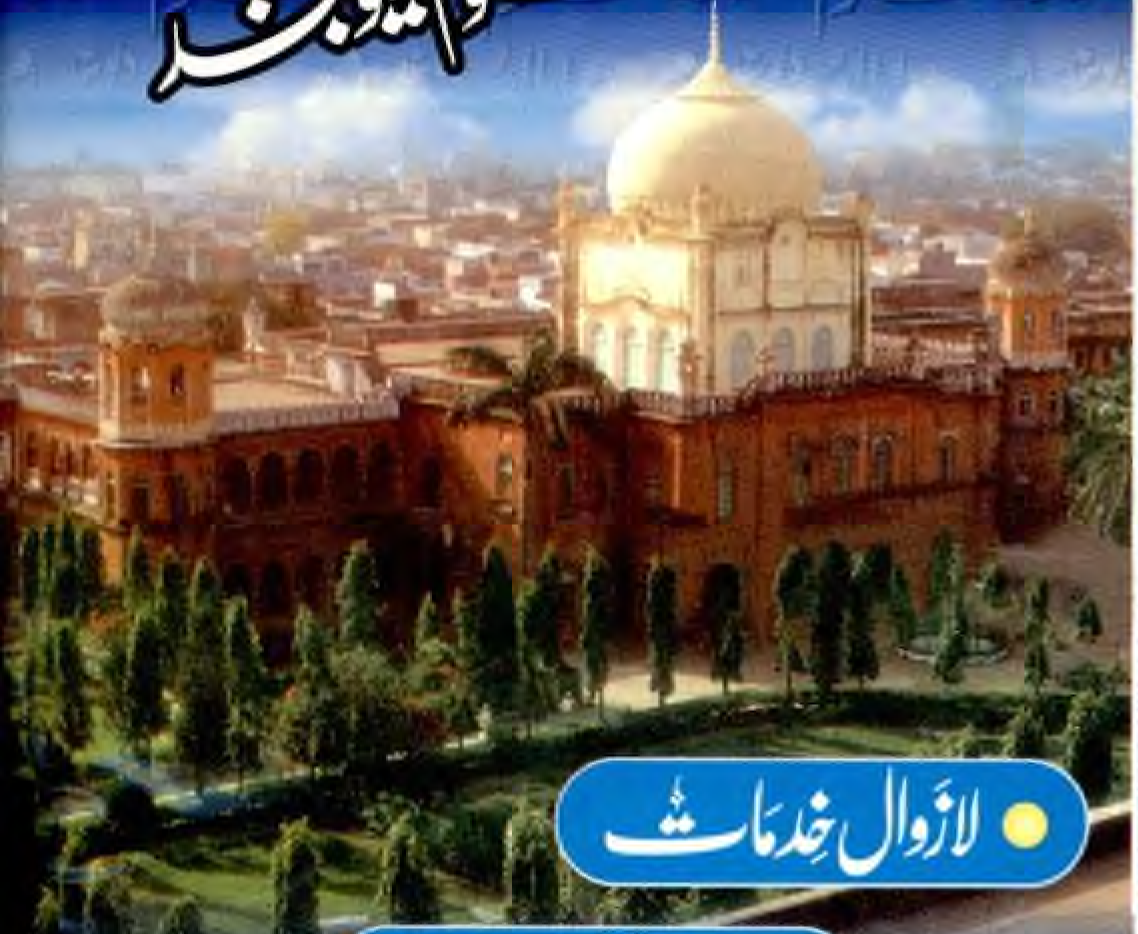
انگریزی استعمار کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں روشن ہونے والا
پہلا چراغ۔ دارالعلوم دیوبند





انار کے اس تاریخی درخت کے سایہ میں تقریباً ڈیڑھ صدی قبل دارالعلوم کا آغاز ہوا...... اس درخت تلے ایک بابرکت استاذ ملا محمود صاحب کے سامنے ایک ہونہار بچے محمود الحسن نے زانوئے تلمذ تہہ کیا

- لازوال خدمات
- ایمان افروز حالات
- ناقابلِ فراموش واقعات

انار کے درخت تلے

مولانا محمد منصور احمد

مکتبۃ الشہداء
کراچی۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انگریزی استعمار کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں روشن ہونے والا
پہلا چراغ - دارالعلوم دیوبند

انار کے درخت تلے

- لازوال خدمات
- ایمان افروز حالات
- ناقابلِ فراموش واقعات

مولانا محمد منصور احمد

مکتبۃ الشہداء
کراچی پاکستان

نام .... **انار** کے درخت تلے

مؤلف .... مولانا محمد منصور احمدؒ

اوّل تا چہارم .... تعداد ۴۴۰۰

اشاعت پنجم .... صفر المظفر ۱۴۳۰ھ

تعداد ۱۱۰۰

صفحات .... ۳۵۲ عدد

قیمت .... ۲۳۰ روپے

ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

مکتبۃ الایمان دکان نمبر ۱۳۱، ندیم ٹریڈ سینٹر، محلہ جنگی، عقب قصہ خوانی بازار پشاور 0321-9013592

مکتبہ ابن مسعودؓ، مدرسہ عبداللہ ابن مسعودؓ، چشمہ جات نزد کمپنی باغ کوہاٹ 0321-5782621

رحمانی کتاب گھر دکان نمبر 2، نزد نور ریحانی مسجد السبیلہ چوک کراچی 0300-2249928

مکتبہ عثمانؓ و علیؓ، نزد بند حسن شادی ہال، کوثر کالونی بہاولپور 0321-6837145

کتب خانہ رشیدیہ، مدرسہ تعلیم القرآن، راجہ بازار راولپنڈی 051-5771798

مکتبۃ السلام، اعظم مارکیٹ کمیٹی چوک راولپنڈی 0333-5178392

ادارہ اشاعت الخیر، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان 061-4514929

مکتبۃ الشہداء کراچی پاکستان

ناشر

اسٹاکسٹ مکتبۃ ابن مبارک 37۔ حق سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

موبائل: 0321-4066827

فہرست مضامین

اکابرینِ دیوبند کے مختصر حالات   صفحہ ۱۱۳ تا ۲۰۷

بہلویؒ...... حضرت مولانا عبدالہادی دین پوریؒ...... حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتیؒ ...... حضرت مولانا دوست محمد قریشیؒ ...... حضرت مولانا لال حسین اخترؒ ...... حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ...... حضرت مولانا محمد متین خطیب دیو بندیؒ...... حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ ...... حضرت مولانا سید نور الحسن بخاریؒ...... حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ ...... حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ ...... حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ...... حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروریؒ...... حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ...... حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ...... حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ...... حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتیؒ ...... حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ...... حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ...... حضرت مولانا سید حامد میاںؒ ...... حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ ...... حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ...... حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ ...... حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ...... حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ...... حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ...... حضرت مولانا عبدالشکور ترمذیؒ...... حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ...... حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحبؒ...... حضرت مولانا مفتی زین العابدین فیصل آبادیؒ...... حضرت مولانا موسیٰ روحانی بازیؒ...... حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ...... حضرت مولانا نذیر احمد فیصل آبادیؒ...... حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ...... حضرت مولانا ضیاء القاسمیؒ ...... حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ...... حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ ...... مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ ...... مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ ...... حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ...... حضرت مولانا محمد اعظم طارقؒ ...... حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ...... حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ...... حضرت مفتی عبدالقادرؒ

☆......☆......☆

خوفِ خدا اور فکرِ آخرت

علماءِ دیو بندؒ کے دلچسپ واقعات وحکایات...... رب کے حضور میں...... مرض الموت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا...... بینائی کی خاطر ایک سجدہ بھی تکیہ پر گوارہ نہیں...... قبول ہدیہ میں تقویٰ کا خیال...... سخت ترین گرمی میں روزے رکھتے رہے...... دولہا کا لباس بدلوادیا...... نیت دوست سے ملنے کی تھی...... ذاتی ملاقات کا حساب رکھتے...... مدرسہ کی آگ سے فائدہ

اٹھایا ہے...... مدرسہ کا قلمدان الگ...... فقہ میرے لئے ہی پڑھا تھا...... ایک سال تک ورثاء کی تحقیق کرتے رہے...... بیت المال کی رقم واپس کردی...... گنے کا محصول، آگے کیا ہوگا؟ ...... اسٹیشن کی لالٹین سے احتراز...... واقعی مجھ سے غلطی ہوئی...... خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت...... یہی تو وقت تھا بیان کا......

☆......☆......☆

اتباعِ سنت اور عشق مصطفیٰ ﷺ

صفحہ ۲۱۹ تا ۲۴۵

بارگاہِ رسالت میں...... سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہؒ...... قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ...... فقیہ النفس امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ...... محدث جلیل حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ...... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ...... شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ...... شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ...... شیخ التفسیر امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ...... حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ...... حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ......

☆......☆......☆

یہ دنیا کیا ہے، کچھ نہیں

صفحہ ۲۴۵ تا ۲۶۳

قربان جاؤں میرے آقا...... وہ قلی کون تھا؟...... ذکر جاری ہوگیا...... پھول توڑنے کی اجازت نہیں...... کپڑے استری کرنے کی اجازت نہیں...... حکیمانہ طرز عمل...... پیچھے ہٹ جائیے...... طویل آپریشن...... وزیراعظم سے کہدو...... حفاظتِ الٰہی کا عجیب واقعہ...... حرام کے ایک لقمے کا نتیجہ...... خدا کی قدرت کا تماشا...... ہماری تو زندگی ضائع ہوگئی...... حمیت اسلامی کا حیرت انگیز واقعہ...... بلا معاوضہ خدمات...... علم کی نہ بجھنے والی پیاس...... تلاوت ہو تو ایسی......

☆......☆......☆

ہماری سفارش تو ایسی ہے

صفحہ ۲۶۳ تا ۲۸۰

مبارک ہو...... اپنے صافے سے صفائی کردی...... ننھا خادم...... شیخ سے تعلق...... والہانہ دُعا...... ہمتِ مرداں...... رخصتی کی تیاریاں...... تم سالک ہو، میں مجذوب ہوں...... خدمتِ خلق، اُن کا شیوہ تھا...... جب تقریر شباب پر پہنچی...... کھانے میں حیرت انگیز برکت...... پھول بھی پژمردہ ہوگئے...... عجیب انوارات...... اجازت دے دو...... نماز سے تھکاوٹ دور...... نایاب مثال...... علم کا سمندر...... دارالعلوم دیوبند میں ملازمت کرلو......

☆......☆......☆

عظیم لوگ

صفحہ ۲۸۰ تا ۲۹۳

معاوضے سے انکار...... چائے کے مخالف مگر...... دس ہزار میں سے دس روپے...... صبح کی اذان تک...... شاہ جی نل چلانے لگے...... مردِ قلندر کا کردار...... یہ بھی خوش نہ رہ سکے گا...... میں قطب ہوں...... بغیر ٹکٹ سفر...... دربارِ رسالت سے جواب...... قادیانی مبہوت ہوگئے...... غسل شہادت...... عذاب اُٹھالیا گیا...... اپنے ہاتھ کی کمائی کھائی...... مدینہ تو ضرور جانا ہے...... آدھی رات کا مہمان...... عیسائیت سے واقفیت...... حافظ کی حیرت انگیز مثال...... اجازت کا بہانہ......

☆......☆......☆

طرزِ فکر کی درستگی

صفحہ ۲۹۳ تا ۳۰۹

مہمانانِ رسول پر شفقت...... متقی کیسے کیسے...... علمی مصروفیت...... بائیس برس بعد تکبیر اولیٰ فوت ہوئی...... نیند میں ذکر الٰہی...... نماز کا اہتمام...... خدمت کا نرالا انداز...... خودداری اور ذہانت...... بچے غیر مکلّف ہیں...... جنات بھی شاگرد...... مسلمانوں میں جھگڑا گوارا نہ کیا...... دارالعلوم دیوبند کی ایک خصوصیت...... ندامت سے بچالیا...... پابندیٔ اوقات...... علمی انہماک...... مخالفین سے برتاؤ...... سفیرِ اسلام...... فطری ذہانت...... اللہ! آپ کا شکر...... کشف کا ایک واقعہ......

استاد کی دُعا

☆......☆......☆

صبر و تحمل کا مثالی پیکر

☆......☆......☆

چند خوبصورت نظمیں

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

انگریزی استعمار کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں روشن ہونے والے پہلے چراغ سے چراغ جلتے چلے گئے اور اس کی ضیاء پاش کرنوں سے پورا عالم جگمگا اٹھا، اسی نور کی امین چند درسگاہوں میں مجھے بھی اکتسابِ فیض کا موقع ملا، اسی لیے میں اپنی اس حقیر کاوش کو

❶ جامع مسجد صدیق اکبرؓ، راولپنڈی

❷ معہد الخلیل الاسلامی، کراچی

❸ جامعہ دار العلوم کراچی

❹ جامعۃ النور، کراچی

کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

کیونکہ وقت کی کڑکتی دھوپ اور چلچلاتی گرمی میں والدین مکرمین کی شفقتوں کے بعد مجھے انہی مراکز کے سایۂ عاطفت اور پرسکون چھاؤں میں پناہ ملی۔

میرے دل میں ہر لمحہ یہ دعا مچل رہی ہے کہ یہ مدارس دینیہ اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ تا ابد جگمگاتے رہیں اور ظلمت کدۂ دہر میں ہمیشہ اُجالے بکھیرتے رہیں۔

پیش لفظ

حامداً و مصلیاً و مسلّماً

تمام حمد وتعریف اُس خالق کائنات کیلئے ہے جس نے اپنے فضل واحسان سے بندہ کی اس کتاب کو توقع اور امید سے بہت بڑھ کر مقبولیت بخشی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب صرف اُن بزرگ ہستیوں کے نام کی برکت ہے جن کے ذکرِ خیر اور اُن کی خدمات کی اشاعت کیلئے یہ صفحات ترتیب دیئے گئے تھے۔

پہلا ایڈیشن ختم ہوا تو دوبارہ اشاعت کیلئے دوست واحباب کے تقاضے آنا شروع ہوئے۔ اسی دوران کئی مخلص ساتھیوں نے اس طرف بھی توجہ دلائی کہ کتاب میں کچھ مفید اضافے بھی ہونے چاہئیں۔ اب جب بندہ نے اس خواہش کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا تو کتاب کے صفحات دوگنے سے بھی زیادہ ہوگئے اور اگر یہ سلسلہ رکھا جاتا تو یقیناً کئی جلدوں پر مشتمل کتاب تیار ہوسکتی تھی۔

بہرحال موجودہ حالت میں کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ سرزمین دیوبند اور قیامِ دارالعلوم دیوبند کے متعلق معلومات ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس کے بعد علماء دیوبند کی مختلف خدمات کا نقشہ آپ کی نظروں کے سامنے آئے گا جس سے ان بوریہ نشین درویشان خدامست کی ہمہ گیری کا اندازہ ہوگا۔

مزید اگلے صفحات میں آپ تقریباً ایک سو علماءِ دیوبند کا مختصر تعارف (بائیوڈیٹا) پڑھیں گے۔ یہ سب وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جو آج ہمارے درمیان نہیں لیکن مخلوق خدا کی ایک بڑی تعداد اُن کے فیوضات سے مستفید ہورہی ہے۔ اگر کتاب کے صفحات اور طباعت کے وسائل اجازت دیتے تو اس طرز پر ''علماءِ دیوبند'' کا ایک مکمل انسائیکلوپیڈیا تیار کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں

احساس ہے کہ ہمارے انتخاب میں بہت سی جلیل القدر ہستیوں کے نام رہ گئے ہوں گے لیکن آپ چاہیں تو اس کو ہماری تنگ دامنی سے تعبیر کر سکتے ہیں اور چاہیں تو مجبوری کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ والعذر عند کرام الناس مقبولٌ

آگے بڑھیں گے تو آپ کو علماءِ دیوبند کے ایسے دلچسپ، نصیحت آمیز اور سبق آموز واقعات کی ایک بڑی تعداد ملے گی جو دل کی دنیا سے ویرانی دور کر کے اُسے آباد کرنے کیلئے نسخۂ کیمیا اثر کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کی جمع اور ترتیب کا سہرا رفیقِ محترم مولانا محمد رمضان لدھیانوی کے سر ہے۔ اسی طرح مولانا ظہور احمد عباسی، مولوی مجیب الرحمٰن، مولوی ظفر سلطان اور برادرم شکیل احمد صدیقی نے بھی دامے درمے تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے علم وعمل میں برکت دے۔ آمین

آخر میں دار العلوم دیوبند کی مناسبت سے چند مناسبِ حال نظمیں بھی شاملِ اشاعت ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اس جدید اشاعت کو بھی شرفِ قبولیت عطا فرمائے، آمین۔

محمد منصور احمد

۲۸ ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ

مصنف سے خط وکتابت کیلئے

پی او بکس نمبر 13769، کراچی 75950/38

e-mail: j.noor@yahoo.com

عرض حال

(پہلے ایڈیشن کا ابتدائیہ)

الحمدللہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

مجھ جیسا کم علم اور کوتاہ فہم "دارالعلوم دیوبند" جیسی عظیم اسلامی درسگاہ کی خدمات پر قلم اٹھائے گا، کبھی میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ جرأت رندانہ نہیں آئی کہ:

چہ نسبت خاک رابعالَم پاک

لیکن ہوا یہ کہ چونکہ بچپن ہی سے میری عادت حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے سوانح حیات انتہائی شوق وذوق سے پڑھنے کی رہی ہے۔ اس سلسلے کی بعض ضخیم کتب تو بندہ نے شاید دس سے بھی زائد مرتبہ مطالعہ کی ہیں۔ مختلف اوقات میں کئی کتب سے میں نے "دارالعلوم دیوبند" کے متعلق اپنے لیے جو نوٹس لیے تو وہ ایک اچھا خاصہ مسودہ تیار ہوگیا۔ پھر انہی معلومات کے آخر میں واقعات کا اضافہ کیا تو دیکھتے ہی دیکھتے یہ کتاب وجود میں آ گئی۔

میرے بہت سے دوستوں نے اس کو شائع کرنے کا مشورہ دیا اور خصوصاً اس کے چند مخصوص ابواب کو سراہا کہ ان میں درج شدہ معلومات بہت اہم اور قیمتی ہیں۔ یہ مسودہ تقریباً دوسال مکمل میرے پاس اسی شش وپنج میں رکھا رہا کہ اس کی اشاعت مفید ہوگی یا نہیں۔

اب بنام خدا اس کی اشاعت کی جارہی ہے کہ شاید اس عظیم دینی درسگاہ کے خدام کی کسی صف میں ہمارا نام بھی آجائے اور اپنی بخشش ومغفرت کا سامان ہوجائے۔ کیونکہ مشہور واقعہ کے مطابق خریداران یوسف علیہ السلام میں مصر کے امراء ووزراء کے ساتھ ایک بڑھیا بھی معمولی سوت لے کر اسی امید پر بازار میں آ گئی تھی کہ اس کا نام بھی اس فہرست میں شامل ہوجائے۔

ایک بڑھیا بھی معمولی سوت لے کر اسی امید پر بازار میں آ گئی تھی کہ اس کا نام بھی اس فہرست میں شامل ہو جائے۔

انسانی بساط کی حد تک بھرپور کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات خلاف واقعہ نقل نہ ہو، لیکن پھر بھی نقل در نقل میں غلطی کا امکان بہر حال ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی صاحب علم کسی فروگزاشت پر تنبیہ فرمائیں گے تو یہ چیز ان کیلئے ذخیرۂ آخرت میں اضافے کا ذریعہ اور ہمارے لیے باعث تشکر و امتنان ہوگی۔

البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ دارالعلوم دیوبند کی کوئی مکمل و مبسوط تاریخ نہیں بلکہ اس کی خدمات، حالات اور واقعات کو عام کرنے کی ادنیٰ سی کوشش ہے، پھر آجکل کی اختصار پسند طبائع بھی کتاب کو زیادہ بوجھل بنانے کی اجازت نہیں دیتیں۔ صرف واقعات ہی کو لے لیں کہ ہم نے ان میں سے صرف دو عنوانات "خوف خدا و عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" کو ذکر کیا ہے، حالانکہ طلب علم، شوق جہاد اور زندگی کے ہر گوشے کے متعلق اتنی حکایات ہیں کہ اس کیلئے کئی جلدوں پر مشتمل کتاب بھی ناکافی ہوگی۔

میں جامعۃ النور کراچی کے استاذ محترم مولانا ضیاء اللہ یوسفی، محترم مولانا محمد رمضان لدھیانوی اور کمپوزر جناب محمد اسعد مدنی کا ممنون ہوں کہ ان حضرات کے خصوصی تعاون سے ہی یہ کتاب منظر عام پر آ رہی ہے ورنہ نجانے یہ مسودہ کتنے سال مزید طاق نسیاں کی نذر ہوئے پڑا رہتا۔

آخر میں اللہ کریم سے دعا ہے کہ یہ کتاب میرے لیے، میرے والدین مکرمین اور اساتذہ و مشائخ کیلئے صدقۂ جاریہ ثابت ہو۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا و مولانا محمدٍ و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین

محمد منصور احمد

(فاضل و متخصص و سابق استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴)

خادم جامعۃ النور کراچی

۱۷ ر رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

- قصبۂ دیو بند
- تاسیس دار العلوم دیو بند
- تاریخِ قیام اور دیگر حالات
- اوّلین استاد اور شاگرد
- مسلکِ علماء دیو بند

جہاں آسمان بھی جُھک جاتے ہیں

مختصر اسبابِ زندگی اور چند ہزار نفوس کی آبادی پر مشتمل اس چھوٹے سے قصبے سے دنیا اتنی ہی ناواقف اور جاہل ہوتی جتنا کہ بھارت کے ہزاروں بلکہ لاکھوں گاؤں دیہات سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق اس خطہ سرزمین پر اُس درسگاہ کا قیام عمل میں آنا تھا جس نے آگے چل کر صرف دیو بند یا برصغیر ہی نہیں، پوری دنیا پر اپنے اثرات ڈالنے تھے اور اسی آفتاب عالمتاب کی ضیاء پاش کرنوں سے درسگاہوں کے ساتھ ایوان ہائے حکومت نے بھی ایک دن روشن و منوّر ہونا تھا۔

شمالی بھارت کے صوبہ یو۔ پی (اتر پردیش) میں اگر آپ مظفر نگر سے سہار نپور کی طرف سفر کریں تو درمیان میں آپ کو دیو بند کا سادہ سا ریلوے اسٹیشن ضرور نظر آئے گا۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا والوں کے دار الحکومت دہلی سے دل والوں کے دار الحکومت دیو بند کا فاصلہ پورے سو میل ہے۔

یوں تو دیو بند میں مہکنے والے گلستان نے ہر چہار سمت میں دنیا کو مہکایا لیکن سب سے پہلے جس شہر میں اس کے نقش قدم کی پیروی کی گئی وہ اس سے صرف بیس میل کے فاصلے پر واقع سہار نپور ہے۔ ابھی دار العلوم دیو بند کی ابتداء کو چھ مہینے ہی گزرنے پائے تھے کہ سہار نپور میں مدرسہ مظاہر علوم کا قیام عمل میں آ گیا۔ بعض محققین نے یہ فاصلہ دہلی سے نوے میل اور سہار نپور سے بائیس میل بتایا ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ جو خود قصبہ دیو بند کے

باشندے تھے اور آپ نے اپنی زندگی کے ۱۵ برس یہاں ہی گزارے، تحریر فرماتے ہیں:

''اس قصبہ کی کوئی قدیم مفصل تاریخ تو موجود نہیں مگر اس کے شکستہ آثار صنادید آج تک بھی اس کا پتہ دیتے ہیں کہ یہ بستی ہزار سال سے کہیں زائد عمر رکھتی ہے۔ محلّہ سرائے پیرزادگان میں ایک قدیم کنویں کے اندر ایک کتبہ سنسکرت زبان میں لکھا ہوا ہے، جس میں ہندوؤں کی ایک تیرتھ گاہ دیبی کنڈ کے نام سے مشہور ہے اور وہیں ایک بت کالی دیبی کے نام سے موسوم رکھا ہوا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اس بستی کی اصل یہی تیرتھ گاہ ہے اور اسی کے نام سے قصبہ کا ابتدائی نام دیبی بن تھا۔ رفتہ رفتہ دیبن نام ہوگیا۔ احقر کے زمانہ طفولیت تک یہ نام بھی بہت زبان زد تھا اور قدیم کاغذات میں بکثرت یہ نام مذکور ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سیرت زبدۃ المقامات میں جو گیارہویں صدی کے اوائل کی تصنیف ہے ایک مکتوب بنام شیخ احمد دیبنی کے ذیل میں ہے۔ ''دیبن موضع است از مضافات سہارنپور میان دو آب'' (تاریخ دیوبند) بعد میں دیبن سے دیو بند لقب مشہور ہوگیا۔ آئین اکبری میں دیو بند نام درج ہے۔ مسلمان اس بستی میں کب سے مقیم ہوئے اسکی صحیح تاریخ کا پتہ چلنا متعذر (مشکل) ہے۔ آئین اکبری جلد دوم میں اس قصبہ کے زمیندار گوجر بندرائے ہیں۔ لیکن اس قصبہ کی بعض مساجد کے کتبات اور شاہی فرامین سے اتنا پتہ لگتا ہے کہ مسلمانوں کی آبادی بھی اس میں خاصی قدامت رکھتی ہے۔ قصبہ کے وسط میں ایک محلّہ قلعہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں ایک قدیم قلعہ تھا سلطان سکندر شاہ کے زمانہ میں حسن خان صوبیدار نے اسکی قدیم عمارت کو مسمار کر کے از سر نو پختہ اینٹوں سے تعمیر کرایا اور اسیوجہ سے یہ قلعہ حسن گڑھ کے نام سے موسوم ہے۔ آئین اکبری میں بھی اس قلعہ کا ذکر ہے اور اس قلعہ کی جامع مسجد پر ایک کتبہ لگا ہوا ہے، جس کے بعینہٖ الفاظ یہ ہیں:

''بنا شد ایں مسجد در عہد سلطنت سکندر شاہ ابن سلطان بہلول شاہ خلد اللہ ملک، تحریر رجب المرجب سنۃ عشر و تسعمائۃ ۹۱۰ھ ''۔ جس محلّہ میں احقر کا مکان ہے اس میں بھی بعینہٖ اس جامع مسجد قلعہ کے نقشہ پر اسی انداز کی ایک قدیم مسجد ہے جو آدینی مسجد کے نام سے مشہور ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جامع مسجد بھی سلطان سکندر شاہ ہی کے عہد میں اُسی وقت تعمیر ہوئی ہے اور دو جامع مسجدوں کا وجود قصبہ میں مسلمانوں کی کثرت کا پتہ دیتا ہے۔ محلّہ سرائے پیرزادگان میں ایک مزار سید محمد ابراہیم صاحب نامی بزرگ کا ہے اور اس کے گرد

ایک خانقاہ کے آثار آج تک موجود ہیں۔ جہاں اکبر شاہ کے عہد سے اس کے نام پر ایک جاگیر وقف تھی۔ سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے دو فرمان اسی جائیداد کے متعلق اس وقت بھی موصوف کے خاندان میں محفوظ ہیں۔ جن میں پہلا ۲۷ شوال ۱۰۹۳ھ کی تحریر ہے۔ اور دوسرا ۱۱ شعبان ۱۰۹۷ھ کی۔

انہیں فرامین سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس خانقاہ میں علوم دینیہ کی تعلیم وتدریس کا بھی انتظام تھا ۱۱۸۹ھ میں دیوبند پر قصبہ اندری ضلع کرنال کے سکھوں نے ایک لاکھ کی جمعیت سے حملہ کیا اور پورے قصبہ کو تاخت وتاراج کر دیا عمارتیں جلا ڈالیں یہ خانقاہ بھی اُسی فتنہ میں ویران ہوئی۔

الغرض دسویں صدی ہجری میں دیوبند مسلمانوں کی ایک ممتاز بستی نظر آتی ہے جس میں تعلیم وتدریس اور اصلاح وتربیت کے اچھے آثار پائے جاتے ہیں۔ لیکن دیوبند کا وہ زمانہ جس میں یہاں دارالعلوم کی بنیاد رکھی جارہی تھی یہ اسکی ویرانی کے بعد کا زمانہ ہے جس میں یہ ایک ایسی کوردہ بستی ہو کر رہ گئی تھی کہ اس کے آس پاس بھی کہیں علم نہ تھا۔ مشہور یہ ہے کہ اس وقت یہاں اگر کسی کنویں میں کوئی جانور گر جاتا تو کوئی اتنا مسئلہ بتلانے والا یہاں نہ تھا جو کنویں کے پاک کرنے کا طریقہ بتلادے، لوگوں کو سفر کر کے دوسرے شہروں میں مسائل دریافت کرنا پڑتے تھے۔ (مقدمہ امداد المفتین صفحہ ۸۲/۸۳)

گہوارۂ علم وہنر کا پس منظر

یہ ممکن نہیں کہ بات ہو دارالعلوم دیوبند کی اور اس کے ساتھ ان حالات کا ذکر نہ آئے جن میں یہ ادارہ وجود میں آیا۔ ہندوستان کے مسلمان اپنا ایک شاندار اور بھرپور ماضی رکھتے ہیں، جب تک ان کی روایات اور واقعات سے آگہی نہ ہو دارالعلوم کا پس منظر سمجھنا کافی مشکل ہو جاتا ہے۔ خصوصاً اس نسل کیلئے جو نصف صدی سے سیاسی آزادی حاصل کر لینے کے باوجود اب تک فکری غلامی میں گرفتار ہے۔ بات کو اگر پھیلایا جائے تو یقیناً ہندوستان کے تاریخی حالات ایک کتاب میں بھی نہیں سما سکتے لیکن ہم صرف اپنے قارئین کے سامنے ان حالات کی ایک تصویر پیش کرنا چاہتے ہیں جو مختلف ادوار میں ہندوستان پر آئے۔ ایک عرب فاضل نے بہت اچھے انداز سے ان الفاظ میں صدیوں پر پھیلی ہوئی تاریخ ہند کو سمیٹنے کی

کامیاب کوشش کی ہے:

''یہ اموی خلافت کا دور تھا، جب مسلمانوں نے پہلی مرتبہ (راجا داہر کے خلاف) محمد بن قاسم ثقفی رحمہ اللہ کی قیادت میں ہندوستان پر لشکر کشی کی۔ ہندوستان میں اسلام کے پُر شوکت داخلے کی ابتداء یہاں سے ہی ہوتی ہے۔ شروع میں مسلمانوں نے شمالی ہندوستان کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تھا جسے سندھ کہا جاتا تھا اور آج وہ علاقہ پاکستان کا حصہ ہے۔ خلافت بنو امیہ اور خلافت عباسیہ میں یہ علاقہ (ان کی ماتحتی میں ایک صوبے کے طور پر) چلتا رہا۔

جب دولت عباسیہ کمزوریوں کا شکار ہوگئی تو لازمی طور پر اس کا اثر سندھ پر بھی پڑا اور ہمیشہ کی طرح یہ علاقہ طوائف الملوکی کا شکار ہو کر ہر علاقہ کا حاکم مستقل بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ صورتحال اس وقت تک برقرار رہی جب تک سلطان محمود غزنوی افغانستان کے علاقے غزنی سے چل کر ہندوستان کی مغربی سرحدات کو تاراج کرتا ہوا ہندوستان کے ایک بہت بڑے حصے پر قابض نہ ہوگیا۔ یہ پانچویں صدی ہجری کا واقعہ ہے، غزنوی دور حکومت کے بعد غوری دور حکومت آیا اور آخر کار پورا ہندوستان اسلامی حکومت کے تابع ہوگیا جس کا دارالحکومت دہلی تھا۔

بعد ازاں ہندوستان میں مغلیہ خاندان نے لودھی خاندان کو شکست سے دوچار کر کے اپنی حکومت کی بنیاد رکھی اور (دین الٰہی جیسے فتنوں کے علاوہ) اس دور میں اسلامی حکومت پورے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ یہاں تک کہ اس سلسلے میں یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ انگلینڈ کے بادشاہ جیمس اول کا سفیر ایک عرصے تک مغل بادشاہ جہانگیر کے دربار میں شرف باریابی حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ ایک طویل عرصے کے بعد وہ اس میں کامیاب ہوا تو اس نے درخواست کی کہ بادشاہ جہانگیر کی طرف سے ایک خط انگلینڈ کے بادشاہ کے نام عطا کیا جائے۔ اس پر وزیر اعظم نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا: ایک مسلمان مغل بادشاہ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ ایک معمولی سے جزیرے کے حاکم کو خط لکھے، جہاں صرف تنگدست شکاری آباد ہیں۔

مغل بادشاہوں کی یہ عزت ایک عرصے تک قائم رہی لیکن اورنگزیب عالمگیر کے بعد اس میں رفتہ رفتہ کمزوری آنا شروع ہوگئی اور ملک مختلف ریاستوں کے درمیان تقسیم ہو کر رہ گیا اور جب غیر ملکی قابض اس کیلئے آگے بڑھے تو مختلف طاقتوں میں بٹا ہوا یہ ملک اس کیلئے پکا ہوا پھل ثابت ہوا۔ شروع میں تو ہندوستان میں برطانوی اثر و نفوذ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے

پھیلا، بعد ازاں وقت آنے پر خود حکومت برطانیہ ہندوستان پر قابض ہوگئی۔ یہ الگ بات ہے کہ انگریز ہندوستان پر آسانی سے قبضہ نہیں کر سکا بلکہ اسے شدید ترین مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا لیکن آخر کار پورا ہندوستان انگریز کے سامنے سرنگوں ہوگیا اور یہ علاقہ برطانیہ کی سب سے بڑی نوآبادی بنا۔ اس کی قدر و قیمت کے پیش نظر اسے ''تاج برطانیہ کا موتی'' کہا جاتا تھا۔

(مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ، طبع بیروت)

۱۸۵۷ء میں جب سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو رہا تھا، اور ہندوستانی باشندے انگریزی طاقت کے خلاف نبرد آزما تھے، دہلی لٹ رہی تھی بڑی بڑی آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہو رہی تھیں، اور ملک کے بیشتر حصوں میں علماء و مشائخ بے دردی کے ساتھ تہہ تیغ کئے جا رہے تھے، اس وقت ہمارے اسلاف و اکابر شاملی کے میدان میں انگریزی فوج کے مقابلہ میں صف آرا ہو کر دادِ شجاعت دے رہے تھے۔

تاریخ وہ وقت فراموش نہیں کر سکتی جب ہندوستان کے آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون لیجایا گیا اور پورے ملک پر انگریزوں نے تسلط پا کر دہلی میں قتل عام کی کھلی اجازت دیدی جس کے نتیجہ میں اس ملک کے لاکھوں ہندو مسلمان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور ملک کا دارالخلافہ دہلی انسانی لاشوں سے پاٹ دیا گیا، باقی ماندہ علماء کرام کی ایک بڑی جماعت پر بغاوت کے الزام میں نئی حکومت نے مقدمات قائم کر دیئے اور ان میں بہت سے مقتدر علماء کو سزا دے کر جزائر انڈومان بھیج دیا گیا۔ جہاں انہوں نے نہایت بے کسی اور کسمپرسی کی زندگی گذاری۔ اور بہت سے علماء وہیں پر ایک قیدی کی زندگی گزارتے ہوئے آسودۂ خاک ہوگئے، واقعہ یہ ہے کہ وہ وقت ہندوستان کے علماء پر بڑا ہی حوصلہ شکن، روح فرسا اور صبر آزما تھا اس ملک کے باقی ماندہ مسلمان موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے، ان کیلئے سر چھپانے کی کوئی جگہ باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اوقاف و معافیات بحق سرکار ضبط ہو چکے تھے جن کی آمدنی سے کبھی دینی درس گاہیں قائم تھیں، اور ملک کے طول و عرض میں بہت سے اسلامی ادارے چلائے جا رہے تھے، چنانچہ دینی مدارس اور اسلامی مراکز چل رہے تھے، آخر کار یہ تمام دینی مدارس اور اسلامی مراکز انقلاب نو کی نذر ہو کر تباہ و برباد ہوگئے، اور ملک کی آبادی خوف و ہراس کی سخت گرفت میں آ گئی۔ عیسائی مشنریوں نے اپنے لئے اس ماحول کو سازگار اور غنیمت جانا، چنانچہ ملک کے اس منقلب ماحول میں یورپ سے پوپ کی ایماء پر

پادریوں کا ایک جم غفیر یہاں اتار دیا گیا جو حکومت کی فوجوں کے سائے میں عیسائیت کا پرچار کرنے لگے اور ان لوگوں نے علی الاعلان اسلام اور اسلامی تعلیمات پر براہ راست حملے شروع کر دیئے۔ انگریزی حکومت کے ارباب بست و کشاد کی دلی خواہش اور سعی تھی کہ ہندوستانی باشندے خوف و لالچ میں مبتلا ہو کر عیسائیت کو قبول کر لیں، تاکہ اس ملک میں انگریزوں کی حکومت کا مستقبل پائیدار و تابناک ہو جائے۔

اس تمام پس منظر کو دہلی سے سو میل کی دوری پر دیوبند، نانوتہ، تھانہ بھون اور گنگوہ جیسے چھوٹے چھوٹے قصبات کے مؤقر اور دور بین علماء کرام بچشم خود مشاہدہ کر رہے تھے اور نہایت فکر مند تھے کہ موجودہ حالات کے مقابلہ کی کیا صورت ہو، کیونکہ مسلمانوں کے اقتدار شان وشکوہ اور جاہ وجلال کے آفتاب کو گہن لگ چکا تھا، ایک دین باقی رہ گیا تھا اس پر بھی یہ خطرناک قسم کی یلغار مسلسل جاری تھی۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے نازک وقت میں ہوش وحواس کا بجا رہنا ہی بذات خود بڑا کمال تھا، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ اور آپ کے احباب و انصار ان حالات کی وجہ سے سب سے زیادہ دلگیر تھے، اور باہم مشورے کر رہے تھے کہ امن بحال ہونے کے بعد کیا اقدامات کئے جائیں، یہ سارے حضرات مخلص، خدا رسیدہ اور ایمان و اسلام کے دل دادہ تھے، ان اللہ والوں کی التجا اور دعائے نیم شبی نے کام کیا اور رب کائنات نے ان کے دلوں میں ڈال دیا کہ موجودہ حالات میں مدارس دینیہ کے قیام سے ہی یورپ سے آئے ہوئے طوفانی الحاد، دہریت اور عیسائیت کے طوفان پر بند باندھا جا سکتا ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ تمام مدارس آزاد ہوں اور مسجدوں کی طرح ان کا تعلق بھی عام مسلمانوں سے براہ راست ہو، ان کا انتظام مسلمان اپنی جیب سے کریں اور ان میں بلاتفریق امیر وغریب ہر ایک مسلمان بچہ تعلیم پا سکے۔ اس کے ساتھ علماء ایثار سے کام لیں اور معمولی معاوضہ پر درس، تدریس اور تعلیم وتربیت کی خدمات انجام دیں۔ طلباء کے قیام وطعام اور دوسری ضروریات کا نظم حتی الوسع مدارس کی طرف سے ہو۔

انگریزی دور حکومت میں دارالعلوم دیوبند پہلا تعلیمی ادارہ ہے جس کی داغ بیل اللہ کے مقبول بندوں نے اس سرزمین پر ڈالی تھی، اور خلوتوں میں رو رو کر رب العالمین سے التجا کی تھی

کہ اسے ہندوستان میں اسلام وایمان کے تحفظ، بقا اور اشاعت کتاب وسنت کا ذریعہ بنادیا جائے تاکہ تثلیث کے فرزندوں کے تمام منصوبے ناکام ہوجائیں اور یہاں کے سہمے وخوفزدہ مسلمانوں میں ہمت وجرأت پیدا ہو، اور وہ دین قیم کی حفاظت پر اپنا سب کچھ قربان کردینے پر ہر آن آمادہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ان برگزیدہ وخدارسیدہ علماء اور بزرگوں کی دعائیں قبول فرمائیں اور دیوبند کے اس جامعہ کو بڑی ترقی عطا کی، مایوسی کے اس ماحول میں جو مدرسہ ایک مسجد میں جاری ہوا تھا اسے برصغیر کا علمی مرکز اور مرجع بنا دیا اور اس نے کتاب وسنت اسلام و مسلمانوں کی عظیم الشان خدمات انجام دیں جس سے دین کا چرچا عام ہوگیا، سوئے ہوئے مسلمان بیدار ہوگئے اور غیر ملکی حکومت کا خوف وہراس ان کے دلوں سے نکل گیا بلکہ اسی جامعہ اور اس کے فارغین وفضلاء کی جدوجہد سے ملک آزاد ہوا، اور سارے ملک میں دینی مدارس کے جاری کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا اس کے ساتھ ہی عام مسلمان ایمان وایقان کی دولت سے مالا مال ہوگئے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ جو اس مدرسہ کے سب سے پہلے صدر المدرسین تھے اور جنہوں نے اپنی آنکھوں سے ۱۸۵۷ء کا زمانہ دیکھا تھا، انہوں نے اس وقت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''مجموعہ حال کے دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ اب دین کا خاتمہ ہے نہ کوئی پڑھ سکے نہ پڑھا سکے، بڑے بڑے شہر (جیسے دہلی) جو مرکز اس دائرے کے تھے خراب ہوگئے، علماء پریشان، کتب مفقود، جمعیۃ ندارد، اگر کسی قلب میں شوق اور طلب علم کی ہمت ہو تو کہاں جائے اور کس سے سیکھے اور یوں نظر آتا تھا کہ بیس تیس سال میں جو علماء بقید حیات ہیں اپنے وطن اصلی جنت کو سدھار جائیں۔ تب کوئی اتنا بتلانے والا بھی نہ رہے کہ وضو کے کتنے فرض ہیں اور نماز میں کیا واجب ہے۔'' (از ''دارالعلوم دیوبند کے ۱۱۷ سال'')

جیسا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے تاریخ دارالعلوم دیوبند میں اور حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہریؒ نے ''العناقید الغالیہ'' میں بھی تحریر فرمایا ہے کہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہونے والے سانحات اور مصائب کا ردعمل تھا اس لیے دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت انگریزوں کی طرف سے ڈھائے گئے

مظالم اور اسلام وعلماء اسلام کے خلاف پے در پے سازشوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جنگ آزادی کے بعد ظلم و تشدد کا جو بازار گرم کیا گیا اس کے لئے تو اس موضوع پر تحریر کی گئی مستقل کتب دیکھی جا سکتی ہیں۔ (۱۸۵۷ء، مؤلفہ غلام رسول مہر اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، مؤلفہ محمد ایوب قادری) لیکن جنگ کے شعلے سرد پڑ جانے کے بعد بھی مسلمانوں کو ہر طرح سرکاری ملازمتوں سے برطرف کیا گیا۔ ان کی زمینیں مختلف حیلوں بہانوں سے ضبط کر لی گئیں، ان کے پیشوں کو سرکاری طور پر بند کر دیا گیا۔ گویا اقتدار تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے چلا ہی گیا تھا مگر اب ان کیلئے عزت و زندگی کے راستے بھی بند تھے۔

اڑیسہ کے مسلمانوں نے اس بے روزگاری سے تنگ آ کر انگریز کمشنر کو ایک درخواست دی تھی، جس کے مندرجہ ذیل جملے کس قدر یاس انگیز اور سبق آموز ہیں:

''مسلمان اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اب بالکل نادار ہیں اور ہمارا کوئی بھی پرسان حال نہیں۔ اب ہماری حالت ماہی بے آب کی طرح ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کی اس ابتر حالت کو ہم جناب عالی کے حضور میں پیش کرنے کی جرأت کر رہے ہیں۔ ہم اس قدر مایوس ہو چکے ہیں کہ صمیم قلب سے دنیا کے دور دراز گوشوں کا رخ کرنے کیلئے تیار ہیں۔ ہم ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں پر چڑھنے کیلئے مستعد ہیں۔ ہم سائبیریا کے بے آب و گیاہ حصوں میں مارے مارے پھرنے کیلئے آمادہ ہیں، بشرطیکہ ہمیں یقین دلا دیا جائے کہ ایسا کرنے سے ہمیں دس شلنگ (ساڑھے سات روپے) ہفتہ کی ملازمت سے سرفراز کیا جائے گا۔''

مرزا غالب دہلوی جیسا خوش مزاج اور قصیدہ گو شاعر بھی یہ لکھنے کیلئے مجبور ہو گیا:

''دلی کہاں؟ ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا...... اہل اسلام میں صرف تین آدمی باقی ہیں، میرٹھ میں مصطفیٰ خان، سلطان جی میں مولوی صدر الدین خان، بلی ماروں میں سگ دنیا موسوم بہ اسد، تینوں مردود و مطرود، محروم و مغموم۔''

انگریزوں نے برصغیر کے مسلمانوں پر جو ظلم و ستم روا رکھے، وہ تاریخ کا ایک بدنما داغ ہیں، کالا پانی (جزیرہ انڈمان) کی یادیں جب تک مسلمانوں کے دلوں میں زندہ ہیں وہ اس قوم کی سنگدلی اور مسلم دشمنی کو فراموش نہیں کر سکتے۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ خود ایک عیسائی پادری نے برطانوی حکومت سے شکایت کرتے ہوئے لکھا کہ:

''آپ کے ملازموں کی بداعمالیوں سے ہندوستانیوں کی نظر میں آپ کے خدا کی جتنی

بے عزتی ہوتی ہے اور آپ کا مذہب جتنا بدنام ہو رہا ہے اس کی کیفیت اگر آپ کو معلوم ہو جائے تو آپ کے آنسوؤں کی ندیاں بہہ جائیں۔''

آخر میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تأسیس دارالعلوم کے بعد جب حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کو اس کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا:

''سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سر بسجود ہو کر گڑگڑاتی ہیں کہ خداوندا! ہندوستان میں بقاء اسلام اور تحفظ علم کا کوئی ذریعہ پیدا کر۔ یہ مدرسہ ان ہی سحر گاہی دعاؤں کا ثمر ہے۔''

اس ایک مختصر جملے میں دارالعلوم دیوبند کی تأسیس کا مکمل پس منظر سمٹ کر آ گیا ہے۔

جب مینارۂ نور تعمیر ہوا

ہندوستان میں انگریزی استبداد ۱۸۵۷ء میں مکمل طور پر قائم ہوا اور اس سے نو سال بعد یہ ۱۲۸۳ھ کے ماہ محرم الحرام (۳۰ مئی ۱۸۶۶ء) کی پندرھویں تاریخ تھی جب دارالعلوم کے قیام کی پہلی اینٹ رکھی گئی اور دیوبند کی سرزمین پر وہ پاکیزہ بیج بویا گیا جس سے اگنے والے تناور درخت کی ٹھنڈی چھاؤں اور خوش ذائقہ میووں سے عرب وعجم کے ایک بڑے حصے نے فائدہ اٹھانا تھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی راہنمائی کیلئے بسا اوقات رویائے صادقہ (سچے خواب) دکھاتے ہیں۔ چنانچہ قیام دارالعلوم سے پہلے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے خواب دیکھا تھا کہ وہ کعبہ کے اوپر کھڑے ہوئے ہیں اور ان کے ہاتھوں کی دس انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہیں جو ساری دنیا میں پھیل رہے ہیں۔ اسی طرح دارالعلوم کے پہلے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدینؒ نے دیکھا کہ دینی علوم کی چابیاں ان کے ہاتھ میں دیدی گئی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے چھٹے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ بیان فرماتے ہیں کہ جس مجلس میں دارالعلوم کے قیام پر غور وخوض کیا جارہا تھا اس میں شریک اکثر اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک دینی مدرسہ کے قیام کا الہام فرما دیا تھا۔ چنانچہ کچھ نے تو کہا کہ انہیں اللہ کی طرف سے اس کا الہام کیا گیا ہے، کچھ نے بتایا کہ مجھے خواب میں یہ بتایا گیا ہے کہ اور بعض نے کہا ہمارے دل پر یہ وارد ہوا ہے کہ اب ایک مدرسے کا قیام عمل میں لایا جائے۔

دیوبند میں چھتے والی مسجد کے صحن میں ایک انار کے درخت کے نیچے دارالعلوم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ بغیر عمارت اور بغیر ساز و سامان کے قائم شدہ اس معمولی سے مکتب کے اثرات کہاں تک پہنچیں گے۔

جب طالب علموں کی تعداد بڑھی تو قاضی مسجد اور کرایہ کے مکانات میں درس دیا جانے لگا۔ شہر کی جامع مسجد میں اس غرض کیلئے کمرے بنوائے گئے۔ چنانچہ چند سال اس مسجد میں درس و تدریس کے حلقے جمتے رہے، آخر میں طے پایا کہ مدرسہ کی اپنی مستقل عمارت ہونی چاہئے۔ جہاں روئیداد مدرسہ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) کے مطابق ایک مکان وسیع، بافراغت جس میں قریب سو کے طلبہ بآرام تمام رہ سکیں، اور چار پانچ درسگاہ بھی ہوں اور دفع حوائج ضروریہ کی جگہ بھی اس میں ہو'' تیار ہو'' چنانچہ نئی عمارت کیلئے چندہ کی اپیل کی گئی اور عطیات اور چندہ بھیجنے کیلئے سید محمد عابد ہی کا نام دیا گیا۔ یہ اپیل کامیاب رہی اور ''آرزو دیرینہ جس کی سال ہا سال سے امید تھی کہ ایک قطعہ بہایت واسطے تعمیر مکانات کے خرید لیا گیا۔'' مدرسہ کی روئیداد ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں کہا گیا ہے کہ مدرسہ میں تقسیم اسناد کا رسمی اجلاس منعقد ہوا، جس میں دیوبند سے باہر کے لوگ بھی شریک تھے، اس موقع پر اپنی مستقل عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اوّل پتھر جناب مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ نے اپنے دست مبارک سے رکھا اور بعد میں جناب مولانا محمد قاسم نانوتویؒ و مولوی رشید احمدؒ، مولانا مولوی محمد مظہرؒ نے ایک ایک اینٹ رکھی جس گویا قیام مدرسہ سے تقریباً ۹ سال بعد مدرسہ کی اپنی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ لیکن ''ارواح ثلاثہ'' میں کہا گیا ہے کہ جدید عمارت کی پہلی اینٹ مولانا اصغر حسینؒ کے نانا مرحوم نے رکھی۔ مزید کہ حاجی سید عابد صاحب نئی عمارت بنانے کے خلاف تھے وہ ناراض ہو کر چھتہ والی مسجد میں چلے گئے۔ لیکن مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی درخواست پر نہ صرف تقریب میں شریک ہوئے، بلکہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معذرت بھی پیش کی۔

مزید تعمیراتی ترقی کا کچھ اندازہ حسب ذیل بیان سے کیا جا سکتا ہے۔

''طلبہ کے قیام کی سہولت کیلئے مختلف اوقات میں دارالاقامہ کی عمارات تیار ہوئیں، اس سلسلے میں سب سے پہلے عمارت نودرہ کی ہے جس کا پورا حلقہ اس وقت درس گاہوں اور کشادہ ہال پر مشتمل ہے لیکن جیسے جیسے طلبہ کی تعداد بڑھتی گئی عمارات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۳۱۶ھ میں سب سے پہلے ایک احاطہ دارالعلوم میں دارالطلبہ کے نام سے تیار ہوا، جس کی بطور خاص

خوشی منائی گئی، اس کے ساتھ صدر دروازہ پر دارالمشورہ کی عمارت تیار ہوئی۔ سرزمین ہندوستان پر دارالحدیث کے نام سے پہلی تعمیر کا سنگ بنیاد ۱۳۳۰ھ میں رکھا گیا جہاں آج تک درس حدیث جاری ہے۔

قدیم مہمان خانہ بنا، ۱۳۲۷ھ میں طلبہ کی تعداد جب دوگنی ہوگئی تو دار جدید کی بنیاد ڈالی گئی اور اس کی تعمیر کا کام عرصہ تک جاری رہا۔ اس دارالاقامہ کی تکمیل ۱۳۶۰ھ میں ہوئی، یہ دارالعلوم کا سب سے وسیع دارالاقامہ ہے۔ جس میں ۱۰۹ کمرے صرف نچلی منزل میں ہیں بعد میں اس کے اوپر بھی کمرے بنائے گئے جس کی تکمیل ۱۹۸۰ء میں ہوئی۔ درمیانی مدت میں حسب ضرورت دارالاقامہ اور بھی بنا دیئے گئے جن میں افریقی منزل قدیم و جدید قابل ذکر ہیں، ماشاء اللہ اس دارالاقامہ میں کافی وسعت اور کشادگی ہے، چھتے کی مسجد کے سوا کوئی دوسری مسجد نہیں تھی جس کی وجہ سے قیام پذیر طلبہ کے نماز پڑھنے میں دشواری پیش آتی تھی اسی کے پیش نظر ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم کی مسجد کی بنیاد ڈالی گئی جو ۱۳۲۸ھ میں بن کر تیار ہوگئی۔ بعد میں ۱۳۴۹ھ میں اس مسجد کی بالائی منزل کا اضافہ ہوا۔ ۱۳۳۳ھ میں دیوبند کے ریلوے اسٹیشن کے متصل بھی ایک مسجد تیار کرائی گئی تاکہ مسلم مسافروں کو نماز پڑھنے میں سہولت رہے کچھ سال پہلے چھتے کی مسجد میں چار صفوں کی جگہ کا بھی اضافہ کیا گیا اور اس کی مرمت و تزئین کے بعد رونق دوبالا کی گئی، جمعہ کی نماز میں جو تکلیف ہوتی تھی بڑی حد تک اس کا ازالہ بھی ہوگیا۔

۱۳۵۸ھ میں دارالحدیث کی بالائی منزل پر دارالتفسیر کے نام سے ایک عمارت بھی بنائی گئی۔ دارالعلوم کی یہ سب سے بلند عمارت ہے، اس پر عمدہ گنبد بنا ہے جو اپنی بلندی اور عظمت میں ممتاز ہے اور بہت دور سے نظر آتا ہے۔ ۱۳۵۹ھ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند افغانستان تشریف لے گئے تو شاہ محمد ظاہر سابق والیٔ افغانستان نے ایک رقم پیش کی، واپس آکر حضرت نے مزید روپیہ چندہ کرکے باب الظاہر کے نام سے غربی دروازہ تیار کرایا، ان کے علاوہ بھی مختلف زمانوں میں مختلف عمارات بنیں، جیسے دارالقرآن، یادگار رسعدیؒ، کتب خانہ کا جدید ہال، دفتر محاسبی، دفتر تنظیم و ترقی، جدید مہمان خانہ، جامعہ طبیہ، دارالمدرسین و ملازمین اور دیگر درس گاہیں وغیرہ۔''

(دارالعلوم دیوبند کے ۱۱۷ سال، ص ۴۰)

۱۲۹۶ھ۔ ۱۸۷۶ء میں جب دارالعلوم دیوبند کی موجودہ عمارتوں میں سب سے پہلی

عمارت نو درہ کی بنیاد کھدوائی گئی تو اس وقت کے مہتمم مدرسہ مولانا رفیع الدینؒ نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجوزہ مقام پر تشریف رکھتے ہیں اور ان سے خطاب فرما رہے ہیں کہ "یہ احاطہ تو بہت مختصر ہے۔" یہ فرما کر خود عصائے مبارک سے احاطہ و عمارت کا نقشہ کھینچ کر بتلایا کہ "ان نشانات پر تعمیر کی جائے۔" مولانا نے صبح اٹھ کر دیکھا تو نشانات موجود تھے۔ چنانچہ ان ہی نشانات پر بنیادیں کھدوا کر تعمیر شروع کرائی گئی۔

(تاریخ دیوبند ص۱۶۲)

دارالحدیث کی تعمیر کیلئے سید یوسف علی مرحوم اپنے وطن ٹونک میں چندہ جمع کر رہے تھے کہ انہیں خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنس کر فرمایا کہ "تم نے کس قدر چندہ وصول کیا ہے؟" انہوں نے عرض کیا باسٹھ روپے۔ (تاریخ دیوبند ص ۸۶)

آٹھ اصول

دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: "اصول کا متن جو حضرت والا کے قلم کا لکھا ہوا خزانہ دارالعلوم میں محفوظ ہے، حسب ذیل عنوان سے شروع ہوتا ہے۔"

"وہ اصول جن پر یہ مدرسہ نیز اور مدارس چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں۔"

اس عنوان کے نیچے حسب ذیل آٹھ اصول قلم بند فرمائے گئے:

❶ اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنان مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ (عوامی مالی اعانت) پر نظر رہے آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں۔ خیر اندیشان مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

❷ ابقاء طعام طلبہ مل کر افزائش طعام طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشان مدرسہ ہمیشہ ساعی تر رہیں۔

❸ مشیران مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو اپنی بات کی پچ نہ کی جائے۔ خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بناء میں تزلزل آجائے گا۔ القصہ تہہ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کی پس و پیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے۔ سخن پروری نہ ہو، اور اس کیلئے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہار رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں،

اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں۔ یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آ جائے گی تو اگرچہ ہماری مخالفت ہی کیوں نہ ہو بہ دل وجان قبول کریں گے۔ نیز اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں، یا کوئی وارد، صادر جو علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو۔ نیز اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے اہل مشورہ سے مشورہ کرنے کی نوبت نہ آئے اور بقدر ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھے کیوں نہ پوچھا؟ ہاں اگر مہتمم نے کسی سے بھی نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ معترض ہو سکتا ہے۔

۴ یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علمائے روزگار خود بین اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں۔ خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں۔

۵ خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو پوری ہو جایا کرے ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

۶ اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ ان شاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہو گئی جیسی جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجاء جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا، اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہمی نزاع پیدا ہو جائے گا۔ القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

۷ سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی مضر معلوم ہوتی ہے۔

۸ تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے، جسے اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو۔ بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

پہلا ساقی و پہلا مے خوار

دارالعلوم دیوبند کے قیام میں عملی طور پر سب سے پہلے جو کردار سامنے آتے ہیں وہ ہیں

اس درسگاہ کے اولین استاذ و شاگرد۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں کا اسم گرامی محمود تھا۔ استاذ، ملاّ محمود دیو بندی کے نام سے جب کہ شاگرد محمود حسن کے نام سے معروف تھے۔ یہی شاگرد آخرکار اس درسگاہ کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس بننے کے ساتھ ہندوستان کی سیاست اور آزادی کی جدو جہد میں قائد کی حیثیت سے سامنے آئے۔ دنیا آپ کو شیخ الہندؒ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ محترم استاذ ملاّ محمود دیو بندیؒ کے مختصر حالات زندگی درج ذیل ہیں:

''آپؒ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور محدث کبیر مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے ساتھیوں اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ دارالعلوم کی ابتداء آپ دونوں ''محمودوں'' سے ہی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ بھی ابوداؤد شریف مؤطا امام مالک میں آپ کے شاگرد تھے جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب ''السبع السیارۃ'' میں لکھا ہے۔ جب دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی، اس وقت آپ میرٹھ میں مدرس تھے، حضرت نانوتویؒ نے آپ کو وہاں سے بلاکر دارالعلوم میں مدرس مقرر فرمایا۔ آپ نے اپنی پوری زندگی دارالعلوم دیوبند میں ہی تدریس فرمائی۔ آپ نے حدیث، شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ سے پڑھی تھی اور سنن ابن ماجہ کا مشہور حاشیہ ''انجاح الحاجۃ'' لکھنے میں اپنے استاذ محترم کی مدد بھی فرمائی تھی۔ آپ کا انتقال ۱۳۰۴ھ کو دیوبند میں ہی ہوا اور آپ وہاں ہی دفن ہوئے، اعلی اللہ درجاتہ'' (حاشیہ العناقید الغالیہ)

حضرت شیخ الہندؒ کے مختصر حالات زندگی اسی کتاب میں شخصیات کے حصے میں ملاحظہ فرمائیں:

یقین کے زاویے

یہ ۱۳۲۵ھ کی بات ہے جب بعض غلط فہمیوں کی بناء پر عرب علماء نے حقیقت حال معلوم کرنے کیلئے علماء دیوبند کی خدمت میں ۲۶ سوالات روانہ کیے، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (صاحب بذل المجہود) نے ان سوالات کے واضح جوابات تحریر فرمائے اور تمام موجود اکابرین نے اس پر تصدیقی دستخط ثبت کیے اس طرح یہ علماء دیوبند کی ایک متفقہ دستاویز تیار ہوگئی۔ ان جوابات کی تمہید میں علماء دیوبند کے مسلک کا بیان بہت وضاحت سے آگیا ہے چنانچہ حضرت سہارنپوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اس سے پہلے کہ ہم جواب شروع کریں جاننا چاہئے کہ ہم اور ہمارے مشائخ اور ہماری ساری جماعت بحمد للہ فروعات (فروعی مسائل) میں مقلد ہیں، مقتدائے خلق حضرت امام ہمام امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اور اصول و اعتقادیات میں پیروکار ہیں، امام ابوالحسنؒ اشعری اور امام ابومنصور ماتریدیؒ کے اور طریقہ ہائے صوفیاء میں ہم کو انتساب حاصل ہے۔ سلسلہ عالیہ حضرات نقشبندیہ اور طریقہ زکیہ مشائخ چشتیہ اور سلسلہ بہیہ حضرات قادریہ اور طریقہ مرضیہ مشائخ سہروردیہ کے ساتھ۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم دین کے بارے میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہتے جس پر کوئی دلیل نہ ہو، قرآن مجید کی یا سنت کی یا اجماع امت یا قول کسی امام کا۔ اور بایں ہمہ ہم دعویٰ نہیں کرتے کہ قلم کی غلطی یا زبان کی لغزش میں سہو و خطا سے مبرّا ہیں۔ پس اگر ہمیں ظاہر ہو جائے کہ فلاں قول میں ہم سے خطا ہوئی، عام ہے اصول میں ہو یا فروع میں، تو اپنی غلطی سے رجوع کر لینے میں حیا ہم کو مانع نہیں ہوتی اور ہم رجوع کا اعلان کر دیتے ہیں۔'' (المہند علی المفند)

حقیقت یہ ہے کہ ''دیوبند'' کسی نئے مذہب یا فرقہ کا نام ہرگز نہیں ہے بلکہ جمہور اسلاف امت کا عقیدہ ان کا عقیدہ اور ان کا عمل ان کا عمل ہے۔ حضرت قاری محمد طیبؒ نے اپنی آخری تالیف ''علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج'' میں اس کو تفصیلی طور پر تحریر فرمایا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اپنی ایک مختصر تحریر میں لکھتے ہیں:

''اکابر دیوبند کا مسلک وہی رہا جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا تھا کہ حدیث کے بعد فقہ و اجتہاد کی اہمیت کے پیش نظر فقیہ امت حضرت امام ابوحنیفہؒ کو امام تسلیم کر لیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ ارباب قلوب کے علوم تصوف و علوم تزکیہ قلوب کا صحیح امتزاج کیا جائے اور اگر ایک طرف ابن تیمیہؒ کی جلالت قدر کا اعتراف ہو تو دوسری طرف شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے کمالات کا اعتراف ہو۔ امام ابُوحنیفہؒ کی تقلید و اتباع کے ساتھ احادیث نبویہ اور علوم صوفیہ دونوں کو جمع کر کے ایک خوبصورت، مؤثر دلنشین مسلک ظہور میں آ گیا، اسی کا نام دیوبند مکتب کا مسلک بن گیا۔

(مقدمات بنوریہ ص ۳۰۷)

خدمتِ اسلام

پورے ایشیا میں دارالعلوم دیوبند کی دینی، مذہبی، تالیفی، تصنیفی، تعلیمی، قومی، ملکی، ملی،

اصلاحی اور فنی خدمات ہر شہر، ہر قصبہ، ہر دیہات میں دن رات مسلّم ہے۔

جب ہندوستان میں کفر کا طوفان تھا۔ شرک بر جمان تھا۔ بدعات، رسومات، رواجات میں مبتلا انسان تھا۔ خرافات، ہزلیات، اغلوطات کا شکار مسلمان تھا۔ اسلام برائے نام تھا۔ مذہب بدنام تھا۔ ہر غلط کام تھا، عقیدہ خام تھا۔ جہالت کا اندھیرا تھا، ظلم کا بسیرا تھا، گمراہی کا ڈیرہ تھا، انگریز کی حکمرانی تھی، حکومت شیطانی تھی۔ ہر طرف حیرانی پریشانی تھی، ہر سو ویرانی تھی۔

جب علماء کو پھانسی پر لٹکایا گیا، دارورسن پر چڑھایا گیا، دریائے شور عبور کرایا گیا، حق گو لوگوں کا سر اڑایا گیا الکفر ملۃ واحدۃ کا سماں تھا، نقشہ الحفیظ والاماں تھا۔ بڑے بڑے جاگیردار سرمایہ دار اور زمیندار حکومت کے وفادار تھے۔ ملک کے غدار تھے، مذہب سے بیزار تھے، اعلیٰ عہدوں کے طلب گار تھے، اکثر عیار، مکار اور بے کار تھے، مناصب کے نشے میں سرشار تھے، مسلمان ذلیل وخوار تھے۔ قرآن کے نسخے جلائے گئے، اسلام کے نقشے مٹائے گئے۔ مجاہدوں پر مقدمے چلائے گئے درختوں پر لٹکائے گئے، کالجوں کی تعلیم تھی، مسلمانوں میں نہ تنظیم تھی، نہ اسلامی تعلیم تھی۔

حق پرستوں کا گروہ برسرِ پیکار تھا، ہندوستان میدان کارزار تھا، سب سے بڑا دشمن انگریز تھا، جو بڑا شر انگیز، چالاک تھا، تیز تھا، پھر بھی مقابلہ مقاتلہ کا معاملہ کیا گیا، مسلمانوں کی دینی تنزلی دیکھ کر غیور جاگ اٹھے۔ بالآخر انگریز اس ملک سے بھاگ اٹھے۔

دارالعلوم دیوبند نے ہزاروں مفسر، محدث، مفتی، متکلم، محقق، مدقق، مناظر، معلم، مبلغ، مؤرخ، مدبر، مفکر، سیاستدان، صحافی، شاعر، ماہر تیار کئے اور ہزاروں فقہاء، علماء، فضلاء، فصحاء، بلغاء، ادباء، اتقیاء، اذکیاء، اصفیاء، اکابر، شیوخ پیدا کئے۔

(حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ)

- تعلیمی نظام
- درسِ نظامی کا تعارف
- تدریسِ قرآن وسنت
- دار العلوم دیوبند کا تاریخی نصاب
- وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا نصاب

نصابِ تعلیم ...... کیا اور کیوں؟

اس سے پہلے کہ ہم دار العلوم دیوبند کے نصاب پر نظر ڈالیں انتہائی اختصار کے ساتھ یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ علماء دیوبند نے کن حالات کے پیشِ نظر علوم جدیدہ اور خصوصاً انگریزی زبان کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا اور اپنے نصاب تعلیم میں اسے جگہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ وہ دور تھا کہ ایک ایسی حکومت ہندوستان پر مسلط ہوگئی تھی جسے مسلمانوں کی تہذیب واقدار سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ اس کے رائج کردہ نظامِ تعلیم کا مقصد ہی یہ تھا کہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کی عظیم الشان تعلیمات اور تاریخ سے کاٹ دیا جائے۔ برطانوی ہندوستان میں ملک کی تعلیمی حالت پر متعدد رپورٹیں لکھی گئیں تھیں۔ ۱۷۹۲ء میں چارلس گرانٹ نے ایک رپورٹ میں لکھا تھا:

''مختصر یہ کہ ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ ہندوستان کے لوگ ایک نہایت ہی بگڑی ہوئی اور ذلیل قوم ہیں اور ان کو اخلاقی فرض کا بہت ہی کم خیال ہے اور حق الأمر کی پرواہ نہ کرنے میں بہت ہی شہ زور ہیں اور اپنے برے اور وحشیانہ جذبات کے محکوم ہیں۔'' (مسلمانوں میں انگریزی تعلیم ۱۷۹۳ء تا ۱۸۹۳ء ص ۳۳)

اسی طرح میکالے نے تعلیمی پالیسی کے بارے میں کہا تھا:

''موجودہ وقت میں ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ ہم ایک ایسے طبقہ کو پیدا کریں جو

ہمارے اور محکوم باشندوں کے درمیان ترجمان بن سکے جو اپنے خون ورنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو لیکن اپنے مزاج، فکر، رائے، اخلاق اور ذہن کے اعتبار سے انگریز ہو۔ (منتخب تحریریں از میکالے (انگریزی) ص ۲۴۹)

۱۸۷۳ء میں خود پنجاب کے گورنر نے کہا:

''انگریزی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انگریزی ادب کے عظیم مصنفین کی روح میں اُترا جائے، ان کے افکار کی عظمت، خوبصورتی، شرافت، تہذیب اور حکمت کو جذب کیا جائے اور زندگی کو ان کے نقطۂ نظر کے مطابق ڈھالا جائے تعلیم کا یہ وہ معیار ہے جس پر محکمۂ تعلیم کو پورا اُترنا چاہئے (پنجاب میں تاریخِ تعلیم (انگریزی) ص ۶۵)

یہ تین حوالے تعلیم کے حوالے سے حکومت کے عزائم کو واضح کرنے کیلئے کافی ہیں۔ اب ذرا ایک نظر اس درسگاہ کی طرف ڈال لیجئے، جسے مسلمانوں کی خوشحالی کیلئے قائم کیا گیا تھا، صاحبزادہ آفتاب احمد نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

''پس اصلی تعلیم کا یہ کام ہے کہ ہمارے طالب علموں کی حقیقت بیں طبیعتوں کو قوم انگلشیہ کی عالی صفات کے مطالعہ کرنے کا موقع دے۔ اس وقت ان کو معلوم ہو جائے گا کہ تقریباً ہر ایک انگریز کے عمل اور فعل میں برک اور میکالے کم وبیش موجود ہیں، ضرورت اس کی ہے کہ انگریزوں کے متعلق صحیح حالات ہمارے نوعمروں کو معلوم ہوں۔ یہی وہ اصول ہے جو ابتداء سے علی گڑھ کالج کی تعلیم میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(رسالہ کانفرنس، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۱۱ء)

اب ذرا اس کے بعد بنظر انصاف حضرت شیخ الہندؒ کے خطبہ کا یہ اقتباس پڑھئے اور سوچئے کہ کیا اس سلسلے میں اس سے زیادہ معتدل رویہ اپنایا جا سکتا ہے؟ حضرت نے جامعہ ملیہ کی افتتاحی تقریب (۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء) میں خطبہ صدارت کے دوران فرمایا:

''آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میرے بزرگوں نے کس وقت بھی کسی اجنبی زبان سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ ہاں یہ بے شک کہا کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت (عیسائیت) کے رنگ میں رنگے جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور اپنے مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومت وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی

تعلیم پانے سے ایک مسلمان کیلئے جاہل رہنا اچھا ہے۔'' (نقش حیات ص ۷۷۶)

بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے قیام دارالعلوم کے آٹھ سال بعد پہلے جلسہ تقسیم اسنادودستار بندی پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''اہل عقل پر روشن ہے کہ آج کل تعلیم علوم جدیدہ تو بوجہ کثرت مدارس سرکاری (اسکول، کالج) اس ترقی پر ہے کہ علوم نقلیہ (قرآن وسنت وغیرہ) کو سلاطین زمانہ سابق میں بھی وہ ترقی نہ ہوئی ہوگی۔ ہاں علوم نقلیہ (قرآن وسنت وغیرہ) کا یہ تنزل ہوا کہ ایسا تنزل بھی کسی زمانہ میں نہ ہوا ہوگا۔ ایسے وقت میں رعایا (مسلمان عوام) کو مدارس علوم جدیدہ (اسکول، کالج) بنانا تحصیل حاصل (یعنی بےکار اور فالتو) نظر آیا۔'' (القاسم کا دارالعلوم نمبر، محرم الحرام ۱۳۴۷ھ)

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ علوم عصریہ کی خدمت کیلئے چونکہ سرکاری تعلیمی ادارے پہلے سے ہی موجود تھے اور اپنے فریضے کو بخوبی سرانجام دے رہے تھے لیکن مذہبی اعتبار سے ان کے نقصانات بھی کھلی آنکھوں سے نظر آرہے تھے اس لیے ایسے اداروں ہی کی ضرورت تھی جو اسلامی علوم اور امت کے متوارث مزاج کی حفاظت کرسکے۔ ایک فرنگی اور غاصب حکومت میں تو یہ سب کچھ قابل فہم تھا لیکن پاکستان کے قیام کے بعد بجا طور پر یہ امید کی جارہی تھی کہ اب دینی علوم کو بھی سرکاری اداروں میں اہمیت دی جائے گی اور ایک مسلمان ملک کی تعلیم گاہیں حقیقی طور پر نئی نسل کی ایسی تربیت کریں گی کہ وہ آئندہ چل کر ایک مفید اور بامقصد مسلمان کے طور پر زندگی گزار سکیں گے۔ اسی غرض سے سید سلیمان ندویؒ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے حکومت کے قائم کردہ تعلیمات اسلامی بورڈ کی رکنیت قبول کی لیکن جب یہ تمنا خاک میں مل گئی (جس کی تفصیل آپ ''حیات مفتی اعظم'' مؤلفہ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی میں دیکھ سکتے ہیں) اور سرکاری تعلیمی اداروں کی حالت جوں کی توں رہی تو علماء دیوبندؒ نے اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وطن عزیز میں بھی ''دارالعلوم'' کے طرز پر دینی اداروں کی بنیاد ڈالی۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ، جو انگریز کی تربیت میں رنگا ہوا تھا، اس کے عزائم مدارس دینیہ کے بارے میں کیا تھے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل خط سے ہوسکتا ہے:

تحریکِ پاکستان کے دوران حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک خط لکھا، جس میں لادین طبقہ کی ذہنیت کا ماتم کیا

گیا تھا، یہ خط ایک تاریخی دستاویز ہے، جسے پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی نے ''خطبات عثمانی'' میں نقل کیا ہے، یہاں اس کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔ مولانا نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''کئی سال ہوئے ایک بہت بڑے مسلمان سرکاری عہدہ دار نے (جو غالباً ''سر'' کا بھی خطاب رکھتے ہیں) مجھ سے دوران گفتگو کہا تھا کہ آپ لوگ اور آپ کے یہ مذہبی گھروندے (مدرسے اور خانقاہیں) صرف اس لیے ہندوستان میں باقی ہیں کہ انگریزی حکومت کی پالیسی ہمارے ہاتھ میں نہیں ہیں جس دن پالیسی ہمارے ہاتھ میں آ جائے گی ہم آپ لوگوں اور آپ کے ان اڈوں کو ختم کر دیں گے اور مداخلت فی الدین کے نعروں سے آپ عوام میں جو ہیجان انگریزوں یا ہندوؤں کے خلاف پیدا کر دیتے ہیں ہمارے خلاف پیدا نہیں کر سکتے۔ ہم جو کچھ کریں گے مسلمان قوم کو ساتھ لے کر کریں گے اور رائے عامہ کو اتنا زیادہ ہموار کر دیں گے کہ وہ آپ کو اپنے مفاد کا دشمن اور قابل قتل سمجھنے لگیں گے جیسا کہ ترکی میں ہو چکا ہے۔''

آج کل دنیا میں ہر طرف اسپیشلائزیشن (تخصصات) کا دور ہے۔ ایک ایک فن کے جزوی مسائل پر بھی خصوصی تحقیقاتی ادارے قائم ہیں تو سوچنا چاہیے کہ علوم اسلامیہ کی حفاظت کیلئے مستقل اداروں کی ضرورت کیوں نہیں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مدارس کے نصاب پر اعتراض کرنے والا علوم دینیہ کی وسعت یا کم از کم اہمیت سے ضرور ناواقف ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ اکابرین دیوبند کا تعلق علوم اسلامیہ سے محض رسمی اور ضابطے کا نہیں تھا، بلکہ یہ ان کے دلی جذبات اور قلبی لگاؤ کا مظہر تھا اسی لئے انہوں نے دنیا کی ہر چیز کو علوم نبوت کے مقابلے میں پس پشت ڈال کر اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف دین اسلام کی آبیاری کیلئے استعمال کیا۔

حضرت گنگوہیؒ کے یہ الفاظ پڑھیں اور ان میں جو خوشی و مسرت کا دریا موجزن ہے اس کا اندازہ کریں:

''حضرت مرشد من! علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دور ہوئے غالباً عرصہ سات سال سے کچھ زیادہ ہوا ہے۔ اس سال تک دو سو سے چند عدد زیادہ آدمی سند حدیث حاصل کر کے گئے اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے درس جاری کیا اور سنت کے احیاء میں سرگرم ہوئے اور اشاعت دین ان سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں

اگر قبول ہو جاوے۔" (مکاتیب رشیدیہ جدید ص ۳۶)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدنیؒ اپنے درس بخاری کے شروع میں علم حدیث پڑھنے پڑھانے کی اغراض پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

"میرے نزدیک علم حدیث کی ایک جداگانہ غرض ہے، وہ یہ کہ اگر علم حدیث کے پڑھنے پڑھانے سے خواہ کوئی بھی فائدہ نہ ہو اور خواہ کوئی بھی ثواب نہ ملے تب بھی اس کے پڑھنے کیلئے ایک غرض یہ کافی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ ہم محبّ رسول ہیں اور آپ سے سچی محبت کے دعویدار ہیں لہٰذا آپ کے کلام کو محض اس لیے پڑھنا چاہئے کہ ایک محبوب کا کلام ہے اور جب اس کو محبت کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک قسم کی لذت، حلاوت اور رغبت پیدا ہوگی۔" (تقریر بخاری شریف ص ۲۷)

اس تمہید کے بعد اب ہم اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے نصابی تفاصیل پیش کرتے ہیں۔

تعلیمی نظام

اس میں شک نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کی ابتداء ایک مکتب کی حیثیت سے ہوئی لیکن آگے چل کر اس درسگاہ نے مکمل طور پر ایک تعلیمی نصاب اور تعلیمی نظام متعارف کروایا جو مذہبی تقاضوں کے ساتھ ساتھ وقت کی ضروریات کو بھی پورا کرتا آیا ہے۔ دارالعلوم کا نظام تعلیم، طریقہ امتحانات، درجات (کلاسز) کی مرحلہ وار تقسیم مکمل طور پر سائنسی بنیادوں پر استوار ہے۔

یہ بات اب عام طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ ان دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں کوئی لچک نہیں ہے اور نہ ہی یہ اپنے ہاں کسی قسم کی مثبت اور صحت مند تبدیلی کو روا رکھتے ہیں لیکن اس خیال کا زیادہ تعلق حقیقت کے بجائے پروپیگنڈے سے ہے۔ ہمارے دینی مدارس میں آجکل جو نصاب رائج ہے، اسے عام طور پر درس نظامی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ نسبت اپنے وقت کے بہت بڑے عالم وفاضل ملا نظام الدین سہالویؒ (المتوفی ۱۱۶۱ھ) کی طرف ہے جو مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ کے معاصرین میں سے تھے، ان کا قدیمی تعلق ہرات (افغانستان) کے معروف بزرگ حضرت شیخ عبداللہ انصاریؒ سے تھا۔ اس خاندان کے شیخ نظام الدینؒ نامی ایک بزرگ نے یوپی کے قصبہ سہالی میں کسی دور میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا اور پھر ان کے خاندان میں یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہا۔ اکبر بادشاہ نے اپنے دور میں اس خاندان

کو سہالی میں معقول جاگیر دیدی تھی جس کی وجہ سے تدریسی نظام بغیر رکاوٹ کے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ عالمگیرؒ کے دور میں سہالی کے شیخ زادوں اور اس خاندان کے درمیان کسی مسئلے میں تنازعہ ہو گیا۔ نتیجۃً اسی خاندان کے ایک بزرگ ملا قطب الدین شہید ہو گئے اور ان کا گھر، کتب خانہ وغیرہ جلا دیا گیا یوں اس خاندان کو یہ علاقہ چھوڑنا پڑا۔ اورنگزیب عالمگیرؒ نے ۱۱۰۵ھ میں لکھنوء کے اندر ''فرنگی محل'' نام کی ایک کوٹھی اس خاندان کو الاٹ کر دی جس کی نسبت سے بعد میں ''علماء فرنگی محل'' کے نام سے یہ عظیم علمی خاندان پورے ہندوستان میں متعارف ہوا۔

درس نظامی کی بنیاد گیارہ علوم وفنون پر استوار تھی:

صرف، نحو، منطق، حکمت وفلسفہ، ریاضی، علم بلاغت، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، تفسیر اور حدیث۔ انہیں سے متعلقہ کتب اس نصاب کا حصہ ہیں۔

علماء دیوبند نے اس نصاب کو من وعن قبول نہیں کیا بلکہ اس میں وقت کی ضروریات کے پیش نظر کافی مفید تبدیلیاں کیں۔ مثلاً سب سے پہلی تبدیلی یہ عمل میں آئی کہ ''درس نظامی'' میں حدیث کی صرف ایک کتاب ''مشکوۃ المصابیح'' داخل درس تھی جبکہ مدرسہ دیوبند میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ارشادات وتعلیمات کے پیش نظر مکمل صحاح ستہ اور دیگر کئی کتب حدیث شامل نصاب کی گئیں۔

دارالعلوم دیوبند اور اس کے طرز پر قائم ہونے والی دینی درسگاہوں کے نصاب میں مختلف اوقات میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں جن میں مختلف کتب کو شامل اور خارج کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن اس بات کی بھرپور کوشش کی گئی کہ یہ تبدیلیاں دینی مزاج کے پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوں نہ کہ رکاوٹ۔ زمانے کی زہریلی ہواؤں سے متاثر ہو کر ہر طرح کے مفید ومضر فنون کو شامل کرنے سے ہمیشہ احتراز کیا گیا لیکن جب بھی حقیقی طور پر یہ محسوس کیا گیا کہ نصاب میں اصلاح کی ضرورت ہے تو اس سے دریغ نہیں کیا گیا۔ ہم یہاں اس بات کے ثبوت کیلئے دارالعلوم دیوبند کا تعلیمی نصاب اور پاکستان کے دینی مدارس کی عظیم تنظیم وفاق المدارس العربیہ کا جاری کردہ نصاب پیش کر رہے ہیں:

دارالعلوم دیوبند کا یہ نصاب تاریخی اہمیت کا حامل ہے اس لیے ہم اسے بعینہٖ نقل کر رہے ہیں، اگرچہ اب اس میں کافی کچھ تبدیلیاں عمل میں لائی جا چکی ہیں۔ اس کے بعد آپ وفاق

المدارس العربیہ کا جاری کردہ تازہ ترین نصاب ملاحظہ فرماسکیں گے۔

عربی ادب: مفید الطالبین، نفحۃ الیمن، مقامات حریری
منطق: صغریٰ، کبریٰ، مرقات، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، سلم العلوم، ملاحسن
فلسفہ: ہدیہ سعیدیہ، میبذی
فقہ: نورالایضاح، قدوری، کنزالدقائق، شرح وقایہ، ہدایہ اولین، ہدایہ آخرین
اصول فقہ: اصول الشاشی، نورالانوار، حسامی، توضیح تلویح
علم بیان: مختصر معانی، تلخیص المفتاح
علم کلام: مسامرۃ، شرح عقائد نسفی
ہیئت: تصریح
علم الفرائض: سراجی، اصول افتاء، رسم المفتی
اصول تفسیر: الفوز الکبیر
تفسیر: جلالین، تفسیر بیضاوی (سورہ بقرہ) قرآن مجید کا مکمل ترجمہ
اصول حدیث: شرح نخبۃ الفکر
حدیث: مشکوٰۃ شریف، صحاح ستہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی)، طحاوی، موطا امام مالک، موطا امام محمد، شمائل ترمذی

اس نصاب کی تکمیل کے بعد اگر طالب علم مزید ایک سال قیام کرے اور تفسیر کی دو کتابوں تفسیر ابن کثیر اور تفسیر بیضاوی کو مکمل طور پر پڑھ لے تو اسے ''فاضل'' کی سند دی جاتی تھی۔ لیکن اگر وہ درجہ فضیلت کے بعد مزید دو سال علمی سفر جاری رکھتا تو اسے ''کامل'' کی سند نوازا جاتا تھا۔ ان اسناد کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، جامعہ ازہر قاہرہ نے تسلیم کرلیا تھا۔ ان اسناد میں جو عربی زبان میں ہوتی تھیں نہ صرف پڑھی ہوئی کتابوں کا اندراج ہوتا تھا۔ بلکہ ان میں طالب علم کی ذہنی استعداد، علمی مہارت اور اخلاقی حالت کا بھی ذکر ہوتا تھا۔ چونکہ ہر طالب علم اپنی علمی استعداد اور اخلاقی حالت کے اعتبار سے مختلف مقامات رکھتا ہے۔ اس لیے یہ اسناد بھی ادنیٰ، متوسط، اعلیٰ، درجات رکھتی تھیں۔ درجہ تکمیل میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل نصاب تھیں:

ادب: دیوان حماسہ، دیوان متنبّی، معلقات سبعہ

عروض:	نقط الدائرۃ
معانی:	مطول
منطق:	میر زاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال، حمد اللہ، قاضی مبارک
فلسفہ:	صدرا، شمس بازغہ
علم کلام:	خیالی، امور عامہ، جلالی
مناظرۃ:	رشیدیہ
اصول فقہ:	مسلم الثبوت
ریاضی:	خلاصۃ الحساب، اقلیدس
ہیئت:	شرح چغمینی، سبع شداد
حکمت شرعیہ:	حجۃ اللہ، عوارف المعارف

نصاب تعلیم وفاق المدارس العربیہ پاکستان

عالمیہ سال دوم (دورہ حدیث شریف)

سنناں مع شمائل (کامل)۔ صحیح مسلم (کامل)۔ جامع الترمذی (کامل)۔ صحیح بخاری (کامل)۔ سنن ابی داؤد۔ طحاوی شریف۔ موطا امام مالک

عالمیہ سال اوّل (سابعہ)

بیضاوی شریف پارہ اول کامل۔ التبیان فی علوم القرآن (الشیخ محمد علی الصابونی الحنفی)۔ مشکوٰۃ شریف کامل۔ شرح نخبۃ الفکر۔ شرح عقود رسم المفتی۔ ہدایہ اخیرین۔ اسلام اور جدید معیشت وتجارت۔ آئینہ قادیانیت۔ اختلاف امت اور صراط مستقیم (برائے مطالعہ)

عالیہ سال دوم (سادسہ)

الفوز الکبیر وجلالین شریف۔ موطا امام محمد، مسند امام اعظم، خیر الاصول، تسہیل الفرائض، سراجی۔ ہدایہ جلد ثانی۔ توضیح تا مقدمات اربعہ۔ تلویح تا بحث الخاص۔ عقیدہ طحاویہ وشرح عقائد۔ الھیئۃ الوسطی، فہم فلکیات (مؤلفہ مولانا شبیر احمد کاکاخیل)۔ دیوان الحماسہ، متن الکافی

عالیہ سال اوّل (خامسہ)

ترجمہ وتفسیر (سورہ فاتحہ تا سورہ یونس)۔ آثار السنن (مکمل)۔ ہدایہ جلد اول۔ حسامی

(مکمل)۔ التاریخ الاسلامی ابراہیم شریقی۔ مختصر المعانی (الفن الاول والثانی)۔ البلاغۃ الواضحۃ (برائے مطالعہ)۔ ہدیہ سعیدیہ۔ ہدایہ الحکمۃ۔ الانتباہات المفیدہ (عربی)۔ مختارات الادب جز اول (ابوالحسن علی ندویؒ)۔ سبع المعلقات

ثانویہ خاصہ سال دوم (رابعہ)

ترجمہ، تفسیر از سورہ یونس تا سورہ عنکبوت۔ ریاض الصالحین کتاب الجہاد تا آخر کتاب الدعوات۔ شرح وقایہ اخیرین۔ نور الانوار تا قیاس۔ شرح جامی تا مبنیات۔ مقامات حریری، دس مقامے۔ معلم الانشاء جلد ۳۔ قطبی تا عکس نقیض، دروس البلاغۃ۔

ثانویہ خاصہ سال اوّل (ثالثہ)

تفسیر از سورہ عنکبوت تا پارہ عم۔ ریاض الصالحین (کتاب الادب فقط)۔ کنز الدقائق ماسوائے کتاب الفرائض۔ آسان اصول فقہ۔ اصول الشاشی۔ النحو۔ کافیہ مکمل۔ نفحۃ العرب حصہ نثر۔ تعلیم المتعلم۔ شرح تہذیب۔ معلم الانشاء

ثانویہ عامہ سال سوم (ثانیہ)

ترجمہ پارہ عم مع مختصر تفسیر۔ مشق قرأت پارہ عم، رابع ثالث (حفظ)۔ فوائد مکیہ۔ زاد الطالبین کامل۔ القراۃ الراشدہ جز اول۔ معلم الانشاء جز اوّل۔ قدوری کامل۔ علم الصیغہ فارسی، عربی مع خاصیات ابواب از فصول اکبری، علم الصرف حصہ ۴۔ ہدایۃ النحو کامل۔ تمرینات از تسہیل الادب۔ تیسیر المنطق، ایساغوجی مرقات۔

ثانویہ عامہ سال دوم (اولیٰ)

مشق قرأت از پارہ عم ربع آخر (حفظ)۔ جمال القرآن۔ الطریقۃ العصریہ (حصہ اول، دوم)۔ میزان ومنشعب۔ پنج گنج یا ارشاد الصرف یا علم الصرف تین حصص۔ علم النحو (نحو میر، فارسی/عربی شرح مائۃ عامل مع ترکیب)۔ تمرین صرف، صفوۃ المصادر۔ تیسیر الابواب۔ تمرین نحو، المنہاج فی القواعد والاعراب، النحو الیسیر، تسہیل النحو۔

ثانویہ عامہ سال اوّل

اسلامیات نہم دہم۔ اردو نہم دہم۔ انگلش نہم دہم۔ ریاضی نہم دہم۔ مطالعہ پاکستان نہم دہم۔ سائنس نہم دہم۔

متوسطہ سال سوم

بہشتی گوہر (ازمولانا اشرف علی تھانویؒ)۔ سیرت الرسول ﷺ (مرتبہ وفاق المدارس)۔ کتاب اردو جماعت ہشتم۔ معاشرتی علوم (مرتبہ وفاق المدارس)۔ ریاضی جماعت ہشتم (مرتبہ وفاق المدارس)۔ گلستان باب ۱ تا ۴۔ انگریزی جماعت ہشتم (مرتبہ وفاق المدارس)۔ سائنس (مرتبہ وفاق المدارس)۔ حدراز پارہ ۲۵ تا آخر (ناظرہ) خلاصۃ التجوید مع سورہ نباء تا مطففین (حفظ)۔

متوسطہ سال دوم

حدر پارہ ۱۱ تا ۲۰ (ناظرہ) از سورہ انشقاق تا سورۃ اللیل (حفظ) مع تجوید صفات حروف۔ سیرت خاتم الانبیاء ﷺ از مفتی محمد شفیع۔ معاشرتی علوم جماعت ہفتم۔ کتاب اردو جماعت ہفتم، املاء از کتاب اردو۔ ریاضی جماعت ہفتم۔ سائنس جماعت ہفتم۔ نام حق۔ پند نامہ۔ گلستان باب ۸۔ انگریزی جماعت ہفتم۔

متوسطہ سال اوّل

حدر ۱۰ پارے اول (ناظرہ) از سورہ والضحیٰ تا والناس (حفظ) مع تجوید مخارج حروف۔ تعلیم الاسلام حصہ سوم چہارم۔ معاشرتی علوم جماعت ششم۔ کتاب اردو جماعت ششم (املا از کتاب اردو)۔ ریاضی جماعت ششم۔ سائنس جماعت ششم۔ تسہیل المبتدی۔ فارسی کا آسان قاعدہ۔ کریما۔ انگریزی جماعت ششم۔

تعلیمِ کتاب وحکمت

اگرچہ نصاب کے نقشے میں ''تدریس قرآن وحدیث'' کا اشارۃً ذکر آچکا ہے لیکن اس کو مستقل طور پر اس لیے لکھنا پڑا کیونکہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ ان مدارس دینیہ میں منطق وفلسفہ پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور قرآن وحدیث کو جیسا کہ ان کا حق ہے، نہیں پڑھایا جارہا۔ شاید یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ پورے عالم اسلام میں یہ شرف صرف برصغیر کے دینی مدارس کو حاصل ہے کہ ان کے ہاں احادیث مبارکہ کے مکمل مجموعے خصوصاً صحاح ستہ (یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) شامل نصاب ہیں ورنہ اکثر جگہ صرف ان کتابوں کے منتخبات ہی پڑھائے جارہے ہیں۔ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ آج مسلم معاشرے کا قرآن وحدیث سے جو ربط ہے اس میں بہت بڑا حصہ دینی مدارس کا ہے۔

چونکہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کا اصل مقصد دینی علوم کی نگہداشت تھا، اس لیے کوشش یہ کی گئی کہ مرحلہ وار طالب علم کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ مستند مآخذ تفسیر وحدیث سے خود استفادہ کر سکے۔ عربی گرائمر، منطق اور فلسفہ کے داخل نصاب کرنے کا اصل مقصد بھی یہی تھا کہ ان علوم آلیہ سے علوم عالیہ تفسیر وحدیث کے سمجھنے میں مدد ملے اور ان کے طرز تحریر کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

قرآن مجید سے متعلق تقریباً تمام ہی دینی مدارس میں ناظرہ اور حفظ کا شعبہ ہوتا ہے جس میں نوعمر بچے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ بعض معمر حضرات بھی جن کے دل میں اللہ کی کتاب حفظ کرنے کا شوق ہوتا ہے، اس شعبے کی زینت ہوتے ہیں۔ بچپن میں معصوم دل ودماغ جس بات کو جذب کرلیں وہ پتھر کی لکیر ہوجاتا ہے اس لیے ابتدائی عمر میں قرآن مجید یاد کروانے کے عام رجحان کے پیچھے انہی دینی مدارس کا ہاتھ ہے۔

جب طلبہ درجۂ کتاب میں داخلے کیلئے درخواست دیتے ہیں تو انہیں اس بات کی وضاحت کرنی پڑتی ہے کہ وہ ناظرہ قرآن مجید پڑھے ہوئے ہیں یا حافظ قرآن ہیں؟ ہر دو صورت میں انہیں داخلہ امتحان میں کامیابی حاصل کرنا ضروری ہوتی ہے۔ کوئی بھی ایسا بچہ جو درست طور پر ناظرہ قرآن مجید پڑھنے کی اہلیت نہ ثابت کرسکتا ہو وہ درجہ کتب میں داخلے کا اہل نہیں ہوتا۔

درجۂ کتب میں عربی کتب سے پہلے تین سال پر محیط عصری علوم پر مبنی کورس پڑھایا جاتا ہے (جیسا کہ سابقہ عنوان کے تحت نصاب کی تفصیل دی جاچکی ہے) مگر ان تعلیمی برسوں میں بھی باقاعدہ طالب علم کیلئے قرآن مجید کا ایک پیریڈ ہوتا ہے جس میں حفاظ منزل سناتے ہیں اور ناظرہ خواں بچے ابتدائی تجوید سیکھنے کے ساتھ استاذ کو اپنا قرآن مجید سنا کر باقاعدہ تصحیح لیتے ہیں۔

عربی کتب کی تعلیم شروع ہوجانے کے بعد پہلی کلاس (درجہ اولی یا المرحلۃ العامہ، السنۃ الاولی) میں تجوید قرآن پر مبنی کتاب ''جمال القرآن'' کا پیریڈ ہوتا ہے جس میں قراء کرام باقاعدہ مشق بھی کرواتے ہیں۔ دوسری کلاس (درجہ ثانیہ یا المرحلۃ العامہ، السنۃ الثانیہ) میں تجوید کی کتاب ''فوائد مکیہ'' کے ساتھ پارۂ عم کا ترجمہ وتفسیر بھی شامل نصاب ہے۔ تیسری کلاس (درجہ ثالثہ یا المرحلۃ الخاصہ السنۃ الاولی) میں قرآن مجید کے آخری دس پاروں کا ترجمہ وتفسیر پڑھایا جاتا ہے۔ اس سے اگلے سال (درجہ رابعہ یا المرحلۃ الخاصہ السنۃ الثانیہ) میں

درمیانے دس پاروں کا ترجمہ وتفسیر اور اس سے اگلے برس (درجہ خامسہ یا المرحلۃ ج العالیہ السنۃ الاولیٰ) میں ابتدائی دس پاروں کا ترجمہ وتفسیر پڑھایا جاتا ہے۔ گویا اسی طرح تین برسوں میں قرآن مجید مکمل ہو جاتا ہے۔ پھر اگلے برس (درجہ سادسہ یا المرحلۃ العالیہ السنۃ الثانیہ) میں تفسیر جلالین دو پیریڈ میں مکمل کروائی جاتی ہے جو پورے قرآن مجید کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

احادیث مبارکہ سے ایک مسلمان کی واقفیت جتنی ضروری ہے وہ کسی پر مخفی نہیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر اب کئی دینی مدارس میں درجۂ کتب عربی کے پہلے ہی سال حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے مرتب کردہ چہل حدیث ''جوامع الکلم'' پڑھائی جارہی ہے۔ چالیس احادیث کا یہ مختصر مجموعہ طلبہ کے اعمال واخلاق کی اصلاح میں خصوصی کردار ادا کرتا ہے۔

دوسرے سال (درجہ ثانیہ میں) احادیث مبارکہ کا مجموعہ ''زاد الطالبین من کلام سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم)'' پڑھایا جاتا ہے۔ یہ رسالہ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مدنیؒ نے اس طرح ترتیب دیا ہے کہ طلبہ کو نحوی تراکیب اور ادبی اسالیب کے ساتھ احادیث طیبہ کے قیمتی جواہر ہاتھ لگتے ہیں۔

تیسرے سال (درجہ ثالثہ میں) امام نوویؒ کی معروف زمانہ کتاب ''ریاض الصالحین'' کے کچھ منتخب ابواب زیر درس رہتے ہیں۔ اس سے اگلے سال (درجہ رابعہ میں) اسی کتاب کا وہ حصہ پڑھایا جاتا ہے جو ''وفاق المدارس العربیہ'' کے نصاب میں شامل ہے۔

پانچویں برس (درجہ خامسہ میں) علامہ نیمویؒ کی کتاب ''آثار السنن'' کا درس ہوتا ہے اور اس سے اگلے برس (درجہ سادسہ میں) امام ابوحنیفہؒ کی روایات پر مشتمل ''مسند امام اعظم'' شامل نصاب ہے۔

ساتویں سال (درجہ سابعہ میں) حدیث شریف کی کتاب ''مشکوۃ المصابیح'' مکمل پڑھائی جاتی ہے۔ اس کتاب کی ضخامت کے پیش نظر اس سال حدیث شریف کے دو پیریڈ ہوتے ہیں۔ آخری سال (درجہ ثامنہ میں) تو یوں سمجھئے کہ ہر سو حدیث کی ہی بہار ہوتی ہے۔ صبح وشام ''قال الرسول'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مبارک الفاظ طلبہ کے مشام جان کو معطر کرتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس سال کو عام طور پر ''دورۂ حدیث شریف'' کہا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم و ہنر کا گہوارہ

دارالعلوم دیوبند کا آنکھوں دیکھا احوال......ایک انگریز کی زبانی

دینی مدارس کو جن حوالوں سے معتوب کیا جاتا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان مدارس میں صرف قدامت پرستی سکھائی جاتی ہے، دقیانوسیت کی تعلیم دی جاتی ہے اور ازمنۂ قدیمہ کے علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ جدت پسندی کے لبادے میں از سرتا پاڈوبے ہوئے لوگ یہ اعتراض عمومی طور پر کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دینی مدارس نے ہر دور میں امت مسلمہ کے نونہالوں کو ایسے علوم وفنون سے روشناس کرایا جن کی اہمیت سے قطعاً انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی حقیقت کی گواہی ہندوستان کے برطانوی گورنر سرجان اسٹیر یچی کے معتمد خاص جان پومر نے ۱۸۷۵ء میں اس وقت دی تھی، جب اسے انگریز گورنر نے حکم دیا تھا کہ ''سنا ہے کہ دیوبند کے قصبے میں مسلمانوں نے ایک مدرسہ بنایا ہے، جاؤ اور خفیہ طور پر تحقیق کر کے آؤ کہ مسلمان دارالعلوم کے پردہ میں کس فکر وعمل میں مصروف ہیں؟'' گورنر کے اس حکم کی تعمیل میں جان پومر نے اپنی جو رپورٹ پیش کی...... ایک اہم تاریخی دستاویز کے طور پر ہم اسے اپنے قارئین کی نذر کر رہے ہیں!

''لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی وشمالی کے ساتھ دورے میں ۳۰ جنوری ۱۸۷۵ء کو دیوبند میں قیام ہوا۔ گورنر نے مجھ سے کہا کہ ''یہاں دیوبند میں مسلمانوں نے گورنمنٹ کے خلاف ایک مدرسہ جاری کیا ہے، تم مبینہ طور پر اس مدرسہ میں جا کر پتہ لگاؤ کہ کیا تعلیم ہوتی ہے اور مسلمان کس فکر وخیال میں لگے ہوئے ہیں۔'' چنانچہ ۳۱ جنوری کو اتوار کے دن میں آبادی میں

پہنچا۔ قصبہ نہایت صاف ہے۔ یہاں کے باشندے خلیق اور نیک ہیں مگر غریب اور فلاکت زدہ ہیں، پوچھتے پوچھتے مدرسہ میں پہنچا۔

یہاں پہنچ کر میں نے ایک بڑا کمرہ دیکھا، جس میں چٹائی کے فرش پر لڑکے کتابیں سامنے رکھے بیٹھے تھے اور ایک بڑا لڑکا ان کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے لڑکے سے دریافت کیا کہ تمہارا استاد کون ہے؟ ایک لڑکے نے اشارہ سے بتایا، معلوم ہوا کہ جو شخص درمیان میں بیٹھا ہوا تھا وہی استاد ہے۔ مجھے تعجب ہوا کہ یہ کیا استاد ہوگا، میں نے اس سے پوچھا آپ کے لڑکے کیا پڑھتے ہیں؟ جواب دیا۔ ''یہاں فارسی پڑھائی جاتی ہے۔''

یہاں سے آگے بڑھا تو ایک جگہ ایک صاحب میانہ قد نہایت خوبصورت بیٹھے ہوئے تھے، سامنے بڑی عمر کے طلبہ کی ایک قطار تھی، قریب پہنچ کر سنا تو علم مثلث کی بحث ہو رہی تھی، میرا خیال تھا کہ مجھے اجنبی سمجھ کر یہ لوگ چونکیں گے، لیکن کسی نے مطلق توجہ نہ دی۔ میں قریب جا کر بیٹھ گیا اور استاد کی تقریر سننے لگا، میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب میں نے دیکھا کہ علم مثلث کے ایسے ایسے عجیب اور مشکل قاعدے بیان ہو رہے تھے، جو میں نے کبھی ڈاکٹر اسپرنگر سے بھی نہیں سنے تھے۔ یہاں اٹھ کر دوسرے دالان میں گیا تو دیکھا کہ ایک مولوی صاحب کے سامنے طالب علم معمولی کپڑے پہنے بیٹھے ہوئے ہیں، یہاں اقلیدس کے چھٹے مقالے کی دوسری شکل کے اختلافات بیان ہو رہے تھے اور مولوی صاحب اس برجستگی سے بیان کر رہے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اقلیدس کی روح ان میں آگئی ہے۔ میں منہ تکتا رہ گیا، اسی دوران میں مولوی صاحب نے جبر و مقابلہ ٹاہنٹر سے مساوات درجہ، اول کا ایک ایسا مشکل سوال طلبہ سے پوچھا کہ مجھے بھی اپنی حساب دانی پر پسینہ آگیا اور میں حیران رہ گیا، بعض طلبہ نے جواب صحیح نکالا، یہاں سے اٹھ کر میں تیسرے دالان میں پہنچا، ایک مولوی صاحب حدیث کی کوئی موٹی سی کتاب پڑھا رہے تھے اور ہنس ہنس کر تقریر کر رہے تھے۔

یہاں سے میں ایک زینے پر چڑھ کر دوسری منزل میں پہنچا، اس کے تین طرف مسقف مکان تھے، بیچ میں ایک چھوٹی سی کچی تھی جس میں دو اندھے بیٹھے بڑبڑا رہے تھے، میں یہ سننے کے لیے کہ کیا کہہ رہے ہیں، دبے پاؤں ان کے پاس گیا تو معلوم ہوا کہ علم ہیئت کی کسی کتاب کا سبق یاد کر رہے ہیں۔ اتنے میں ایک اندھے نے دوسرے اندھے سے کہا ''بھائی کل کے سبق میں شکل عروسی اچھی طرح میری سمجھ میں نہیں آئی، اگر تم سمجھ سکے ہو تو بتلاؤ! دوسرے اندھے

نے پہلے دعویٰ بیان کیا اور اس کی ہتھیلی پر لکیریں کھینچ کر ثبوت شروع کیا، پھر جو آپس میں ان کی بحث ہوئی تو میں دنگ رہ گیا اور مسٹر بریگر پرنسپل کی تقریر کا سماں میری آنکھوں میں پھر گیا۔ وہاں سے اٹھ کر ایک سہ دری میں گیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے صرف نحو کی کتابیں نہایت ادب سے استاد کے سامنے بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ تیسرے درجہ میں علم منقول کا درس ہو رہا تھا۔ میں دوسرے زینے سے اتر کر نیچے آیا۔ میرا خیال تھا کہ مدرسہ بس اسی قدر ہے۔ اتفاق سے ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اس سے اس خیال کی تصدیق چاہی، اس نے کہا ''نہیں! قرآن شریف دوسری جگہ پڑھایا جاتا ہے۔'' میں نے پوچھا کہاں؟ وہ مجھ کو مسجد میں لے گیا، مسجد کے دالان میں بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے ایک نابینا حافظ کے سامنے قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔

میں نے پوچھا گزشتہ سال اخباروں میں دیکھا تھا کہ چار طالب علموں کی دستار فضیلت باندھی گئی تھی، ان میں سے یہاں کوئی موجود ہے ہاں وہ بولا کہ ہاں ایک صاحب ہیں، چلیے میں ملائے دیتا ہوں، وہ مجھے ایک مکان میں لے گیا، جہاں ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا، ایک موٹی سی کتاب سامنے رکھی تھی اور وہاں بارہ طالب علم بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ ایک طرف دو بندوقیں پڑی ہوئی تھیں، میں نے سلام کیا، اس نے کمال اخلاق سے جواب دیا، میں نے پوچھا کہ سال گزشتہ آپ ہی کے دستار فضیلت بندھی ہے؟ بولے اساتذہ کی عنایت ہے۔ میں نے کہا کہ یہ کیا کتاب ہے۔ فرمایا کہ عربی زبان میں ایک فنی کتاب ہے، ایک مطبع کے مہتمم نے ترجمے کے لیے بھیجی ہے۔ اس کی اجرت ایک ہزار روپے ٹھہری ہے۔ مجھے ترجمہ کرتے ہوئے تین مہینے ہوئے ہیں اور تین چوتھائی کے قریب ترجمہ ہو چکا ہے۔ بقیہ انشاء اللہ ایک مہینہ تک ہو جائے گا۔ میں نے پوچھا یہ بندوقیں کیسی ہیں؟ کہنے لگے کہ مجھے شکار کا شوق ہے۔ سات سے دس بجے تک پڑھتا ہوں، گیارہ سے ایک بجے تک شکار اور دو سے چار بجے تک ترجمہ کرتا ہوں۔

میں نے دریافت کیا کہ آپ نوکری کیوں نہیں کرتے؟ بولے ''خدا تعالیٰ گھر بیٹھے بٹھائے ڈھائی سو روپے دے دیتا ہے، پھر کس لیے نوکری کروں؟''

یہاں سے اٹھ کر کتب خانہ میں آیا، منتظم کتب خانہ نے میرا خیر مقدم کرتے ہوئے فہرست دکھلائی میں حیران رہ گیا کوئی فن ایسا نہ تھا جس کی کتاب موجود نہ ہو ایک دوسرا رجسٹر دکھلایا جو طلبہ کی حاضری کا تھا اور نہایت صاف اور خوش خط لکھا ہوا تھا من جملہ ۲۱۰ طلبہ کے ۲۰۸

حاضر تھے۔

میں اٹھنے ہی والا تھا کہ ایک صاحب سبز رنگ کا پٹکا باندھے آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ میں نے پوچھا آپ کی تعریف؟ بولے کہ میں مہتمم ہوں اور تین بڑے بڑے رجسٹر میرے سامنے رکھ دیئے اور بتلایا کہ یہ سال بھر کے آمد و صرف کا حساب ہے، ملاحظہ کیجئے!''

میں نے دیکھا تو تاریخ وار نہایت صحت کے ساتھ حساب لکھا ہوا تھا۔ گوشوارے سے معلوم ہوا کہ گزشتہ سال کے آخر میں خرچ کے بعد کچھ روپیہ بچ گیا تھا۔

طبیعت چاہتی تھی کہ کتابوں کی کچھ سیر کروں، مگر وقت تنگ ہو گیا اور شام ہونے کو تھی۔ مجبوراً واپس ہوا۔

میری تحقیقات کے نتائج یہ ہیں کہ یہاں کے لوگ تعلیم یافتہ نیک چلن اور نہایت سلیم الطبع ہیں اور کوئی ضروری فن ایسا نہیں جو یہاں پڑھایا نہ جاتا ہو، جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں صرف کر کے ہوتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپے میں کر رہا ہے، مسلمانوں کے لیے اس سے بہتر کوئی تعلیم گاہ نہیں ہو سکتی! اور میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی غیر مسلمان بھی یہاں تعلیم پائے تو نفع سے خالی نہیں، انگلستان میں اندھوں کا اسکول سنا تھا، مگر یہاں آنکھوں سے دیکھا کہ دو اندھے تحریری اقلیدس کی شکلیں کفِ دست پر اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ باید و شاید! مجھے افسوس ہے کہ آج سر ولیم میور موجود نہیں ہیں، ورنہ بکمالِ ذوق وشوق اس مدرسہ کو دیکھتے اور طلبہ کو انعام دیتے۔''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

- تألیفی خدمات
  - سیرت نبوی
  - کتب فضائل
  - فقہ واصول فقہ، فتاویٰ کے مجموعے
  - تفاسیر قرآن مجید اور دیگر متعلقہ علوم
  - احادیث طیبہ کے تراجم اور احادیث سے متعلقہ علوم

قلم وقرطاس اور خدمت دین

علماء دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس میدان میں بحیثیت جماعت جو کام لیا گیا، اس سے عالم اسلام کا کوئی گوشہ آج مستغنی نہیں ہے۔ ان کے قلم سے نکلنے والے جواہر ریزوں نے جہاں ایشیا میں اپنی علمیت کا لوہا منوایا وہاں افریقہ وعرب سے بھی داد وتحسین وصول کی۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ وہ حقیقت ہے جو اگلے صفحات میں آپ کو خود نظر آئے گی۔ شاید حدیث شریف کی اسی خدمت کے پیش نظر مصر کے مشہور ادیب، المنار کے ایڈیٹر علامہ رشید رضا مرحوم نے کہا تھا:

”اگر اس زمانے میں علماء ہند نے علم حدیث کی طرف دھیان نہ دیا ہوتا تو آج یہ علم مشرق سے ناپید ہو چکا ہوتا۔“ (مفتاح کنوز السنۃ از محمد فواد عبد الباقی، مقدمہ از رشید رضا)

چونکہ علماء دیوبند کی تالیفی خدمات کا میدان بہت وسیع ہے اور شاید ہی ضروریاتِ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا ہو جو علماءِ دیوبند کے قلم کی دسترس سے باہر ہو، اس لیے کسی ایک عنوان کے تحت اسے جمع کرنا مشکل ہے۔ سہولت کیلئے مندرجہ ذیل ترتیب سے ہم اس فہرست کو بیان کریں گے:

1. قرآن مجید کا ترجمہ وتشریح اور قرآن مجید سے متعلقہ علوم
2. احادیث طیبہ کے تراجم اور احادیث سے متعلقہ علوم

۳ فقہ واصول فقہ، فتاویٰ کے مجموعے

۴ سیرتِ نبوی

۵ کتبِ فضائل

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ہم اس مختصر کتاب کے حجم کے پیش نظر صرف اہم اور مشہور عنوانات پر ہی علماء دیوبند کی کتب اور مؤلفین کے نام اور ضخامت کا ذکر کریں گے۔ ورنہ دیگر موضوعات پر ان کے علاوہ بھی ان کی بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ پھر اگر صرف انہی کتب پر محققانہ تبصرہ کیا جائے یا اکابر کی آراء کو جمع کیا جائے تو بلاشبہ یہ خود ایک ضخیم مقالے کا موضوع بن سکتا ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمیں یا کسی اور کو اس کی بھی توفیق عطا فرمادے۔ یقیناً ان کتب کا حق تب ہی ادا ہو سکے گا۔

کلامِ الٰہی اور اس کے مختلف گوشے

اس عنوان کے تحت پہلے قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر کو ذکر کریں گے۔ بعد ازاں علوم القرآن پر متفرق کتب کی فہرست پیش کی جائے گی۔

تراجم وتفاسیر

۱ ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ

دارالعلوم دیوبند کے اولین طالب علم اور بعد میں بلند پایہ شیخ الحدیث ہونے کا اعزاز رکھنے والی شخصیت کے قلم سے نکلے ہوئے اس ترجمے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ مقبولیت نصیب ہوئی کہ بایدو شاید۔ درحقیقت یہ ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ ''موضح القرآن'' کا نقش ثانی ہے۔ زمانے کی زبان بدل جانے اور کچھ محاورات کے متروک ہو جانے کی وجہ سے یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا ترجمہ جو اپنی نظیر آپ ہے، لوگوں کیلئے بالکل ناقابل فہم نہ بن جائے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اسی ترجمے کو ابنائے زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے ایسے الفاظ ومحاورات کے ساتھ بدل دیا جو عام فہم اور عام طور پر رائج تھے۔ یہ کام آپ نے دیوبند میں ہی شروع فرمادیا تھا لیکن اس کی تکمیل ''جزیرہ مالٹا'' میں ہوئی جہاں انگریز حکومت نے آپ کو آپ کے دیگر رفقاء کے ہمراہ قید کر رکھا تھا۔ دیباچے میں خود حضرت شیخ الہندؒ تحریر فرماتے ہیں:

''جب یہاں تک نوبت پہنچ چکی تو یہ عاجز بنام خدا اس خدمت کے انجام دینے کیلئے تیار ہو بیٹھا۔ گویا دو شالہ میں کمبل سے جگہ جگہ رفو کرنے کا ارادہ کر دیا۔ جب ایک ثلث قرآن کا ترجمہ کر چکا تو بوجہ بعض عوارض ایسا طول طویل حرج پیش آیا کہ ترجمہ کی تکمیل کی توقع بھی دشوار ہو گئی مگر بتوفیق الٰہی عین ایام حرج میں اتنا اطمینان نصیب ہو گیا کہ ترجمہ موصوف باطمینان ۱۳۳۶ھ میں پورا کر لیا۔''

اس کا پہلا ایڈیشن ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا تھا۔

❷ تفسیری حواشی از شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

حضرت شیخ الہندؒ کے مذکورہ بالا ترجمہ پر سورہ بقرہ اور سورہ نساء پر تو خود آپ نے ہی حواشی تحریر فرمائے تھے لیکن ان کی تکمیل کا موقع میسر نہ آ سکا کیونکہ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ کو آپ رہا ہو کر بمبئی پہنچے تھے اور تقریباً چھ ماہ بعد ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو وفات پا گئے۔ آپ کے ترجمہ کے پہلے ایڈیشن (۱۹۲۵ء) میں تو بقیہ ۲۶ پاروں کی حواشی وہی لگا دیئے گئے تھے، جو حضرت شاہ عبدالقادر کے تحریر فرمودہ ہیں، لیکن دوسرے ایڈیشن پر جو ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا تفسیری حواشی آپ کے مایہ ناز شاگرد حضرت شیخ الاسلامؒ نے تحریر فرمائے تھے۔ اہل علم کے ہاں اس ترجمہ و تفسیر نے جو قبولیت حاصل کی اس سے ہر شخص واقف ہے۔ اس وقت حکومت افغانستان نے اس کا پشتو اور فارسی ترجمہ شائع کیا تھا۔ سعودیہ کے ادارے ''مجمع الملک فہد'' نے بھی برسوں تک اس کے لاکھوں نسخے شائع کر کے تقسیم کیے۔ مشہور ادیب مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس کے بارے میں رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اخبار مدینہ کے مالک، سرکار مدینہ کے خادم محمد مجید حسن بجنوری پر جی بے اختیار رشک کرنے کو چاہتا ہے۔ خدمت قرآن کی کیسی کیسی سعادتیں اپنے لیے سمیٹ رہے ہیں! کئی سال ہوئے ترجمہ جو چھاپا تو شیخ الہند کا، اب تحشیہ جو شائع کیا تو ان کے شاگرد اور ایک عالَم کے استاد، دیوبند کے سابق اور ڈابھیل کے موجودہ شیخ الحدیث کا، وہ ہمیشہ مسلمانوں کیلئے ایک تحفہ بے نظیر، یہ جدید خیالات والوں کے حق میں اکسیر، ایک اپنے رنگ میں نایاب، دوسرا اپنے طرز میں لاجواب، نقش اول ایک جلوہ نور، نقش ثانی بلا شائبہ تکلف نور علیٰ نور!''

❸ بیان القرآن از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

اس میں ترجمہ اور تفسیر دونوں حضرت تھانویؒ کے تحریر کردہ ہیں۔ اصل تفسیر بارہ اجزاء

میں تھی جسے بعض اشاعتی اداروں نے دو ضخیم جلدوں میں بھی شائع کر دیا ہے۔ اس تفسیر کی سب سے اہم خوبی وہ ''خلاصہ تفسیر'' ہے، جسے حضرتؒ ترجمہ کے فوراً بعد ذکر کرتے ہیں۔ رواں دواں، مختصر عبارت میں، راجح قول کی رعایت کرتے ہوئے قرآن کی عام فہم تشریح، اس تفسیر کے بارے میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی تحریر کرتے ہیں:

''اردو زبان میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' اپنے مضامین کے اعتبار سے بے نظیر تفسیر ہے اور اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب انسان تفسیر کی ضخیم کتابیں کھنگا لنے کے بعد اس کی طرف رجوع کرے۔''

(علوم القرآن ص ۵۰۷)

مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے معروف و مفید ترجمہ و تفسیر کے بنیادی ماخذ میں سے ایک یہی تفسیر بیان القرآن ہے۔

❹ اشرف التفاسیر

یہ ان تفسیری فوائد و نکات کا مجموعہ ہے۔ جو متفرق طور پر حضرت تھانویؒ کے مختلف مواعظ و کتب میں پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم سمیت دیگر دو فاضلین کی محنت سے یہ سرمایہ گراں مایہ چار ضخیم جلدوں میں ''ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان'' سے شائع ہو چکا ہے۔

❺ تفسیر حل القرآن از مولانا حبیب احمد کیرانویؒ

اس تفسیر میں خصوصیت کے ساتھ جدید شبہات کے تسلی بخش جوابات دیے گئے ہیں۔ دو جلدوں میں اس کی تازہ اشاعت ''ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان'' سے ہوئی ہے۔ انہی کے قلم سے اعلاء السنن کا ایک شاہکار مقدمہ بھی ہے۔

❻ ترجمہ و تفسیر از حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ

یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خصوصی متعلقین میں سے تھے۔ ''تذکرۃ الرشید'' کے نام سے حضرت گنگوہیؒ اور ''تذکرۃ الخلیل'' کے نام سے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (صاحب بذل المجہود) کی سوانح حیات آپ ہی تحریر کردہ ہیں۔ یہ ترجمہ ۱۳۱۹ھ میں پہلی مرتبہ شائع ہوا تھا۔

❼ کشف الرحمٰن از حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ

یہ تفسیر دو ضخیم جلدوں میں ہے چونکہ اس کے مصنف اپنی وضاحت و بلاغت کی وجہ سے ''سحبان الہند'' کے لقب سے مشہور تھے اس لیے تفسیر میں بھی یہ رنگ جھلک رہا ہے۔

❽ جواہر القرآن از حضرت مولانا غلام اللہ خان ؒ

تین جلدوں پر محیط اس تفسیر میں آپ نے خصوصیت کے ساتھ اپنے استاذ حضرت مولانا حسین علی صاحب ؒ کے افادات کو جمع کیا ہے۔

❾ الہام الرحمٰن از حضرت مولانا عبید اللہ سندھی ؒ

یہ تفسیر درحقیقت مولانا کے افادات کا مجموعہ ہے، بہت سے معتمد بزرگوں نے اس تفسیر کے کچھ اجزاء کے بارے میں شک وشبہ کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ علماء دیوبند ؒ کے عام مزاج کے برعکس اس میں کئی مسلمہ مسائل کا انکار کیا گیا ہے۔

❿ معارف القرآن (اردو) از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ؒ

اس تفسیر کے بارے میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

''احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم العالی نے ''معارف القرآن'' کے نام سے آٹھ جلدوں میں مفصل تفسیر تحریر فرمائی ہے جس میں ''بیان القرآن'' کی شرح وتسہیل بھی ہے اور عصر حاضر کی ضروریات زندگی پر قرآن کریم کی ہدایات کی بہترین وضاحت بھی اور تہذیب جدید کے مسائل پر قرآنی فکر کے تحت بھرپور تبصرہ بھی۔ اب تک اردو زبان میں جتنی تفاسیر منظر عام پر آئی ہیں ان میں یہ ایک منفرد تفسیر جس میں سلف صالحین کے مسلک ومشرب کی پوری حفاظت کے ساتھ عصر حاضر کی ضروریات کو بطریق احسن پورا کیا گیا ہے۔'' (علوم القرآن ص ۵۰۷)

چونکہ معارف القرآن کے مصنف مفتی اعظم پاکستان بھی تھے اس لیے جا بجا فقہی مسائل بھی ذکر فرماتے گئے ہیں اور اب تو ایک مستقل مجموعہ ''مسائل معارف القرآن'' کے نام سے منظر عام پر آ چکا ہے۔

⓫ معارف القرآن (انگریزی)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ کی اردو تفسیر کو انگریزی میں منتقل کرنے کا سہرا حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کے ساتھ پروفیسر محمد حسن عسکری مرحوم اور پروفیسر شمیم احمد مرحوم کے سر ہے۔ اب یہ تفسیر انگریزی خواں طبقے کیلئے فہم قرآن کا بہترین ذریعہ ہے۔

⑫ معارف القرآن از حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
مصنف چونکہ معروف مفسر، محدث، سیرت نگار اور فلسفی ہیں۔ اس لیے آٹھ ضخیم مجلدات پر پھیلی ہوئی اردو کی اس عظیم تفسیر میں تقریباً ان تمام شبہات کا جواب مل جاتا ہے جو جدید تعلیم کے بعد ذہنوں میں ابھرتے ہیں۔ لاہور کے بعد اب اس کا جدید خوبصورت ایڈیشن شہداد پور سے شائع ہو چکا ہے۔

⑬ درس قرآن از حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ
حضرتؒ دار العلوم دیوبند کے فاضل، حضرت اقدس مدنیؒ کے شاگرد اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ پوری زندگی ایک تسلسل کے ساتھ واہ کینٹ میں درس قرآن دیتے رہے عام فہم اور بنیادی معلومات پر مشتمل یہ وجد آفریں اسباق آپ کے متعلقین نے کئی جلدوں میں شائع کر دیئے ہیں۔ قرآن مجید کے متعلق آپ کی چند اور قیمتی تصانیف کا ذکر آگے آرہا ہے۔

⑭ انوار البیان از حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہریؒ
یہ تفسیر ۸ ضخیم مجلدات میں ملتان سے شائع ہوئی ہے۔ مصنفؒ کی دیگر کئی کتابیں بھی مقبول عام ہیں۔ اس تفسیر میں تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ جا بجا مواعظ و نصائح بھی درج ہیں۔

⑮ معالم القرآن از حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ
گیارہ جلدوں میں موضوعات قرآنی پر سیر حاصل بحث۔ کتاب کی فہرست کو بہت کار آمد بنایا گیا ہے جس کی وجہ سے استفادہ بہت آسان ہے۔ ابھی تک صرف بارہ پاروں کی تفسیر بارہ جلدوں میں شائع ہو سکی ہے۔

⑯ معالم العرفان از حضرت صوفی عبدالحمید سواتی زید مجدہم
یہ حضرت کے دروس قرآن کریم کا مجموعہ ہے۔ پہلی جلد صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر و معلومات پر مشتمل ہے۔

⑰ تفسیر کوثری از حضرت مولانا شریف اللہ صاحب زید مجدہم
یہ تفسیر عربی میں ہے۔

⑱ تفسیر البیان (اردو) از حضرت مولانا شریف اللہ صاحب زید مجدہم

یہ ان تفسیری فوائد کا مجموعہ ہے جو شیخ رمضان المبارک میں بیان کرتے ہیں۔

۱۹ کمالین از حضرت مولانا محمد نعیم صاحبؒ

یہ دارالعلوم دیوبند کے استاد تھے اپنے تدریسی تجربے کی بنیاد پر انہوں نے نصاب میں شامل معروف تفسیر ''جلالین کا اردو میں ترجمہ اور مختصر تشریح تحریر فرمائی ہے۔ یہ کل ۷ جلدوں میں ہے جن میں سے چوتھی جلد حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری زید مجدہم کے قلم سے ہے۔

۲۰ تسہیل البیان از حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری زید مجدہم

اس تفسیر کی ابھی تک پہلی اور دوسری جلد سامنے آئی ہے جن کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ آج کی مصروف زندگی میں یہ مختصر اور مستند تفسیر نعمت بے بہا ہے۔

۲۱ ترجمۂ قرآن کریم از حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تفسیر قرآن میں خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ لاہور میں آپ کے ہاں یکم رمضان سے آخر ذیقعدہ تک خصوصی کلاس ہوتی تھی جس میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، مدرسہ امینیہ دہلی اور مدرسہ شاہی مرادآباد کے فارغ التحصیل علماء شرکت کرتے تھے، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت قاری محمد طیبؒ نے بھی آپ سے تفسیر قرآن پڑھی۔ آپ کا کیا ہوا ترجمہ انتہائی سلیس اور بامحاورہ ہے۔ آپ نے اس پر قیمتی حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔

۲۲ اعجاز القرآن از حضرت مولانا عبدالغنی جاجرویؒ

دو جلدوں میں یہ آپ کے تفسیری افادات کا مجموعہ ہے۔

۲۳ تفسیر فہم القرآن از حضرت ڈاکٹر عبدالواحد صاحب زید مجدہم

یہ دراصل ''تفسیر بیان القرآن'' کی تلخیص اور تسہیل ہے۔

۲۴ تفسیر الحسن البصریؒ از حضرت ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب زید مجدہم

یہ وہ تحقیقی کام ہے جس پر آپ کو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے پی ایچ ڈی کی سند جاری ہوئی ہے۔

۲۵ تفسیر المدنی مختصر، تفسیر المدنی مطول۔

یہ دونوں تفاسیر حضرت مولانا محمد اسحٰق مدنی کے قلم سے ہیں۔

قرآن کریم سے متعلق متفرق کتب

❶ ردالطغیان فی اوقاف القرآن (اردو) از حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

یہ حضرتؒ کا ایک تفصیلی فتویٰ جس میں قرآن مجید پر علامات رموز واوقاف لکھنے کے بارے میں شرعی حکم سے بحث کی گئی ہے۔ عرصۂ دراز سے یہ کتابچہ فتاویٰ رشیدیہ کے حصے کے طور پر شائع ہو رہا ہے۔

❷ سبق الغایات فی نسق الآیات از حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

قرآن مجید کی آیات کے درمیان ربط مفسرین کرامؒ کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ اس رسالے میں بھی مفصلاً آیات قرآنیہ کے درمیان ربط واضح کیا گیا ہے۔ عام طور پر رسالہ تفسیر "بیان القرآن" کے ساتھ ہی شائع ہو رہا ہے۔

❸ مشکلات القرآن (عربی) از امام العصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ

جیسا کہ نام سے واضح ہے اس کتاب میں قرآن مجید کے مشکل اور مغلق مقامات کو حل کیا گیا ہے۔ اس کا مقدمہ یتیمۃ البیان (از حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ) بھی بہت کارآمد چیز ہے۔ اس مقدمے میں بعض ہندوستانی علماء کی تفاسیر کا جائزہ لیا گیا ہے اور آج کی کم فرصت لوگوں کیلئے ذخیرہ تفاسیر میں سے چار تفسیروں کا انتخاب بھی کیا گیا ہے۔

❹ قصص القرآن از حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

دو ضخیم جلدوں پر مشتمل یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔ مستند حوالہ جات سے مزین واقعات قرآنی کے ساتھ جدید شبہات کو بھی بھرپور انداز میں حل کیا گیا ہے۔

❺ احکام القرآن (عربی) کل جلد ۵

از حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مولانا ادریس احمد کاندھلوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہم اللہ

یہ جس پایہ کی کتاب ہے اس کا اندازہ حضرات مؤلفینؒ کے اسماء گرامی سے ہو سکتا ہے۔ قدیم وجدید مسائل کے حل کے ساتھ اس میں بعض جدید موضوعات پر مستقل رسالے بھی شامل ہیں۔

❻ علوم القرآن از حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ

اس کتاب میں بعض ابحاث تو بالکل جدید انداز کی ہیں۔ عقلی اسلوب میں قرآنی علوم پر ایک لاجواب کتاب ہے۔

۷ علوم القرآن از حضرت مولانا شمس الحق خانؒ

حضرت کی اصل کتاب تو ابھی تک شائع نہیں ہوئی البتہ اسی نام سے ایک مختصر کتابچہ جو قیمتی اور نفیس مباحث پر مشتمل ہے، جامعہ دارالعلوم کراچی میں تفسیر بیضاوی کے ساتھ شامل نصاب ہے اور بندہ کو خود مصنف کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کی سعادت حاصل ہے۔

۸ علوم القرآن از حضرت مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم

اس کتاب کو اس موضوع پر لکھی گئی قدیم تمام کتاب کا نچوڑ کہنا چاہئے اور خصوصیت کے ساتھ مستشرقین کے جوابات اور جدید روشنی سے متاثر ''مصنفین تفسیر'' پر سنجیدہ علمی تنقید اس کتاب کی زینت ہیں۔

۹ معارف القرآن از حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ

اس کتاب میں تفسیر، اصول تفسیر اور معتبر تفاسیر کے بارے میں بہت قیمتی اور قابل قدر ذخیرہ موجود ہے۔

۱۰ فتح الجواد بتفسیر آیات الجہاد از حضرت مولانا محمد مسعود اظہر دامت برکاتہم

قرآن مجید کی تقریباً ان پانچ سو آیات کا خوبصورت مجموعہ جن میں جہاد اور اس کے متعلقات کا ذکر ہے۔ اپنے انداز کی ایک بے مثال کاوش ہے۔

۱۱ اعجاز القرآن از حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

اس مختصر رسالے میں قرآن مجید کی وجوہ اعجاز سے بحث کی گئی ہے۔ اب یہ رسالہ بھی مؤلف رحمہ اللہ کے دیگر رسالوں کی طرح ''تالیفات عثمانی'' کا حصہ بن کر ''ادارہ اسلامیات لاہور'' سے شائع ہو رہا ہے۔

۱۲ اعجاز القرآن از حضرت مولانا ادریس احمد کاندھلویؒ

اس رسالے میں انتہائی سہل انداز سے قرآن مجید کی دس وجوہ اعجاز بیان کی گئیں ہیں جنہیں ایک عام آدمی بھی با آسانی سمجھ سکتا ہے۔

۱۳ تبویب احکام القرآن للجصاصؒ از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

امام ابوبکر جصاصؒ کی احکام القرآن سے صرف حافظ حضرات ہی با سہولت فائدہ اٹھا سکتے

تھے اس لیے فقہی ترتیب کے مطابق اس کی تبویب کی گئی ہے یہ کتاب ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

⓮ تحفۃ الاخوان از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

یہ عربی زبان میں فن تجوید پر مختصر رسالہ ہے جو ابتدائی طلبہ کیلئے بہت مفید ہے۔

⓯ قرآنی آیات کے شان نزول از مولانا محمد طارق شمسی زید مجدہم

تین جلدوں میں سورہ فاتحہ سے لیکر سورہ الناس تک شان نزول کے بارے میں روایات جمع کی گئی ہیں۔

⓰ برہان التنزیل از حضرت مولانا محمد مسلم عثمانی رحمہ اللہ

قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے پر آسان اردو میں مکمل دوسو دلائل کا حسین مجموعہ

⓱ نثر المرجان من مشکلات القرآن از حضرت مولانا محمد افضل خان سواتی زید مجدہم

اصل کتاب پشتو زبان میں تھی۔ حضرت مولانا فاروق حسن زئی صاحب نے ''بکھرے موتی'' کے نام سے اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔

⓲ مشکلات القرآن (اردو) از حضرت مولانا انور گنگوہی زید مجدہم

قرآن مجید میں بظاہر متعارض نظر آنے والی تمام آیات کی تحقیق اور تطبیق پیش کی گئی ہے۔

⓳ جمال القرآن از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

فن تجوید میں ابتدائی طلبہ کیلئے بہترین کتاب۔

احادیثِ رسول...... ترجمہ وتشریح

احادیث مبارکہ کے سلسلے میں علماء دیوبندؒ کی تالیفات چونکہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں اس لیے ہم انتہائی اختصار کے ساتھ انہیں مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق بیان کریں گے:

❶ خدماتِ بخاری شریف

❷ خدماتِ مسلم شریف۔

❸ خدماتِ ترمذی شریف

❹ خدماتِ ابوداؤد شریف

❺ خدماتِ نسائی شریف

❻ خدماتِ ابن ماجہ شریف

۷ مستدلاتِ حنفیہ

۸ جدید دور کیلئے لکھی گئی کتب حدیث

۹ متفرقات

خدماتِ بخاری شریف

۱ حاشیہ بخاری شریف

یہ حاشیہ ابتدائی پچیس پاروں تک حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا تحریر کردہ ہے جبکہ آخری پانچ پاروں کا حاشیہ آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے لکھا ہے، ہندوستان میں عام طور پر یہی حاشیہ رائج ہے۔

۲ نبراس الساری فی اطراف البخاری

''اطراف بخاری'' حضرت مولانا عبدالعزیز سہارنپوریؒ نے ۴۳۷ صفحات میں جمع فرمائے ہیں۔

۳ الأبواب والتراجم لصحیح البخاری

چھ جلدوں میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے تحریر فرمائے ہیں۔

۴ الأبواب والتراجم لصحیح البخاری

یہ مختصر رسالہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا تحریر کردہ ہے۔ آپ اس کی تکمیل نہیں فرما سکے تھے۔

۵ القول الفصیح بضبط ابواب الصحیح

یہ حضرت مولانا فخر الدین مراد آبادی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی تصنیف ہے۔

۶ انوار الباری

از حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ شاگرد رشید حضرت کشمیریؒ۔ اردو میں یہ بخاری شریف کی ضخیم ترین شرح ہے۔

۷ تلخیص البخاری

از حضرت مولانا شمس الضحیٰ رنگونی شاگرد رشید حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ۔ یہ بھی بخاری شریف کی اردو شرح ہے۔

۸ لامع الدراری

یہ عربی میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دروس کا مجموعہ ہے جسے حضرت شیخ الحدیثؒ کے والد حضرت مولانا یحییٰ کاندھلویؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے حواشی سمیت یہ مجموعہ دس جلدوں میں مکمل ہوا ہے۔

۹ مقدمہ لامع الدراری

از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، یہ بے پناہ علمی فوائد پر مشتمل ہونے کی بناء پر ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔

۱۰ فیض الباری

یہ حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کے دروس کا عربی مجموعہ ہے۔ چار ضخیم جلدوں میں آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ نے اسے مرتب فرمایا ہے۔

۱۱ درس بخاری

یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے دروس کا اردو مجموعہ ہے جسے آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی نے ترتیب دیا ہے۔

۱۲ تقریر بخاری شریف

یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی درسی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ اب تک اس کے چار حصے شائع ہو چکے ہیں۔

۱۳ فضل الباری

یہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے دروس کا مجموعہ ہے۔ اسے حضرت مولانا عبدالرحمٰن نے ترتیب دیا ہے۔

۱۴ ایضاح البخاری

یہ حضرت مولانا سید فخر الدین مراد آبادیؒ کے دروس کا مجموعہ ہے۔ جسے حضرت مولانا ریاست علی بجنوری نے جمع کیا ہے۔

۱۵ امداد البخاری

یہ حضرت مولانا عبد الجبار اعظمیؒ کے دروس ہیں جنہیں آپ کے شاگردان رشید مولانا عبدالرحمٰن ساجد اعظمی اور مولانا رفیق احمد معروفی نے مرتب کیا ہے۔

۱۶ درس بخاری شریف

یہ استاذ محترم حضرت مولانا سحبان محمودؒ کے دروس کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ اس کی فوٹو کاپی تو بہت مقبول ہے لیکن کتابی شکل میں صرف پہلی جلد شائع ہوئی ہے جس کا سہرا مولانا طاہر محمود اور مولانا نورالبشر کے سر ہے۔

⑰ ارشاد القاری

یہ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کے دروس کا مجموعہ ہے۔ اس کی بھی صرف ایک جلد منظر عام پر آئی ہے۔

⑱ کشف الباری

یہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان زید مجدہم کے دروس کا مجموعہ ہے۔ اس بے مثال شرح کا پشتو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

⑲ احسان الباری

یہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر زید مجدہم کے دروس کا مجموعہ ہے۔ اس کی بھی تا حال ایک جلد سامنے آئی ہے۔

⑳ انعام الباری

یہ استاذ محترم حضرت مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم کے درسی افادات کا مجموعہ ہے۔

㉑ التصویبات لما فی حواشی البخاری من التصحیفات

از حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ۔ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے حاشیہ بخاری کی مسلسل طباعت کی بناء پر اس میں کچھ اغلاط پیدا ہو گئی تھیں۔ انتہائی عرق ریزی کے ساتھ اس کی تصحیح کی گئی ہے۔

㉒ ما ینفع الناس فی شرح قال بعض الناس از حضرت مولانا محمد طاہر رحیمی زید مجدہم

㉓ تفہیم البخاری

از حضرت مولانا ظہور الباری۔ بخاری شریف کا اردو میں مکمل ترجمہ

㉔ شرح بخاری (الکنز المتواری)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے افادات پر مشتمل تقریباً ۲۵ جلدوں میں مکمل ہونے والی شرح بخاری کا عظیم منصوبہ، جس پر کام جاری ہے۔

㉕ بہجۃ القدوس یا انتخاب بخاری شریف (اردو)

از حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ۔ اصل کتاب ''بہجۃ النفوس'' علامہ ابن ابی جمرۃ مالکیؒ کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے بخاری شریف کی تین سو احادیث سے مسائل تصوف کا استنباط کیا ہے۔

۲۶ ترجمہ تجرید البخاری (اردو)

از حضرت مولانا محمد حیات سنبھلیؒ۔ اصل کتاب علامہ احمد بن احمد زین الدین عبد اللطیف الزبیدیؒ کی تصنیف ہے۔

۲۷ انعام الباری

از حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مدنیؒ۔ بخاری شریف میں جتنے اشعار آئے ہیں ان کی بہترین اردو شرح۔

۲۸ حاشیہ بخاری (اردو)

از حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ

۲۹ الخیر الجاری شرح صحیح البخاری۔

از حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب زید مجدہم

خدمات صحیح مسلم

۱ فتح الملہم (۴ جلد) از حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

۲ تکملہ فتح الملہم (۶ جلد) از حضرت مفتی محمد تقی عثمانیؒ زید مجدہم

۳ الحل المفہم (۲ جلد) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دروس کا قیمتی مجموعہ

۴ نعمۃ المنعم (مسلم شریف جلد ثانی کی اردو شرح) حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی زید مجدہم

۵ فیض المنعم (مقدمہ مسلم کی شرح) حضرت مولانا سعید احمد پالنپوریؒ

۶ درس مسلم (تکملہ فتح الملہم ، اردو کی تعبیر و بیان میں) حضرت مولانا اسلم شیخوپوری

۷ شرح مقدمہ مسلم از حضرت ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ

۸ درس مسلم (مقدمہ اور ابتدائی مباحث) حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی زید مجدہم

۹ عمدۃ المفہم (شرح مقدمہ مسلم) از مولانا قاری طاہر رحیمی زید مجدہم

۱۰ مسلم شریف اردو از حضرت مولانا عابد الرحمٰن صاحب

۱۱ الامام مسلم ومنہجہ فی صحیحہ از حضرت مولانا انور بدخشانی زید مجدہم

۳ خدمات سنن ترمذی

1. لکوکب الدری عربی (۴ جلد) حضرت گنگوہیؒ کے دروس کا قیمتی ذخیرہ
2. معارف السنن عربی (۶ جلد) حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ
3. التقریرالدراسی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ
4. الوردالشذی (تقریر شیخ الہندؒ) جامع ومرتب حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ
5. العرف الشذی حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے افادات کا مجموعہ
6. معارف ترمذی (۲ جلد) حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیملپوریؒ کے افادات کا مجموعہ
7. ہدیۃ المجتبیٰ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے افادات کا مجموعہ
8. خصائل نبوی (شرح اردو شائل ترمذی) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
9. الطیب الشذی حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ
10. کشف النقاب (عمایقولہ الترمذی "وفی الباب") حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ کا بے مثال کارنامہ
11. حقائق السنن۔ حضرت مولانا عبدالحقؒ کے افادات کا مجموعہ
12. خزائن السنن۔ حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر زید مجد ہم کے افادات کا مجموعہ
13. درس ترمذی۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجد ہم کے افادات کا مجموعہ
14. جامع الترمذی والمذہب الحنفی۔ از حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی زید مجد ہم
15. مجمع البحرین۔ حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا زیب صاحب کے افادات کا مجموعہ
16. ترمذی شریف (اردو ترجمہ) حضرت مولانا حامد الرحمٰن کاندھلویؒ
17. المسلک الذکی۔ تقریر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
18. الدرس الشذی فی جامع الترمذی۔ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب

۴ خدمات سنن ابوداؤد

1. بذل المجہود (۱۰ جلد) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
2. التعلیق المحمود۔ حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ
3. انوار المحمود۔ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت سہارنپوریؒ، حضرت کشمیریؒ اور حضرت عثمانیؒ

کے افادات

۴ التعلیق علی ابی داؤد۔ حضرت مولانا محمد حیات سنبھلیؒ

۵ لدر المنضود (عربی، غیر مطبوعہ) حضرت گنگوہیؒ کے افادات کا مجموعہ

۶ لدر المنضود (اردو) حضرت مولانا محمد عاقل صاحب زید مجدہم کے افادات کا مجموعہ

۷ فلاح و بہبود۔ حضرت مولانا محمد حنیف گنگوہیؒ

۸ زبدۃ المقصود۔ حضرت مولانا قاری طاہر رحیمی زید مجدہم

۵ خدماتِ سنن نسائی

۱ الفیض السمائی۔ حضرت گنگوہیؒ کے افادات کا مجموعہ

۲ حاشیہ نسائی شریف۔ حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ

۳ نسائی شریف (اردو شرح) حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب زید مجدہم

۶ خدماتِ سنن ابن ماجہ

۱ انجاح الحاجۃ (حاشیہ) حضرت شاہ عبد الغنی مجددیؒ رملا محمد دیوبندیؒ

۲ ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ۔ حضرت مولانا عبد الرشید نعمانیؒ

۳ ابن ماجہ اور علم حدیث۔ ایضاً

۷ مستدلاتِ حنفیہ

۱ اعلاء السنن۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

۲ مستدلات الحنفیہ۔ حضرت مولانا عبد اللہ بستویؒ

۳ الدلائل السنیہ فی الصلاۃ السنیہ۔ فضلاء جامعہ مدنیہ لاہور

۴ حدیث اور اہل حدیث۔ حضرت مولانا انوار خورشید

متفرق کتب احادیث

۱ اوجز المسالک (۱۵ جلدوں میں موطا امام مالک کی شرح) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

۲ التعلیق الصبیح (۸ جلدوں میں مشکوٰۃ شریف کی شرح) حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ

۳ امانی الاحبار (۴ جلدوں میں طحاوی شریف کی شرح) حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

۴ تراجم الاحبار (۴ جلدوں میں طحاوی کے رجال کا تعارف) حضرت مولانا حکیم محمد ایوب سہارنپوریؒ

۵ اشرف التوضیح (شرح اردو مشکوٰۃ) حضرت مولانا نذیر احمد صاحبؒ
۶ مجانی الاثمار (شرح عربی طحاوی) حضرت مولانا عاشق الٰہی مدنیؒ
۷ حاشیہ موطا امام مالکؒ
۸ کشف المغطا عن رجال الموطا۔ از حضرت اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ
۹ النخبۃ فی مناہج الکتب السبعۃ از حضرت مولانا حبیب اللہ جستانی
۱۰ الوضع والوضاعین فی احادیث سید المرسلین ایضاً

مندرجہ ذیل تمام کتابیں نایاب ہونے کے بعد اب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی زید مجدہم کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں:

۱۱ مسند حمیدی
۱۲ سنن سعید بن منصور
۱۳ کتاب الزہد والرقاق لابن مبارکؒ
۱۴ المطالب العالیہ لابن حجرؒ
۱۵ مختصر الترغیب والترہیب لابن حجرؒ
۱۶ کشف الاستار عن زوائد البزارؒ
۱۷ مصنف عبد الرزاقؒ
۱۸ مصنف ابن ابی شیبہؒ
۱۹ کتاب الحجۃ علی اہل مدینہ للامام محمدؒ تعلیق از حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہجہان پوریؒ
۲۰ التعلیق علی "عمل الیوم واللیلۃ" لابن السنیؒ از حضرت مولانا عبد الرحمٰن کوثر
۲۱ تدوین حدیث۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
۲۲ نصرۃ الحدیث۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ
۲۳ حجیت حدیث از حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم

جدید دور کیلئے لکھی گئیں کتب احادیث

۱ ترجمان السنۃ (عربی اردو) ۴ جلد از حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ
۲ جواہر الحکم (اردو) ۴ جلد از حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ
۳ معارف الحدیث (اردو) ۸ جلد حضرت مولانا منظور نعمانیؒ

۴ الفیۃ الحدیث عربی (ہزار احادیث پر مشتمل یہ مجموعہ دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں شامل ہے) از حضرت مولانا منظور نعمانی ؒ
۵ زادالطالبین عربی (احادیث کا یہ مجموعہ تمام مدارس میں شامل نصاب ہے) از حضرت مولانا عاشق الٰہی مدنی ؒ
۶ تحفہ خواتین اردو (خواتین کی اصلاح کیلئے بے مثال ذخیرۂ احادیث) از حضرت مولانا عاشق الٰہی مدنی ؒ
۷ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا (اردو) حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
۸ عصر حاضر احادیث کی روشنی میں (اردو) حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی ؒ

مسائلِ دینیہ ...... فقہ وفتاویٰ

۱ تعلیم الاسلام (عام فہم مسائل کا مقبول ترین مجموعہ) حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی ؒ
۲ بہشتی زیور (خواتین کی تربیت کیلئے لازوال کتاب) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ
۳ التسہیل الضروری (عربی میں مختصر القدوری کے مسائل کی تسہیل) حضرت مولانا عاشق الٰہی مدنی ؒ
۴ حاشیہ کنز ۵ حاشیہ نورالانصاح ۶ حاشیہ شرح النقایہ از حضرت مولانا اعزاز علی ؒ
۷ حاشیہ کنز۔ حضرت مولانا احسن نانوتوی ؒ
۸ غنیۃ الناسک (مسائل حج)
۹ جواہر الفقہ ۲ جلد۔ حضرت مفتی محمد شفیع ؒ کے فقہی رسائل کا مجموعہ
۱۰ بغیۃ الاریب فی مسائل القبلہ والمحاریب از حضرت مولانا محمد یوسف بنوری ؒ
۱۱ بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کے فقہی مقالہ جات کا مجموعہ
۱۲ فقہی مقالات (اردو) حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کے فقہی مقالہ جات کا مجموعہ
۱۳ اصول الافتاء (عربی) حضرت مولانا محمد تقی عثمانی
۱۴ تدوین فقہ واصول فقہ۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی ؒ
۱۵ الفقہ والفقہاء۔ حضرت مولانا کمال الدین راشدی زید مجدہم
۱۶ فتاویٰ رشیدیہ (۱ جلد) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ

۱۷ امداد الفتاویٰ (۶ جلد) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ

۱۸ فتاویٰ خلیلیہ (۱ جلد) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ

۱۹ عزیز الفتاویٰ (۱ جلد) حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ

۲۰ فتاویٰ دار العلوم دیو بند (۹ جلد) حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ

۲۱ فتاویٰ مفتی محمود...... حضرت مفتی محمودؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ

۲۲ کفایت المفتی...... حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ

۲۳ فتاویٰ رحیمیہ...... حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ

۲۴ فتاویٰ محمودیہ...... حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ

۲۵ احسن الفتاویٰ...... حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ

۲۶ امداد المفتیین...... حضرت مفتی محمد شفیعؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ

۲۷ امداد الاحکام...... حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا عبد الکریم گمتھلویؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ

۲۸ ضابط المفطرات فی مجال التداوی...... حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی

۲۹ فتاویٰ عثمانی...... حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کے فتاویٰ کا مجموعہ

۳۰ فتاویٰ شیخ الاسلامؒ...... حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی فقہی تحریرات کا مجموعہ

۳۱ نوادر الفقہ...... حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی کی فقہی تحریرات کا مجموعہ

ترغیب وترہیب

۱ الانوار المحمدیہ (الترغیب والترہیب کا اردو ترجمہ) حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

۲ فضائل نماز ۳ فضائل صدقات ۴ فضائل رمضان ۵ فضائل حج ۶ فضائل قرآن ۷ فضائل ذکر ۸ فضائل تبلیغ ۹ فضائل درود شریف۔ از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

۱۰ الاستبصار فی فضل التوبہ والاستغفار ۱۱ فضائل الصلاۃ والسلام ۱۲ فضائل دعا۔ ۱۳ فضائل علم ۱۴ فضائل الامۃ المحمدیہ از حضرت مولانا عاشق الٰہی مدنیؒ

۱۵ فضائل جہاد (مختصر رکامل) (علامہ ابن النحاسؒ کی کتاب ''مشارع الاشواق'' کا

اردو ترجمہ وتشریح) از حضرت مولانا محمد مسعود ازہر زید مجدہم

کتب سیرت

1. سیرت المصطفیٰ ﷺ...... حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
2. عہد نبوت کے ماہ وسال.. (علامہ مخدوم ہاشم سندھیؒ) حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ
3. نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ...... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
4. خاتم النبیین ﷺ...... (علامہ انور شاہ کشمیریؒ) حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ
5. النبی الخاتم ﷺ...... حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
6. دربارِ نبوت کی حاضری...... ایضاً
7. آفتاب نبوت ﷺ...... حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ
8. خاتم النبیین ﷺ...... ایضاً
9. شان رسالت ﷺ...... ایضاً
10. سیرت خاتم الانبیاء ﷺ...... حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ
11. ختم نبوت (کامل)...... ایضاً
12. سیرت رسول اکرم ﷺ...... ایضاً
13. آداب النبی ﷺ...... ایضاً
14. رسول اللہ ﷺ کے تین سو معجزات...... حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ
15. با محمد باوقار ﷺ...... حضرت قاضی محمد زاہد الحسینیؒ
16. رحمت کائنات ﷺ...... ایضاً
17. تذکرہ دیارِ حبیب ﷺ...... (وفا الوفا، جلد اوّل کا ترجمہ)...... ایضاً
18. محسن اعظم ﷺ...... ایضاً
19. اسوۂ رسول اکرم ﷺ...... حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفیؒ
20. سیرت پاک...... مولانا محمد اسلم قاسمی
21. ہادیٔ عالم ﷺ (سیرت پر اردو میں واحد غیر منقوط کتاب)...... محترم جناب محمد ولی رازی
22. محمد رسول اللہ ﷺ...... حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ

٢٣ علیکم بسنتی (میری سنت کو لازم پکڑو)......حضرت مفتی عبدالحکیم سکھرویؒ
٢٤ تقاریر سیرت النبی ﷺ......حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ
٢٥ اخلاقِ رسول ﷺ......مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ
٢٦ سیرت کبریٰ......مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری
٢٧ سیرت سرورِ کونین ﷺ......حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحبؒ
٢٨ **العطور المجموعه**......حضرت صوفی محمد اقبال مہاجر مدنیؒ
٢٩ جمال محمد ﷺ کا دلربا منظر......حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی
٣٠ روئے زیبا ﷺ کی تابانیاں......ایضاً
٣١ ماہتابِ نبوت ﷺ کی ضوافشانیاں......ایضاً
٣٢ آفتابِ نبوت ﷺ کی ضیاء پاشیاں......ایضاً
٣٣ ذکر النبی ﷺ......حضرت مولانا مسیح اللہ صاحبؒ
٣٤ گلستان حبیب ﷺ......مفتی محمد منصور احمد صاحب حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبلیغی خدمات

جو وادیٔ فاراں سے اٹھی......

دارالعلوم دیوبند نے پہلے ہی دن سے جہاں ایک طرف علمی میدان میں طلبہ کی تربیت کا کام سنبھالا تھا تو دوسری طرف عوام میں دینی جذبہ بیدار کرنے کی بھی بھرپور کوشش کی گئی۔ اس کیلئے وعظ و نصیحت، دیگر مذاہب باطلہ کے ساتھ مناظرے سمیت ہر طریقہ اختیار کیا گیا۔ دارالعلوم میں باقاعدہ ایک شعبہ مبلغین قائم کیا گیا تھا۔ بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے ۱۸۷۵ء اور ۱۸۷۶ء میں دو مرتبہ بستی شاہجہاں پور کا سفر اختیار کیا جہاں ایک ہندو رئیس نے مختلف مذاہب کے درمیان مباحثے کیلئے ''میلۂ خدا شناسی'' منعقد کیا تھا۔ حضرت مولاناؒ نے وہاں جو تقریر کی اس سے مجمع پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی اور مسلمانوں کو برسرِعام رسوا کرنے کی سازش ناکام ہوگئی۔ اسی طرح ۱۸۷۸ء کو رڑکی میں پنڈت دیانند سرسوتی نے مسلمانوں کو خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کی وجہ سے بت پرست کہا تو حضرت مولاناؒ اپنی بیماری کے باوجود رڑکی پہنچے اور پنڈت جی کو مذاکرے کی دعوت دی لیکن وہ تیار نہ ہوئے تو آپ نے مجمع عام میں تمام اعتراضات کا جواب دیا اور بعد ازاں اسے ''قبلہ نما'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع فرما دیا۔

علماء دیوبند نے عوام اور علماء کے اس رابطہ کو کسی دور میں بھی نہیں ٹوٹنے دیا، ہم اس سلسلے کی خدمات کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

1. تبلیغی جماعت
2. تصوّف
3. تحریک ختم نبوت
4. دفاع ناموس صحابہؓ

۱ تبلیغی جماعت

ملت اسلامیہ کی اصلاح، اس کی اخلاقی راہنمائی اور ایمان وعقیدہ کی پختگی کی دعوت کے ساتھ یہ خالص دینی ومذہبی غیر سیاسی تحریک ہندوستان کی تقسیم سے ۲۰۔۲۲ سال قبل وجود میں آئی۔ اس کا آغاز مصلح ملت حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ نے دہلی کے قریب میواتیوں کے علاقے سے کیا۔ یہ حضرت گنگوہیؒ کے مرید اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے استاذ اور چچا تھے۔ ان کے اخلاص اور دینی تڑپ وکڑھن کا نتیجہ تھا کہ جلد ہی یہ تحریک ملک کے طول وعرض میں پھیل گئی، آپ کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی امارت میں اس کا دائرہ اثر بیرون ملک عرب وعجم تک پھیل گیا۔ آج دنیا کے تقریباً ہر اس ملک میں جہاں مسلمانوں کی کوئی خاص تعداد موجود ہے ایک قابل ذکر طبقہ اس سے وابستہ ہے۔ اس کے تیسرے امیر حضرت جی مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ تھے۔ اس کا عالمی مرکز دہلی میں بنگلہ والی مسجد ہے۔ اور پاکستان میں رائیونڈ کو یہ شرف حاصل ہے۔ جہاں سے تمام مسلم وغیر مسلم ممالک کی طرف دعوتی وفود روانہ کیے جاتے ہیں۔ چند قابل لحاظ امور کے باوجود گزشتہ کئی صدیوں میں بھی ایسی وسیع اصلاحی تحریک کا سراغ نہیں ملتا۔ مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب ''حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت'' میں اس کے متعلق تفاصیل ذکر فرمائی ہیں۔

۲ تصوف

صوفیاء کرامؒ کی مساعیٔ جمیلہ سے تاریخ اسلام کا کوئی طالب علم ناواقف نہیں رہ سکتا۔ لیکن موجودہ دور میں اس کے سلسلے میں بھی افراط وتفریط سے کام لیا گیا ہے۔ ایک طرف اسے رسوم ورواج اور شریعت سے بیزاری کیلئے استعمال کیا گیا تو دوسری طرف تصوف وصوفیاء کے نام ہی سے برأت کا اظہار کر دیا گیا۔ الحمدللہ علماء دیوبند نے اس سلسلے میں بھی راہ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور مغز کو چھلکے اور اصل کو رسوم سے جدا کرنے کا کارنامہ انتہائی خوبی سے سرانجام دیا۔ اگر تفاصیل پیش کی جائیں تو بات بہت بڑھ جائے گی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکابرین دیوبند میں سے کسی ایک شخصیت کا بھی نام نہیں لیا جا سکتا جنہوں نے سلسلہ ہائے تصوف سے وابستگی نہ اختیار کی ہو۔ خود بانیٔ دارالعلوم حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت تھے۔

دیوبند سے نسبت رکھنے والے جن بزرگوں سے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں بے پناہ

خدمات لیں اور سینکڑوں نہیں ہزاروں اشخاص کو ان کے ذریعے راہ حق نصیب ہوئی، ان میں سے چند حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، آپ اس میدان کے مجدّد تھے۔ ''**التکشف عن مهمات التصوف**'' آپ کی بے مثال کتاب ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بھی اس سلسلے میں استفادہ کرنے والوں کی تعداد ہزاروں کی ہے۔ آپ کے مکتوبات تصوف ''سلوک طریقت'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ، آپ نے حدیث کے ساتھ تصوف کی جو خدمت کی اس کی وجہ سے آپ کو بلاشبہ جامع شریعت وطریقت کہا جا سکتا ہے۔ آپ کی کتاب ''شریعت وطریقت کا تلازم'' اور ''مکتوبات تصوف'' اسی موضوع پر ہیں۔

ان میں سے ہر ایک بزرگ کے خلفاء کرام اور پھر ان کے خلفاء کی طویل فہرست ہے جسے ہم یہاں بوجہ اختصار پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ البتہ تصوّف سے بیزار حضرات کیلئے مشورہ ہے کہ وہ مفکر اسلام مولانا ابوالحسن ندویؒ کی کتاب ''تصوّف وسلوک یا تزکیۂ واحسان'' اور حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی کی تألیف ''**موقف الأئمة الحركة السلفية من التصوف والصوفية**'' ضرور دیکھ لیں۔

۳ تحریک ختم نبوت

ختم نبوت تمام مسلمانوں کا ایک اجماعی اور متفقہ مسئلہ ہے۔ مسیلمہ کذاب سے مسیلمہ پنجاب تک نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے ساتھ امت مسلمہ نے جو سلوک کیا وہ اس کے ثبوت کیلئے کافی ہے۔ ۱۸۹۱ء کے بعد مسلمانان ہند کے کانوں میں یہ بات پڑنا شروع ہوگئی کہ قادیان میں ایک شخص نے جو پہلے ۱۵ روپے ماہانہ پر سیالکوٹ ڈپٹی کمشنر آفس میں ملازم تھا اور پھر مبلغ اسلام کی شکل میں سامنے آیا، اس نے مسیح موعود ہونے اور نبی ہونے کا دعوی کر دیا ہے۔ تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ انگریز نے مسلمانوں سے عقیدہ جہاد کو ختم کرنے کیلئے یہ پودا کاشت کیا تھا، علماء دیوبند میں سے بالخصوص علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس فتنے کی سرکوبی کیلئے تاریخی کردار ادا کیا۔ آپ نے خود ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' نامی کتاب تحریر فرمائی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ سے ''ختم نبوت کامل'' لکھوائی جو اپنے موضوع پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت کشمیریؒ نے پیرانہ سالی میں دیوبند سے بہاولپور کا سفر اختیار کیا اور ایک عدالت میں قادیانیوں کے خلاف گواہی دی جس کی کچھ تفصیل آگے

’’علماء دیوبند اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ میں آرہی ہے۔ غالباً ۱۹۳۲ء میں انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسے میں آپ نے مرزائیوں کے خلاف جدوجہد کیلئے حضرت امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر پانچ سو دیگر علماء کے ساتھ بیعت فرمائی۔ ۱۹۰۳ء میں حکومت افغانستان نے ارتداد کی شرعی سزا کے تحت ایک مرزائی کو قتل کروادیا تھا جس پر ہندوستان میں کچھ لوگوں کی طرف اظہار ناپسندیدگی کیا گیا۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک کتابچہ ’’الشہاب‘‘ تحریر فرما کر حکومت افغانستان کے اقدام کو مبنی برحق قرار دیا۔ اس میں شک نہیں کہ دیگر تمام مکاتب فکر نے بھی قادیانیت کے خلاف بھرپور جدوجہد کی اور اس مسئلہ پر امت کا اتحاد بالآخر فتح اور غلبے پر منتج ہوا۔

جنوری ۱۹۴۹ء کو احرار نے لاہور میں دفاع پاکستان کانفرنس منعقد کر کے سیاست سے علیحدگی کا اعلان کردیا۔ حضرت امیر شریعتؒ نے اس کے بعد سے اپنی پوری زندگی قادیانیوں کی سرکوبی کیلئے وقف کردی تھی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بانی و امیر آپ ہی تھے۔ آپ کے بعد بالترتیب یہ حضرات امیر بنے:

1. حضرت قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
2. حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
3. حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
4. حضرت مولانا محمد حیاتؒ
5. حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ (بانی جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی)
6. حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ بھی اسی جماعت کے نائب امیر تھے۔ آپ نے قادیانیت کے خلاف بہت قابل قدر لٹریچر تحریر فرمایا ہے۔

ابھی کچھ روز پہلے ہی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہنما حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ اور مبلغ حضرت مولانا نذیر احمد تونسویؒ بھی مقام شہادت سے سرفراز ہوگئے۔

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے (بغیر ایک رکن کے بھی اختلاف کے) قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیدیا تھا۔ اسی معرکے میں قومی اسمبلی کے اندر حضرت مفتی محمودؒ اور حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے قائدانہ کردار ادا کیا تھا۔

۴ دفاع ناموس صحابہؓ

ردّ رفض اور دفاع ناموس صحابہؓ میں سب سے پہلا نام حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ کا آتا ہے۔ آپ کے جاری کردہ رسالے ''النجم'' نے اس سلسلے میں بہت شہرت حاصل کی اور اس کے مضمون نگاروں کی فہرست میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا نام بھی آتا ہے۔ حضرت فاروقیؒ کی کتب میں سے ''خلفاء راشدینؓ'' اور ''تاریخ مذہب شیعہ'' بہت مقبول ہیں۔

تذکرۃ الخلیل میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے رافضیوں کے ساتھ مناظروں کا ذکر بھی ملتا ہے، یہاں تک کہ ایک غالی شیعہ دلدار علی کے چیلنج کی وجہ سے آپ نے ایک مرتبہ سفر حج بھی ملتوی کر دیا تھا۔

انقلاب ایران کے بعد جب ''فصل الخطاب فی تحریف کتاب ربّ الأرباب'' جیسی کتابوں کی پرزور اشاعت شروع ہوگئی اور ''کشف الاسرار'' میں خمینی جیسے ذمہ دار شخصیت نے یہ عنوانات قائم کیے ''مخالفت ہائے عمر بنص قرآنی'' اور پاکستان میں ''نکاح ام کلثومؓ'' جیسی کتابیں شائع ہونے لگیں جن میں اصحاب رسول کو انتہائی واضح الفاظ میں ننگی گالیاں دی گئیں تھیں۔ ان تمام اقدامات سے اہلسنت میں ردعمل پیدا ہونا فطری امر تھا۔ اسی ردعمل کا ایک حصہ وہ تحریک تھی جسے حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ نے ۱۹۸۵ء میں ''انجمن سپاہ صحابہؓ'' کے نام سے منظم کیا۔ ان کی قربانیوں اور ناموس صحابہؓ کے سلسلے میں عوامی شعور بیدار کرنے کی کاوشوں سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کرسکتا۔ اس جماعت کے بانی و امیر اول حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ امیر دوم حضرت مولانا ایثار القاسمی شہیدؒ اور امیر سوم حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ اور حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ جیسی کئی شخصیات اپنے مشن پر قربان ہو چکی ہیں۔

صوبہ پنجاب میں دیگر کئی حضرات نے بھی اس سلسلے میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں جن کی تفصیلات تو ہمیں نہیں معلوم ہوسکیں لیکن اکابرین میں سے یہ نام معلوم ہوئے ہیں:
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالستار تونسوی زید مجدہم، حضرت مولانا مہر محمد زید مجدہم۔ حضرت علامہ دوست محمد قریشیؒ، حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا محمد نافعؒ ......

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیاسی خدمات

میدان سیاست میں......

اس سلسلے میں علماء دیوبند کی خدمات پر ایک نظر ڈالنے کیلئے پس منظر کے تعارف کے طور پر کچھ تحریکوں کا تعارف بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ آئیے! سب سے پہلے تحریک ریشمی رومال اور اس کا پس منظر پڑھتے ہیں:

یہ مغلیہ سلطنت کا آخری زمانہ ہے، سلطان محی الدین اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ کی وفات ہو چکی ہے۔ ان کی شخصیت اسلامی سلطنت کے عروج کی انتہاء اور زوال کی ابتداء کے درمیان حد فاصل تھی، ان کے زمانے میں مسلمانوں کو یہ فخر حاصل تھا کہ کابل اور قندھار سے آسام تک، تبت اور نیپال سے بندرگاہ سورت و مالابار تک ان کا ایک سیاسی مرکز تھا اور یہ سلطان عالمگیر کی طویل جدوجہد کا نتیجہ تھا، مگر افسوس ان کے جانشین اعلیٰ صلاحیت سے محروم تھے، عالمگیر کی وفات جمعہ ۲ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ (فروری ۱۷۰۷ء) کے بعد وہ قیامت برپا ہوئی کہ سلطنت کی شیرازہ بندی کا ایک ایک ورق جدا ہو گیا، تخت دہلی کا تاجدار اگرچہ ڈیڑھ سو برس (۱۸۵۷ء) تک کوئی مغل شہزادہ ہی ہوتا رہا مگر مرکزیت ختم ہو چکی تھی اور نظام سلطنت قالب بے جان بن گیا تھا، اس ڈیڑھ سو برس کی تاریخ نہایت غم انگیز اور افسوسناک ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ صرف پچاس سال کے عرصے میں (۱۷۰۷ء تا ۱۸۵۷ء) کے تخت دہلی پر دس تاجدار بٹھائے گئے اور اتارے گئے، ان میں صرف چار اپنی موت سے مرے، باقی کے سر قلم کیے گئے یا تخت سے اتار کر آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی، پھر جیل خانہ کی سلاخوں کے پیچھے فرشتہ موت نے ان کا استقبال کیا۔

اس وقت مسلمانوں میں وہ تاریخ ساز اور عہد آفرین شخصیت پیدا ہوئی، جس کو بجا طور پر قرون اولیٰ کی یادگار، سابقین کا نمونہ اور عبقری الصفت کہا جا سکتا ہے۔ آج برصغیر پاک

وہند میں جو کچھ دین اسلام کی روشنی دکھائی دیتی ہے انہی کا صدقہ جاریہ اورانہی کے خانوادے کی باقیات صالحہ ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ جن کا نام زیب عنوان ہے۔ سلطان عالمگیر کی وفات سے چار سال پہلے پیدا ہوئے (۴ شوال ۱۱۱۴ھ، بروز بدھ ۱۰ فروری ۱۷۰۳ء) سلطنت کے تخت پر تاج پوشی اور گردن کشی کے یہ تماشے اگرچہ آپ کی نوعمری میں ہورہے تھے مگر قدرت نے آپ کو حساس فطرت، پُردردقلب اور چشم بصیرت دے کر ایک بڑے کام کیلئے پیدا فرمایا تھا، امت مسلمہ کا احساس اور درد تھا کہ آپ خطہ ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے لئے ہمہ وقت فکر مند رہتے تھے، اپنی عمر کی تیسری دہائی میں آپ نے حجاز مقدس کا سفر فرمایا تاکہ پورے عالم اسلام کے لوگوں سے مل سکیں اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے حالات معلوم کرسکیں، ۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۰ء میں آپ حجاز تشریف لے گئے اور وہاں دوسال قیام کر کے علمی اور روحانی مشاغل کے ساتھ بڑا کام یہ کیا کہ یورپ، افریقہ اور ایشیا کے زائرین سے ان ممالک کے متعلق پوری معلومات حاصل کیں، آپ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہندوستان کے حالات ہم پر پوشیدہ نہیں کیونکہ وہ خود اپنا وطن ہے، عرب کے ممالک بھی دیکھ لیے ہیں اور ولایت (یعنی یورپ کے وہ صوبے جو ترکی مملکت میں داخل تھے) کے حالات بھی ہم نے وہاں کے معتمد لوگوں سے سن لیے ہیں۔''

اپنے وطن اور دوسرے ممالک کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد آپ کے ذہن رسا نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ تمام خرابیاں جو دن بدن تباہی اور بربادی کی طرف لے جارہی ہیں، ان کا اصل باعث بے دینی اور مذہب کی تعلیمات سے دوری کا وہ نظام ہے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے پر چھایا ہوا ہے، لہٰذا امت کی فلاح وترقی کے لئے سب سے پہلا کام ہے ''فکّ کلّ نظام'' یعنی فرد اور معاشرہ دونوں خالص اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی کے ہر ہر شعبے میں اور تمام پہلوؤں کو ڈھالیں، اللہ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں انفرادی واجتماعی تمام سطحوں پر اپنائی جائیں اور فرد کی اصلاح سے لے کر سلطنت کے قیام تک کی تمام منازل، رضاکاروں کی تربیت سے لے کر خلافت اسلامیہ کے قیام تک تمام مراحل منہاج نبوت کے مطابق سرانجام دیے جائیں، نجی یا ذاتی معاملات ہوں یا قومی اور ملکی، سب میں خلاف شریعت روایات ورسومات کی اتباع چھوڑ کر صرف اور صرف شریعت محمدیہ کی ہر حال میں تمام مشکلات کے باوجود مکمل پیروی کی جائے۔

یہی ان کے ان شہرہ آفاق نظریہ کی صحیح تعبیر وتشریح ہے۔جس سے لوگ نجانے کیا مطلب لیتے رہتے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے جہاں یہ حل سوچا اور تلقین فرمایا تھا وہیں ان نظریات اور اصولوں کی تعلیم بھی دی جن پر چل کر انقلاب لایا جاسکتا تھا آپ کے فرمودہ اصول سیاسی واقتصادی، معاشی ومعاشرتی، سماجی واخلاقی، ملی وقومی، ملکی وبین الاقوامی ہر سطح کیلئے موجود ہیں، ان میں کوئی خفا، کوئی ابہام، کوئی پیچیدگی نہیں، آپ کی تصانیف سے یہ بخوبی واضح ہوتے ہیں، یہ کوئی سربستہ راز نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ آج کل کچھ یہودیت زدہ دماغوں کی طرح عدم تشدد اور ''اہنسا'' کے قائل نہیں تھے، لیکن وہ عسکری قوت جس کی تربیت شرعی جہاد کے اصولوں پر ہوئی ہو۔جس کی حقیقت محض دشمن کشی نہیں بلکہ اس کی حقیقت ہے محنت، جفاکشی، صبر واستقلال، ایثار وقربانی اور مکمل اطاعت وخود سپردگی، یعنی اپنی ذات اور ذاتی مفادات کو ختم کر کے اعلیٰ دینی مقاصد کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنالینا، پھر اس مقصد کی تکمیل کیلئے اپنی ہر چیز، جان ومال، وقت اور صلاحیتیں حتیٰ کہ اپنی زندگی کو بھی داؤ پر لگا دینا

یا　تن　رسد　بجاناں

یا　جاں　زتن　بر　آید

ایسا جہاد پیشہ ور سپاہیوں کی فوج سے نہیں ہوتا نہ اس غیر منظم ہجوم سے ہوسکتا ہے۔جس نے طاعات پر مداومت اور منکرات کے ترک پر مواظبت کی منزل نہ طے کرلی ہو، یہ تو ان رضا کاروں اور جانثاروں سے ہوسکتا ہے جن کی تربیت خالص اسلاف کے طرز محنت پر کی گئی ہو، جو نصب العین کو سمجھیں، جو زمین پر الٰہی نظام قائم کرنے سے پہلے اپنے جسم وجان پر اوامر الٰہی مکمل طور پر نافذ کریں، پھر سنت نبویہ سے اسے آراستہ وپیراستہ کریں، نفلی عبادات اور ذکر وتلاوت کی خوشبو سے اسے مہکائیں، پھر ایثار وقربانی کے ذریعہ سے اسے سجا کر بارگاہ الٰہی میں نذرانہ کے طور پر پیش کردیں، جب تیاری اور تربیت کے یہ مراحل طے پا جائیں تو دنیا بھر کو اس نہج پر لانے کیلئے اپنے آپ کو تج دیں، دعوت وجہاد، اصلاح وقتال کے اس راستے پر چلتے رہنا اور چلتے ہوئے کام آجانا، ان کی زندگی کا آخری مقصد اور محبوب ترین تمنا بن جائے۔ افرادی قوت میں ایسی صفات پیدا کرنے کی کوشش کیے بغیر انقلاب کی باتیں کرنا اور تبدیلی کے منصوبے سوچنا، ایک نئی خرابی، انوکھی شورش اور جدید فتنے کو تو جنم دے سکتا ہے، پہلے سے

موجود مصائب کا علاج نہیں کر سکتا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس بننے کے دو سال بعد ہی قیام دارالعلوم کے مقاصد کے حصول کی خاطر جمعیۃ الانصار کے نام سے ایک دینی اصلاحی، تبلیغی اور سیاسی تنظیم تشکیل دی جس کا اصل مقصد عالمی سطح پر مسلمانوں کو انگریز سامراج کے خلاف سینہ سپر ہونے کی دعوت دینا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو کابل میں رہ کر اس سلسلے میں کام کرنے کیلئے بھیجا اور ایک عظیم خفیہ تحریک کیلئے منصوبہ بندی کی گئی۔ اس خفیہ تحریک کی پیغام رسانی چونکہ ریشمی رومالوں میں لکھی ہوئی تحریروں سے ہوتی تھی اس لیے اس تحریک کو تحریک ریشمی رومال کہتے تھے۔ اس تحریک کے احوال خود انگریز گورنمنٹ کے خفیہ ڈیپارٹمنٹ کی رپورٹ سے ملاحظہ فرمائیے:

''اگست ۱۹۱۶ء میں اس سازش کا انکشاف ہوا جو گورنمنٹ کے کاغذات میں ریشمی خطوط کی سازش کہلاتی ہے یہ ایک تجویز تھی جو ہندوستان میں تیار کی گئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ شمالی مغربی سرحد سے ہندوستان پر حملہ ہو اور ادھر کے مسلمان اٹھ کھڑے ہوں اور سلطنت برطانیہ کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اس تجویز پر عمل کرنے اور اس کو تقویت دینے کیلئے ایک شخص مولوی عبیداللہ نے اپنے رفقاء کو ساتھ لے کر اگست ۱۹۱۵ء میں شمالی مغربی صوبہ کو عبور کیا، عبیداللہ سکھ سے مسلمان ہوا ہے اور صوبہ جات متحدہ کے ضلع سہارنپور میں مسلمانوں کے مذہبی مدرسہ دیوبند میں اس نے مولوی کی تعلیم حاصل کی ہے۔ یہاں اس نے اپنے جنگی اور خلاف برطانیہ خیالات سے عملہ مدرسہ کے خاص لوگ اور کچھ طلبہ کو متاثر کیا اور سب سے بڑا شخص جس نے اس پر اثر ڈالا وہ محمود حسن تھا جو اس اسکول میں ''ہیڈ مولوی'' رہ چکا ہے۔''

ریشمی رومال مذکور تحریک کے راز کا افشا تحریک کی ظاہری ناکامی، حضرت شیخ الہند کی حجاز مقدس سے گرفتاری اور پانچ سال تک مالٹا کی جیل کی زندگی کی داستان تو طویل ہے جو ''تحریک ریشمی رومال'' نامی کتاب میں تفصیل سے موجود ہے۔ لیکن رولٹ ایکٹ کمیشن کی مذکورہ رپورٹ سے اتنی بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان کی مکمل آزادی کی سب سے پہلی تحریک دیوبند کے فرزند اول حضرت شیخ الہند ہی نے شروع فرمائی تھی۔

اسی تحریک کا ایک اور حصہ ''یاغستانی جہاد'' کے نام سے مشہور ہے جس کا مختصر

تعارف یوں ہے:

جیسا کہ گزشتہ رپورٹ میں بیان ہوا ہے عالمی اسلامی حکومت کے قیام اور ہندوستان کی آزادی کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کیلئے حضرت شیخ الہندؒ کی نظر انتخاب شمالی مغربی صوبہ سرحد کے غیور مسلمانوں پر پڑی تھی چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ نے حاجی ترنگزئیؒ، مولانا سیف الرحمٰنؒ اور دوسرے قبائلی علماء وحریت پسند مجاہدین کے ذریعے یاغستانی جہاد کا عظیم منصوبہ بنایا اور خطے کے تمام مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے پر آمادہ کیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی خواہش تھی کہ وہ خود یاغستان پہنچ کر ان مجاہدین کی قیادت سنبھالیں لیکن ترکی اور حجاز کے اس وقت کے حالات نے انہیں حجاز کا رخ کرنے پر مجبور کیا۔ تحریک ریشمی رومال کی ناکامی کی وجہ سے یاغستانی جہاد کا منصوبہ بھی ادھورا رہ گیا لیکن یاغستان کے باہمت مسلمانوں نے ہمیشہ انگریز سرکار کو بے چین کیے رکھا اور تادم آخر کسی نہ کسی طرح مزاحمت جاری رکھی۔

ہندوستان کی کوئی بھی تاریخ ''تحریک خلافت'' کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ اس لیے ہم اس کا بھی مختصر تعارف کرواتے ہیں:

ترکی کی سلطنت عثمانیہ پوری دنیا کے مسلمانوں کی مرکزیت کی علامت سمجھی جاتی تھی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں میں سلطنت عثمانیہ کیلئے خصوصی عقیدت تھی، برطانیہ نے جنگ عظیم اوّل میں کامیابی کے بعد ترکی کے خلاف سازشیں شروع کیں اور شریف مکہ کے ذریعے ترکی کے خلاف بغاوت کروائی جس سے حرمین شریفین کے تحفظ کو بھی خطرات لاحق ہوگئے۔ اس صورتحال سے ہندوستان کے مسلمانوں میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی اور پورے ہندوستان میں خلافت کی حمایت میں تحریک شروع ہوئی۔ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں نے بھی برطانیہ کے اس اقدام کی مخالفت کی اور تحریک خلافت میں حصہ لیا، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے خلافت کمیٹی قائم کی اور جمعیت علمائے ہند نے اس کی بھرپور حمایت کا اعلان کیا۔ علماء دیوبند نے اس تحریک میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔

انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کا ایک اہم مرحلہ ''تحریک ترک موالات'' تھا۔

جمعیۃ علماء ہند کے اکابر نے تحریک خلافت ہی کے سلسلے میں برطانوی فوج میں شرکت اور برطانوی مصنوعات کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا جو پورے ہندوستان میں انگریزوں کو زبردست اقتصادی مشکلات میں ڈالنے کا سبب بنا۔ اس تحریک میں مسلمانوں نے بھرپور

حمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے علماء پر غیر متزلزل اعتماد کا اظہار کیا۔

۱۸۵۷ء کے بعد اہل اسلام پر اور خصوصاً علماء کرام پر جو مصائب کے پہاڑ ٹوٹے ان کا کچھ ذکر پہلے باب میں آچکا ہے۔ دارالعلوم دیو بند کی بنیاد جس زمانے میں رکھی گئی اس میں ہر طرف پکڑ دھکڑ کا سلسلہ جاری تھا۔ کسی منصوبہ سازی کا موقع پانا تو درکنار معمولی سی بھنک پڑنے پر بھی انگریز گورنمنٹ کی طرف سے ایسی سخت سزائیں جاری کی جاتیں جو دوسروں کیلئے درس عبرت بن جاتی تھیں۔

اس لیے دارالعلوم کے بقاء کیلئے ضروری تھا کہ جب تک حالات معمول پر نہیں آتے، مدرسہ اپنی علمی واصلاحی خدمات میں ہمہ تن مصروف رہے، مدرسہ کے اکابرین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پہلے ہی حکومت کے نزدیک مشکوک تھے اس لیے بھی احتیاط کی ضرورت کہیں بڑھ گئی تھی لیکن یہ خاموشی مصلحت وقت کا تقاضہ تھی ورنہ مدرسہ کے نصاب، انتظام اور عمومی صورتحال ہر چیز سے یہ بات عیاں تھی کہ ارباب دارالعلوم کسی قیمت پر بھی اپنی اسلامی شناخت اور اپنا قومی وملی سرمایہ قربان کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں اور ایک استعماری حکومت کے موجود ہوتے ہوئے بھی اس کے نظام تعلیم اور نظام زندگی کے خلاف خاموش بغاوت جاری رکھیں گے۔

درسگاہ دیو بند کے اوّلین طالب علم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تھے۔ چالیس سال تک آپ نے اپنی اس مادر علمی میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ سیاسی میدان میں آپ نے تحریک خلافت، تحریک ترک موالات، تحریک ریشمی رومال، قیام جامعہ ملیہ اور جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ان پر مستقل کتب لکھی جاچکی ہیں۔ اس سلسلے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی سوانح حیات ''نقش حیات''، حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ کی ''تحریک شیخ الہندؒ'' (جس میں لندن میں محفوظ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ سرکاری دستاویزات کا ترجمہ کیا گیا ہے) اور حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ کی ''حیات شیخ الہندؒ'' ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

تحریک ریشمی رومال یا تحریک آزادی جس کا انجام ''اسارت مالٹا'' کی صورت میں نکلا، آپ کے ساتھ دیگر ہستیوں کے علاوہ وقت کے مشائخ اور فاضلین دیو بند میں سے یہ حضرات شریک سفر اور رفقاء کار تھے:

۱ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فاضل دیو بند
۲ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ
۳ حاجی صاحب ترنگزئیؒ
۴ حضرت مولانا سیف الرحمٰنؒ (انہوں نے حدیث حضرت گنگوہیؒ سے پڑھی تھی)
۵ حضرت مولانا منصور انصاریؒ (ان کا اصل نام محمد میاں تھا) فاضل دیو بند
۶ حضرت مولانا عزیز گلؒ فاضل دیو بند
۷ حضرت مولانا احمد اللہؒ فاضل دیو بند
۸ حضرت مولانا ظہور محمد خاں صدر مدرس مدرسہ رحمانیہ رڑکی
۹ حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوریؒ
۱۰ حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ
۱۱ حضرت مولانا محمد صادقؒ فاضل دیو بند (بانی مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ، کراچی)
۱۲ حضرت مولانا فضل ربیؒ فاضل دیو بند
۱۳ حضرت مولانا محمد اکبرؒ فاضل دیو بند
۱۴ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ (چکوال) فاضل دیو بند

حضرت شیخ الہندؒ نے قوم کو جو سامراج دشمنی کا سبق پڑھایا تھا وہی آخر کار علماء دیو بند کی پہچان بنا اور انگریز کو برصغیر سے اپنا بوریا بستر گول کرنا پڑا۔ آپ کی وفات سے صرف ایک ماہ پہلے ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو علی گڑھ کے مقابلے میں جامعہ ملیہ کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ بیماری کی وجہ سے سب جاننے والے سفر کی مخالفت کر رہے تھے لیکن آپ نے فرمایا:

''اگر میری صدارت سے انگریز کو تکلیف ہوگی تو اس جلسہ میں ضرور شریک ہوں گا۔''
(نقش حیات ص ۶۷۶)

مسٹن گورنر یوپی کہا کرتا تھا کہ ہم اگر مولوی محمود حسن کو جلا کر خاکستر کر دیں تو اس کی خاک بھی ہم سے نفرت کرے گی۔ (نقش حیات ص ۶۷۲)

جمعیت علماء ہند کے دوسرے اجلاس (بمقام دہلی، ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء) میں آپ نے فتویٰ صادر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''ہندوستان کی برطانوی حکومت کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہ کیا جائے اور سرکار

انگلستان کی نوکری بھی نہ کی جائے"۔ (پاکستان کی سیاسی جماعتیں اور تحریکیں ص ۱۳۷)

جمعیت علماء ہند جو آج بھی ہندوستان میں مسلمانوں کی راہنمائی کا فریضہ بحسن وخوبی سرانجام دے رہی ہے، یہ جماعت تقسیم برصغیر سے قبل بھی اپنا ایک شاندار ماضی رکھتی ہے۔ علماء دیوبند کی اکثریت نے اپنی قومی وملی خدمات کیلئے اسی کو منتخب فرمایا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں علماء دیوبندؒ کے علاوہ دیگر مکاتب فکر کے بزرگ بھی شامل تھے چنانچہ اس کے پہلے اجلاس کی صدارت حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلؒ نے فرمائی تھی اور دیگر کئی سالانہ اجلاسوں کی صدارت مولانا ابوالکلام آزادؒ کے حصے میں آئی تھی لیکن اکثر وبیشتر اس جماعت کا تعلق علماء دیوبند سے ہی رہا اور تقریباً تیس برس میں تاریخ کے ہر قابل ذکر موڑ پر وہ اس پلیٹ فارم سے قوم کی رہنمائی کرتے رہے۔

۲۲ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں جب جمعیت علماء ہند کی بنیاد رکھی گئی تو دارالعلوم کے ہی فیض یافتہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اس کے پہلے صدر اور حضرت مولانا احمد سعید پہلے جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے۔ اس کے دوسرے سالانہ اجلاس (۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء دہلی) کی صدارت حضرت شیخ الہندؒ نے فرمائی۔ چوتھے سالانہ اجلاس (۲۴، ۲۵، ۲۶ نومبر ۱۹۲۲ء گیا، صوبہ بہار) کی صدارت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندیؒ نے کی۔ پانچویں سالانہ اجلاس (۲۹ نومبر ۱۹۲۳ء)، بارہویں سالانہ اجلاس (۷، ۸، ۹ جون ۱۹۴۰ء جونپور) تیرہویں سالانہ اجلاس (۲۰، ۲۱، ۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء لاہور) اور چودھویں سالانہ اجلاس (۲۱، ۲۲، ۲۳ مئی ۱۹۴۵ء) کی صدارت حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے کی۔ آٹھویں سالانہ اجلاس (۲، ۳، ۴ دسمبر ۱۹۲۷ء پشاور) کی صدارت حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمائی۔

اس کے علاوہ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ بھی دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے اور حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے بھی مجلس احرار اسلام میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں جن کی تفصیل "کاروان احرار اور آزادیٔ برصغیر" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

تحریک پاکستان میں علماء دیوبند کا کردار

آزادیٔ برصغیر کے ساتھ تشکیل پاکستان میں بھی علماء دیوبند کا زریں کردار رہا ہے۔ اس کردار کو بانیٔ پاکستان نے کس شدت سے محسوس کیا تھا اور ان کی خدمات کا اعتراف کس خوبی

سے کیا اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود میں آجانے کے بعد مشرقی پاکستان میں سب سے پہلے پرچم کشائی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اور مغربی پاکستان میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے کی تھی۔

وطن عزیز کی آزادی کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ صوبہ سرحد اور سلہٹ کا ریفرنڈم کس اہمیت کا حامل تھا۔ علماء دیوبند میں سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے باقاعدہ وہاں کے دورے کیے اور اس کے نتائج اس طرح سامنے آئے کہ یہ دونوں علاقے پاکستان کا حصہ بنے۔ اس موقع پر بانی پاکستان سمیت کئی مسلم لیگی زعماء نے علماء دیوبند کے ساتھ اظہار تشکر کیا۔

مسلم لیگ کو عام طور پر نوابوں اور وڈیروں کی جماعت سمجھا جاتا تھا۔ اس نوزائیدہ کو عوام میں مقبول بنانے اور اسلامی حیثیت دینے میں علماء دیوبند کی کاوشوں کا بہت دخل ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ اور ان کے رفقاء کار کی مساعی جملیہ کی تفصیلات اس مختصر جگہ میں نہیں سما سکتیں۔ اس کیلئے ''تعمیر پاکستان اور علماء ربانی مؤلفہ منشی عبدالرحمٰن خان'' کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ کانگریس کے ساتھ عدم تعاون اور حد درد اشتراک کے بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کا فتویٰ جس نے تاریخی کردار ادا کیا تھا، آج بھی ''جواہر الفقہ'' کا مستقل جزء ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تقسیم ہند کے سوال پر علماء دیوبند دو مختلف طبقات میں بٹ گئے لیکن جیسا کہ واقفان حال جانتے ہیں کہ دونوں اطراف سے یہ ایک شرعی دلائل پر مبنی اختلاف تھا، علماء دیوبند میں سے کسی شخصیت پر بھی یہ الزام نہیں لگایا جا سکتا کہ انہوں نے ذاتی یا گروہی مفاد کی خاطر امت مسلمہ کی راہنمائی میں کوئی کسر اٹھا رکھی ہو۔ پاکستان کے سابق صدر ایوب مرحوم نے بھی اپنی معروف زمانہ تصنیف FRIENDS NOT MASTERS میں تسلیم کیا ہے کہ بانی پاکستان سے اختلاف کرنے والے علماء میں قابل اور مخلص لوگ بھی تھے۔

چونکہ دونوں طرف سے اس سلسلے میں بہت مواد لکھا جا چکا ہے اس لیے مزید کسی تفصیل کی ضرورت نہیں البتہ یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ عین اختلاف کے دنوں میں بھی جس طرح اکابرین نے آپس میں احترام اور عقیدت کا تعلق رکھا وہ ہمارے لئے لائق تقلید نمونہ عمل ہے۔ اس بارے میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے ''آپ بیتی'' اور ''الاعتدال فی مراتب

الرجال'' (اردو) میں اور حضرت مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ نے ''تکملۃ الاعتدال'' میں بہت قیمتی مواد جمع کردیا ہے۔

ایک مفید جملۂ معترضہ

ہم اسلاف کے اخلاق عالیہ اور حدودِ اختلاف کی رعایت رکھنے کی چند جھلکیاں و ہیں سے نقل کررہے ہیں کیونکہ موجودہ افتراق وانتشار کے دور میں ہم جیسوں کیلئے بذاتِ خود یہ بہت سے اسباق اور فوائد پر مشتمل ہیں۔

حضرت حکیم الامتؒ کے ارشادات

☆......۱۳۴۶ھ میں جبکہ دارالعلوم دیوبند اندرونی انتشار کا شکار ہوگیا اور حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند (جو حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے بعد سے شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے رہے تھے) اور آپ کے رفقاء کے استعفاء کے باعث دارالعلوم کے وجود ہی کو خطرہ پیدا ہوگیا تو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب (والد ماجد مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند) اور دیگر اراکین مجلس شوریٰ نے حضرت شیخ الاسلامؒ سے عہدۂ صدارتِ تدریس کو سنبھالنے کے لیے اصرار کیا اور آپ نے دارالعلوم کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس پیشکش کو چند شرائط کے ساتھ قبول فرمالیا، (شیخ الاسلامؒ کے حیرت انگیز واقعات، مرتبہ مولانا ابوالحسن بارہ بنکوی، ص ۲۶۹)

☆......حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''آپ کی اس مجاہدانہ روش اور دین کے عملی شعبوں میں انتھک دوڑ کے بارے میں، میں نے حکیم الامت حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہٗ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں اپنی جماعت میں مفتی محمد کفایت اللہؒ صاحب کے حسن تدبر کا اور مولانا حسین احمدؒ صاحب کے جوش عمل کا معتقد ہوں۔

ایک موقعہ پر حضرت ممدوح (مولانا تھانویؒ) کی مجلس خیر و برکت میں تحریکاتِ وقت کا ذکر چھڑا، ایک صاحب نے حضرت مدنیؒ کے کسی مجاہدانہ عمل کا حوالہ دیتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت آپ کا اس پر عمل نہیں؟ فرمایا: بھائی میں ان جیسی (مولانا مدنیؒ جیسی) ہمت مردانہ

کہاں سے لاؤں؟

مجھ سے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا: کہ ''میں مولانا حسین احمدؒ صاحب کو ان کے سیاسی کاموں میں مخلص اور متدین جانتا ہوں، البتہ مجھے ان سے جحت کے ساتھ اختلاف ہے اگر وہ جحت رفع ہو جائے تو میں اُن کے ماتحت ایک ادنیٰ سپاہی بن کر کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' (مقدمہ مکتوبات شیخ الاسلام، جلد اول ص ۲ و ۳، از مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ)

☆.....مولانا مدنی کی اسارت کی خبر پر حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے رنج و حزن کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

''مجھے خیال نہیں تھا کہ مولانا مدنی سے مجھے اتنی محبت ہے'' اور جب حضار مجلس میں سے کسی خادم نے یہ عرض کیا کہ مولانا مدنی تو اپنی خوشی سے گرفتار ہوئے تو حضرت نے فرمایا آپ مجھے اس جملہ سے تسلی دینا چاہتے ہیں، کیا حضرت حسینؓ یزید کے مقابلہ میں اپنی خوشی سے نہیں گئے تھے؟ مگر آج تک کون ایسا شخص ہوگا جس کو اس حادثہ سے رنج نہ ہوا ہو؟'' (روایت حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی زید مجدہم، ''شیخ الاسلامؒ کے حیرت انگیز واقعات، صفحہ ۳۰)

☆.....حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:۔

''مولوی حسین احمد صاحبؒ بہت شریف طبیعت کے ہیں، باوجود سیاسی مسائل میں اختلاف رکھنے کے بھی کوئی کلمہ خلاف حدود ان سے نہیں سنا گیا۔''

(کلام الحسن حصہ اول، ص ۱۷، طبع تھانہ بھون، ملفوظ ۳۲)

مولانا خیر محمد صاحب جالندھری جو مولانا تھانویؒ کے مخصوص خلفاء میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ:

''حضرت تھانویؒ نے حضرت مدنیؒ کے متعلق میرے سامنے فرمایا کہ ہمارے اکابر دیوبند کی بفضلہٖ تعالیٰ کچھ کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، چنانچہ شیخ مدنی کے دو خداداد خصوصی کمال ہیں، جو ان میں بدرجہ اتم موجود ہیں، ایک تو مجاہدہ جو کسی دوسرے میں اتنا نہیں ہے۔ دوسری تواضع، چنانچہ سب کچھ ہونے کے باوجود (اپنے) آپ کو کچھ نہیں سمجھتے'' (شیخ الاسلامؒ کے حیرت انگیز واقعات، ص ۲۱۲، حاشیہ مکتوبات شیخ اسلام جلد دوم صفحہ ۱۷۲)

عبدالماجد صاحب دریابادی، حکیم الامت ص ۲۵۰ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک خاص بات اب کی (حاضری میں) یہ رہی کہ ایک مجلس میں مشائخ قابل بیعت کا ذکر آ گیا۔ میں نے

عرض کیا کہ حضرت کے خیال میں اس وقت کون کون صاحب اس کے اہل ہیں۔ فرمایا کہ کسی وقت پرچہ لکھ کر دیدوں گا، چنانچہ اسی دن ایک چھوٹے سے پرزہ پر یہ نو نام اسی ترتیب سے لکھے ہوئے مرحمت ہوئے۔ (۱) مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری (۲) مولانا اللہ بخش بہاولنگر، ریاست بہاولپور (۳) مولانا محمد الیاس صاحب نظام الدین دہلی (۴) مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپور (۵) حافظ فخر الدین اسٹیشن ماسٹر (۶) مولانا عاشق الٰہی میرٹھ کمبوہ دروازہ (۷) مولانا انور شاہ صاحب ڈابھیل سورت (۸) (مولانا حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دیوبند (۹) مولانا اصغر حسین صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند۔

مولانا عبدالجبار صاحب جو خلیفہ حضرت تھانویؒ کے ہیں، موصوف نے مولانا عبدالمجید صاحب بچھڑایونی سے جو خلیفہ حضرت تھانویؒ کے تھے اور اختلاف میں بہت تیز تھے، کہا:۔

> ”شیخ الاسلام سے اس درجہ اختلاف نہ رکھیں، کیونکہ میں نے مفتی محمد حسن صاحب امرتسری سے سنا ہے جو حضرت تھانویؒ کے سب سے بڑے خلیفہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حال میں میں نے حضرت مدنی کے ایک دو جواب مسائل سلوک میں پڑھے ہیں، جن کی وجہ سے سابق اختلاف سے رجوع کر چکا ہوں، کیونکہ باطنی دنیا میں حضرت مدنی کا مرتبہ اور مقام شہنشاہیت کا ہے، یہ سنکر مولانا عبدالمجید صاحب نے فرمایا کہ بھائی یہ تو میں نے کئی بار حضرت تھانویؒ سے سنا ہے کہ مجھ کو اپنی موت پر بھی فکر تھا کہ بعد میں باطنی دنیا کی خدمت کرنے والا کون ہے، مگر حضرت مدنی کو دیکھ کر تسلی ہوگئی کہ یہ دنیا ان سے زندہ رہے گی۔“

(حاشیہ مکتوبات شیخ اسلام، جلد دوم، صفحہ ۱۷۲)

(شیخ الاسلامؒ کے حیرت انگیز واقعات صفحہ ۲۱)

مولانا حسین احمد مدنی کی مخالفت کرنے والوں کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے (بروایت حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ) (شیخ الاسلامؒ کے حیرت انگیز واقعات، صفحہ ۲۱۲)

حضرت مدنیؒ کے فرمودات:

☆...... حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ دریابادی صاحب کے نام تحریر فرماتے ہیں کہ:

" واقعہ یہ ہے کہ یہ ناکارہ تو حضرت مولانا (تھانوی) دامت برکاتہم کا نہایت معتقد اور ان کی تعظیم و احترام کو نہایت ضروری سمجھتا ہے، ان کی قابلیت اور کمالات کے سامنے اتنی بھی نسبت نہیں رکھتا جو کہ طفل دبستاں کو افلاطون سے ہوسکتی ہے، البتہ تحریکِ حاضرہ کے متعلق جو چیزیں وہاں سے شائع کرائی جاتی ہیں اور جو کچھ وہاں کے متوسلین گاتے ہیں وہ نہایت دل خراش ہیں، میں مولانا کو اپنا مقتدیٰ اور اپنے اکابرین میں سمجھتا ہوں، ۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ (مکتوبات شیخ الاسلام، ص ۱۴۳ ج ۱)

مہمان خانہ میں کچھ لوگ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجدد ہونے پر بحث کررہے تھے، کچھ باتیں مخالف کیں اور کچھ موافق، ایک صاحب نے مخالفت میں دلائل پیش کرتے ہوئے سخت بات کہہ دی، مجلس میں سامع کی حیثیت سے راقم الحروف بھی موجود تھا اور بحمد اللہ مخالفت میں سخت بات سن کر مجھے اذیت ہوئی، اسی دن بارہ بجے حضرت مدنیؒ جب درس بخاری سے فارغ ہوکر مدرسہ سے واپس آئے اور مکان کے اندر تشریف لے گئے تو میں نے پوری گفتگو نقل کرکے سوال کیا کہ حضرت! کیا حکیم الامت میں شانِ مجددیت تھی؟

میرا سوال سن کر حضرت نے انتہائی سنجیدگی سے اور وقار کے ساتھ جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔

کہ بیشک وہ مجدد تھے، انہوں نے ایسے وقت میں دین کی خدمت کی جبکہ دین کو بہت احتیاج تھی۔ "

مذکورہ بالا الفاظ مجھے اس طرح یاد ہیں جیسے ابھی سنے ہوں۔ (مولانا سید فرید الوحیدی صاحب ابن برادر زادہ شیخ الاسلامؒ) (مکتوبات شیخ السلام کے حیرت انگیز واقعات، صفحہ ۱۶۲، از مولانا ابوالحسن صاحب بارہ بنکوی)

حضرت مدنیؒ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کو مالٹا میں قید کرایا تھا، وہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور محبین میں سے تھے، البتہ تحریک آزادی ہند میں ان کی رائے خلاف تھی، نہ انہوں نے کوئی مخبری کی، اور نہ ان کو انگریزوں سے اس قسم کے تعلقات رکھنے کی کبھی نوبت آئی، وہاں مولانا مرحوم کے بھائی

محکمہ سی آئی ڈی میں بڑے عہدے دار اخیر تک رہے ان کا نام مظہر علی ہے، انہوں نے کچھ کچھ کیا ہو تو مستبعد نہیں ہے۔

مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ معاذ اللہ مشرکانہ عقائد ہرگز نہیں رکھتے تھے، بہت بڑے موحد خدا پرست تھے، تصوف میں ان کا قدم بہت راسخ تھا، پیری مریدی بھی حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے حکم پر اوران کی اجازت سے کرتے تھے، علم ظاہر میں بھی ان کا قدم راسخ تھا۔

حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کو مالٹا میں قید ان کے کارناموں اور انگریز دشمنی اور آزادی ہند کی جانبازانہ جدوجہد نے کرایا تھا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نہ صرف صحیح مسلمان ہونے کا معتقد ہوں، بلکہ ان کو بہت بڑا عالم باعمل اور صوفی کامل جانتا ہوں، ہاں ان کی رائے دربارہ تحریک آزادی ہند غلط سمجھتا ہوں، اس بارے میں میرا یقین کامل ہے کہ میرے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کی رائے نہایت صحیح اور واجب الاتباع تھی، یہ غلطی حضرت تھانویؒ کی اجتہادی غلطی جانتا ہوں جس کی وجہ سے حضرت تھانوی مرحوم کی شان میں نہ گستاخی کرتا ہوں اور نہ کسی کی گستاخی کو روا رکھتا ہوں۔" ۴ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

(مکتوبات شیخ الاسلام، ص ۳۴۵ و ۳۴۶ ج ۲)

"مولوی احمد حسین سنبھلی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، اور بڑے عالم تھے، خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں تصنیف وتالیف کی خدمت پر حضرت تھانویؒ نے ان کو اچھی تنخواہ پر لگا رکھا تھا، سیاسیات میں حضرت تھانویؒ سے ان کو اختلاف ہوا اور انہوں نے اس کی بری صورت اختیار کی، حضرت تھانویؒ کے اکرام و احترام کا کوئی خیال نہ رکھا اور بہت ہی نامناسب رویہ اختیار کیا، جس پر حضرت تھانویؒ نے رسالہ مُوذئ مُرِید لکھا، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب ذیل میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے" (مرتب)

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولوی احمد حسن سنبھلی کا صدر مدرسی کے کام کا بخوبی انجام نہ دے

سکنا قابل تعجب امر ہے جس کا تسلیم کرنا بھی بمشکل ہوسکتا ہے۔..........

میرے نزدیک مولوی صاحب موصوف نے اپنے پیر و مرشد (حضرت تھانویؒ) کے متعلق جو اعلانات شائع کیے ہیں اس میں نہایت فاش غلطی کھائی ہے اور اس کے برے نتائج کا خوف ہے، مگر اس کو ان سے ذکر کرنے کا موقعہ مجھ کو ہاتھ نہ لگا کہ میں پکڑا گیا، اگرچہ اس میں ان کی نیت بخیر ہو، مگر میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ غیر مناسب ہوا اور وہ مولوی صاحب کے لیے شاید مضر ہو، واللہ یحمینا وایاہ وسائر المسلمین من حوادث الدھر وسوء العواقب آمین۔ (مکتوبات شیخ السلام ص۹۰ ج۲)

حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ خلیفہ خاص حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ اسرار ہما کے متعلق مؤلف حسام الحرمین احمد رضا خاں نے افتراء کیا کہ وہ اپنے رسالہ ''حفظ الایمان'' میں لکھتے ہیں۔ کہ معاذ اللہ ''جناب رسول اللہ ﷺ کا علم زید، عمرو بلکہ چوپاؤں کے برابر ہے'' حالانکہ ان کی عبارت اور سیاق وسباق بالکل اس کے خلاف ہے.......... اور خود مولانا مرحوم نے اپنے رسالت ''بسط البنان فی توضیح حفظ الایمان'' میں اس الزام کی تردید فرمائی ہے اور باقی عبارت کی ایسی عمدہ شرح فرمائی ہے جس سے کوئی شبہ باقی نہیں رہ سکتا، ہم نے اپنے رسالہ ''الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب'' میں ان جملہ امور کے متعلق پوری تفصیل لکھ دی ہے۔ (نقش حیات جلد اول)

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ زاہد حسین صاحب ضلع مان بھوم کو تحریر فرماتے ہیں:۔

''حضرت مولانا تھانویؒ کے مواعظ خرید لیجئے اور ان کو دیکھا کیجئے۔''

(مکتوبات شیخ الاسلام ص۳۴۴ ج اول)

اور سید علی آفندی کو تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''مولانا تھانوی کے مواعظ بہت مفید ہیں، ضرور ان کا مطالعہ رکھیں، علی ہذا القیاس ''تربیت السالک'' بھی مفید ہے۔''

(مکتوبات شیخ الاسلام، ص۱۱۳ ج دوم)

بیان القرآن کی ایک عبارت کی جانب سے دفاع کرتے ہوئے مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ کو تحریر فرماتے ہیں:۔

طَالَعْتُ فِیْ تَفْسِیْرِ بَیَانِ الْقُرْاٰنِ فَوَجَدْ الْعِبَارَۃَ الْمُوْجُوْدَۃَ ھُنَالِکَ تَدْفَعُ اِعْتَرَ اضَکُمْ الخ (مکتوبات شیخ السلام،ص۲۱ ج ۱)

نیز مولانا عبدالحق مدنیؒ کو تحریر فرماتے ہیں کہ

وَاَمَّاعَدَمُ مَیْلِکُمْ اِلٰی مَوْلَانَا اَشْرَفُ عَلِیْ صَاحِب فَاَرَاکُمْ مُخْطِئِیْنَ فِیْہِ (حوالہ بالا)

مدیر صدق دریابادی صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:۔

”والانامہ باعث سرفرازی ہوا، تھانہ بھون ارزانی کے متعلق مجھ روسیاہ ونالائق سے اجازت چاہنا عجیب بات ہے میں تو خود ہی ناکارہ ہوں، اس سے بڑھ کر کیا چیز خوشی کی ہوسکتی ہے کہ مقصد اصلی اور محبوب حقیقی تک رسائی ہو، جوکہ حضرت مولانا (تھانوی) دامت ہم کی بارگاہ میں ارجی ہو“

از دیوبند، جمادی الثانیہ ۱۳۵۰ھ

(مکتوبات شیخ الاسلام،ص ۱۴۰ ج ۱)

ایک مرتبہ دریابادی صاحب کو تحریر فرمایا جبکہ وہ تھانہ بھون پہنچے ہوئے تھے:

”اپنے مشاغل قلبیہ سے غافل نہ رہیں، ذکر میں کوشاں رہیں، مولانا (تھانوی) دامت برکاتہم کی خدمت میں جس قدر بیٹھنا نصیب ہو غنیمت جانیں، اس وقت جہاں تک ممکن ہو ذکر کا خیال رہے اور قلب حاضر ہو، صحبۃ الشیخ خیر من عبادۃ ستین سنۃ قول اکابر ہے۔ حضرت مولانا کی خدمت میں سلام مسنون اور استدعا، دعوات صالحہ صرف ہمت عرض کردیں“ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۴۴ ج ۱)

جمعیت علماء اسلام

اس نام سے سب سے پہلے کلکتہ میں ۱۹۴۵ء میں یہ جماعت قائم کی گئی اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو اس کا صدر منتخب کیا گیا۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو حضرت عثمانیؒ کے انتقال کے بعد علامہ سید سلمان ندویؒ اس کے صدر مقرر ہوئے۔ ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء حضرت سید صاحبؒ کی رحلت کے بعد حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس کے صدر منتخب ہوئے۔ کچھ عرصے بعد حضرت مفتی محمد حسنؒ اس کے صدر اور حضرت مفتی محمد شفیع اس کے نائب صدر مقرر ہوئے۔ صدر ایوب مرحوم کے مارشل

لاء نے تمام جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا۔ مارشل لاء کے دوران ہی حضرت مفتی محمد حسنؒ کا انتقال ہوگیا۔ (پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹیؒ نے اس جمعیت کے ابتدائی اجلاس کی تفاصیل ''حیات عثمانی'' میں تحریر کی ہیں۔ مارشل لاء کے بعد کے حالات ہمیں معلوم نہیں ہوسکے)

۱۹۵۴ء کو حضرت مفتی محمودؒ نے ملتان میں علماء کا ایک کنونشن بلایا تھا۔ جس میں جمعیت علماء اسلام کو متحرک کرنے پر غور کیا گیا۔ ایوبی مارشل لاء کے دوران یہ جماعت نظام العلماء کے نام سے اصلاحی و تبلیغی خدمات سرانجام دیتی رہی۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے انتقال (۱۹۶۱ء) کے بعد حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ نئے امیر بنے اور حضرت مفتی محمودؒ کو جنرل سیکریٹری بنادیا گیا۔ جمعیت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ سب سے پہلے اسمبلی فورم پر جمعیت کے راہنما حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے غیر اسلامی عائلی قوانین کے خلاف مغربی اسمبلی میں بھرپور آواز اٹھائی اور مدلل طور پر ثابت کیا کہ عائلی قوانین قرآن وسنت سے متصادم ہیں۔ صدر ایوب اور فاطمہ جناح کے صدارتی انتخابات میں جمعیت غیر جانبدار رہی تاکہ کوئی خاتون اسلامی مملکت کی سربراہ نہ بن جائے۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں جمعیت کو مرکز میں سات، سرحد اسمبلی میں چار اور بلوچستان اسمبلی میں تین نشستیں مل گئیں۔ حضرت مفتی محمودؒ صرف دس ماہ تک صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ رہے۔ اس دوران آپ نے تین اہم کام فرمائے:

۱ پاکستان بھر میں شراب سرعام فروخت ہوتی تھی صوبہ سرحد میں اس پر پابندی لگادی گئی۔

۲ کسانوں کو دیئے گئے قرضوں پر سود معاف کردیا گیا۔

۳ صوبہ سرحد میں اردو زبان کی تعلیم لازمی قرار دیدی گئی۔

جمعیت علماء اسلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کے خلاف قومی اسمبلی میں پاس ہونے والے بل کیلئے سب سے زیادہ جدوجہد جمعیت کے ارکان اسمبلی نے کی تھی۔ حضرت مفتی محمودؒ نے محضر نامہ پڑھ کر سنایا تھا جبکہ حضرت ہزارویؒ نے لاہوری گروپ کے جواب میں مستقل مقالہ تحریر فرمایا تھا۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں حضرت مفتی محمودؒ کے مقابلے میں ڈیرہ اسماعیل خان سے مسٹر بھٹو الیکشن ہار گئے تھے۔ دارالعلوم حقانیہ کے بانی حضرت مولانا عبدالحقؒ نے اسمبلی میں نفاذ اسلام کیلئے جو بے پناہ کوششیں فرمائیں ان کی تفاصیل کتابی صورت میں شائع ہوچکی ہے۔ تقسیم در تقسیم کے باوجود آج بھی مملکت پاکستان میں اسلامی علوم وفنون کے ساتھ اسلامی قوانین کی سب سے بڑی اور مؤثر حامی جماعت یہی ''جمعیت علماء اسلام'' ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جہادی خدمات

باطل کیلئے تلوار......

''شاملی کا میدان اور دار العلوم کی زمین ایک ہی حقیقت کے دو رخ تھے، فرق تیغ و سنان اور قلم و زبان کا تھا''

یہ الفاظ حکیم الاسلام قاری طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دار العلوم دیوبند کے ہیں جو انہوں نے ''آزادی ہندوستان کا خاموش رہنما'' میں تحریر فرمائے تھے۔

شاملی کے میدان میں کیا واقعات پیش آئے؟ حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کو کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا؟ اور انہوں نے کس طرح میدان جہاد میں وراثت نبوت کا حق ادا کیا؟ سلسلۂ دیوبند کے مستند ترین وارث، جانشین شیخ الہندؒ حضرت مدنیؒ کے قلم سے تفصیلات ملاحظہ فرمائیں:

ہمارے تمام اکابر (علماء دیوبند و سہارنپور و مظفر نگر) حضرت شاہ عبد العزیز صاحب اور ان کے تلامیذ کے شاگرد اور خوشہ چین رہے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ حضرت شاہ صاحب اور ان کے خاندان کے مسلک اور حکم کے خلاف چلیں۔ چنانچہ جب سید صاحب کی تحریک جہاد شروع ہوئی تو حضرت حاجی عبد الرحیم صاحب شہید ولایتی (دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مکی) اور حضرت شاہ نصیر الدین صاحب دہلوی (سابق پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور بہت سے حضرات (اطراف سہارنپور مظفر نگر وغیرہ کے) شریک تحریک ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ سرحد میں جا کر شہید ہوئے۔ حضرت سید صاحب رحمہ اللہ اور ان کے اعلیٰ جذبات حریت و جہاد اور ان کی تعلیمات روحانیہ سے ان حضرات کو انتہائی شغف اور حسن اعتقاد رہتا تھا۔ سرحد کی ناکامی اور آپس کی غداریوں سے ان حضرات کے قلب میں انتہائی قلق اور اضطراب ہمیشہ محسوس ہوتا رہتا تھا جب انقلاب ۵۷ء کی تحریک اطراف و جوانب ہند

خصوصاً اطراف دہلی میں چلنی شروع ہوئی تو ان حضرات کے جوش حریت میں نئی حرکت پیدا ہوئی ان بزرگوں نے محسوس کیا کہ اس انقلاب میں حصہ لینا فرض اور لازم ہے۔ انگریزوں کے افعال ماضیہ اور احوال حاضرہ پر بخوبی مطلع تھے۔ اس تمام جماعت میں حضرت حافظ ضامن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز زیادہ پیش پیش تھے۔ (حضرت حافظ صاحب، قطب العالم میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی رحمہ اللہ کے اولین اور اعلیٰ ترین خلفاء میں سے تھے، نسبت روحانیہ نہایت قوی اور بے مثل پائی تھی۔ میانجی صاحب مرحوم کی وفات کے وقت تک حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی تکمیل سلوک تصوف پوری نہیں ہوئی تھی تو میانجی صاحب نے حضرت حاجی صاحب کو تکمیل کیلئے حافظ ضامن صاحب ہی کے سپرد کیا تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ علیہ تحریک انقلاب میں حافظ صاحب کے ہمنوا تو ضرور تھے مگر پیش پیش اور اس قدر زیادہ جوش میں نہ تھے۔ اسی قصبہ تھانہ بھون میں میاں جی صاحب رحمہ اللہ علیہ کے تیسرے خلیفہ مولانا شیخ محمد صاحب رہتے تھے چونکہ تینوں حضرات پیر بھائی اور ایک ہی مقدس ہستی میاں جی صاحب کے دریوزہ گر تھے۔ اس لیے آپس میں میل جول اتحاد و اتفاق بڑے پیمانے پر رہتا تھا مگر مولانا شیخ محمد صاحب علوم عربیہ کے باقاعدہ فاضل تھے۔ علماء دہلی سے تمام نصاب علم ظاہر پڑھ چکے تھے۔ بخلاف حضرت حافظ صاحب اور حاجی صاحب کے کہ دونوں حضرات نے علوم عربیہ کی تکمیل نہیں کی تھی۔ اگرچہ نسبت باطنیہ میں بدرجہا بڑھے ہوئے تھے۔ اس بناء پر مسائل شرعیہ میں ہر دو حضرات مولانا شیخ محمد صاحب ہی کا اتباع کرتے تھے بدقسمتی سے مولانا کی رائے یہ ہی تھی کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا ہم مسلمانوں پر فرض تو درکنار موجودہ احوال میں جائز ہی نہیں۔ اس اختلاف اور فتوی کی بناء پر حضرت مولانا رشید احمد صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو ان کے اوطان (علاقوں) سے دونوں حضرات نے بلوایا۔ یہ دونوں حضرات اس سے بہت پہلے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددیؒ اور حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ اور دیگر اساتذہ دہلی سے سند فراغ علوم عقلیہ ونقلیہ حاصل کر چکے تھے اور اپنی ذکاوت اور مہارت میں پوری شہرت حاصل کر کے سلوک وطریقت کی منازل بھی طے کر چکے تھے۔ جب ہر دو حضرات (مولانا نانوتویؒ اور مولانا گنگوہیؒ) پہنچ گئے تو ایک اجتماع میں اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ حضرت نانوتویؒ نے نہایت ادب سے مولانا شیخ محمد صاحب سے پوچھا (چونکہ وہ چچا پیر تھے اس لیے ہمیشہ ان کا ادب کیا

جاتا تھا) کہ حضرت کیا وجہ ہے کہ آپ ان دشمنانِ دین ووطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں۔ ہم بالکل بے سروسامان ہیں۔ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ کیا اتنا بھی سامان نہیں ہے جتنا کہ غزوہ بدر میں تھا؟ اس پر مولانا شیخ محمد صاحب نے سکوت فرمایا۔ اس پر حافظ ضامن صاحب نے فرمایا کہ مولانا بس سمجھ میں آ گیا اور پھر جہاد کی تیاری شروع ہوگئی اور اعلان کر دیا گیا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کو امام مقرر کیا گیا اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو قاضی بنایا گیا اور مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانویؒ کو میمنہ میسرہ (دائیں بائیں کا) افسر قرار دیا گیا۔ چونکہ اطراف وجوانب میں مذکورہ بالا حضرات کے تقویٰ وعلم (تصوف اور تشرع) کا بہت زیادہ شہرہ تھا، ان حضرات کے اخلاص اور للہیت سے لوگ بہت زیادہ متاثر تھے۔ ہمیشہ سے ان کی دین داری اور خدا ترسی دیکھتے رہے تھے اس لیے ان پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے، علاوہ مریدین اور تلامذہ کے عام مسلمان بھی بے حد معتقد تھے اس لیے بہت تھوڑی مدت میں جوق در جوق لوگوں کا اجتماع ہونے لگا۔ اس وقت تک ہتھیاروں پر پابندی نہ تھی۔ عموماً لوگوں کے پاس ہتھیار تھے جس کو رکھنا اور سیکھنا مسلمان ضروری سمجھتے تھے مگر یہ ہتھیار پرانے قسم کے تھے۔ بندوقیں توڑے دار تھیں۔ کارتوسی رائفلیں نہ تھیں۔ یہ صرف انگریزی فوجوں کے پاس تھیں، مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے تھے اور تھانہ بھون اور اطراف میں اسلامی حکومت قائم کر لی گئی اور انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دیئے گئے۔

خبر آئی کہ توپخانہ سہارنپور سے شاملی کو بھیجا گیا ہے ایک پلٹن لا رہی ہے۔ رات کو یہاں سے گزرے گی۔ اس خبر سے لوگوں میں تشویش ہوئی کیونکہ جو ہتھیار ان مجاہدین کے پاس تھے وہ تلوار بندوق توڑے والی اور برچھے وغیرہ تھے مگر توپ کسی کے پاس نہ تھی توپخانہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے گا۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا فکر مت کرو۔

سڑک ایک باغ کے کنارے سے گزرتی تھی۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو تیس یا چالیس مجاہدین پر حضرت حاجی امداد اللہؒ نے افسر مقرر کر دیا تھا۔ آپ اپنے تمام ماتحتوں کو لے کر باغ میں چھپ گئے اور سب کو حکم دیا کہ پہلے سے تیار رہو، جب میں حکم کروں سب کے سب ایک دم فائر کرنا۔ چنانچہ جب پلٹن مع توپخانہ باغ کے سامنے سے گزری تو

سب نے یکدم فائر کیا۔ پلٹن گھبرا گئی کہ خدا جانے کس قدر آدمی یہاں چھپے ہوئے ہیں۔ توپخانہ چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔ حضرت گنگوہیؒ نے توپخانہ کھینچ کر حضرت حاجی صاحب کی مسجد کے سامنے لاکر ڈال دیا۔ اس سے لوگوں میں ان حضرات کی فراست، ذکاوت، فنون حربیہ کی مہارت، معاملہ فہمی اور ہر قسم کی قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔

شاملی اس زمانہ میں مرکزی مقام تھا، ضلع سہارنپور سے متعلق تھا، وہاں تحصیل بھی تھی کچھ فوجی طاقت بھی وہاں رہتی تھی۔ قرار پایا کہ اس پر حملہ کیا جائے چنانچہ چڑھائی ہوئی اور قبضہ کرلیا گیا۔ جو طاقت پولیس اور فوج کی وہاں تھی وہ مغلوب ہوگئی۔ حضرت حافظ صاحبؒ اسی ہنگامہ میں شہید ہوگئے۔ حضرت حافظ صاحبؒ کا شہید ہونا تھا کہ معاملہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔ ان کی شہادت سے پہلے روزانہ خبر آتی تھی کہ آج فلاں مقام انگریزوں سے چھین لیا گیا۔ آج فلاں مقام پر ہندوستانیوں کا قبضہ ہوا مگر حافظ صاحب مرحوم کی شہادت کے بعد پہلے پہل خبر آئی کہ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور یہی حال ہر جگہ کی خبروں کا تھا۔ اس سے پہلے گورے فوجی چھپتے پھرتے تھے ایک ایک ہندوستانی سپاہی گوروں کی جماعتوں کو بھگائے پھرتا تھا مگر بعد میں معاملہ بالکل برعکس ہوگیا۔

پہلے کسی کھیت میں گورا سپاہی چھپا ہوا تھا تو کاشت کار عورت نے اپنے کھرپے سے اسے قتل کر ڈالا مگر بعد میں معاملات الٹے ہوگئے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ تمام معاملہ جوش وخروش جنگ وجدال کا حضرت حافظ صاحبؒ کی شہادت کے لئے (تکوینی طور پر) کیا گیا تھا۔ بہر حال حافظ صاحبؒ کی شہادت اور دہلی کے سقوط کی خبر سے لوگوں کی ہمتیں بالکل پست ہوگئیں اور سب اپنے اپنے اوطان کو واپس ہوگئے۔

تقدیر، تدبیر پر غالب آگئی، ہندوستانیوں کو اپنے اعمال سابقہ کی سزا ملنی تھی، گذشتہ مصائب پاداش کیلئے احکم الحاکمین کے دربار عدالت میں کافی نہ تھے، اس لیے باوجود اس قدر جاں بازیوں کے برٹش شہنشاہیت کو ہندوستانیوں پر اس طرح مسلط کر دیا گیا جس طرح کوڑے لگانے والے بھنگی جلاد کو مجرم پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔ جس میں نہ شرافت ہوتی ہے نہ رحم وانسانی ہمدردی، ہندوستانیوں کو سپید برطانوی بھیڑیوں کے سامنے سرنگوں کرنا قدرت کی تجویز تھی وہ ہوکر رہی۔ تحریک انقلاب وآزادی ناکام کردی گئی۔ غلامیت کا طوق پہلے سے ہزاروں درجہ بوجھل کر کے ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کی گردن میں ڈلوا دیا گیا۔

قصبہ تھانہ بھون اور اس کے اطراف وجوانب کے وہ مقامات جن کی شکایت کسی دشمن نے کر دی برباد کر دیئے گئے۔

تقریباً یہی تفاصیل حضرت نانوتویؒ کے علمی ونسبی وارث حضرت حکیم الاسلام قاری طیبؒ نے بیان فرمائے ہیں اور جب کچھ لوگوں نے ان واقعات کے بارے میں شکوک وشبہات کا دروازہ کھولنا چاہا تو آپ نے دوٹوک الفاظ میں تحریر فرمایا:

''اس بارے میں ہندوستان کی تاریخ سے باخبر اور ارباب تحقیق کے نزدیک ایسی تحریریں خواہ وہ کسی دیوبندی نسبت کی ہوں یا غیر دیوبندی، جن سے ان بزرگوں کی ان جہادی خدمات کی نفی ہوتی ہو، لایعباء بہ اور قطعاً ناقابل التفات ہیں۔ اگر حسن ظن سے کام لیا جائے تو ان تحریرات کی زیادہ سے زیادہ صرف یہ توجیہہ کی جاسکتی ہے کہ ایسی تحریریں وقت کے مرعوب کن عوامل کے نتیجے میں محض ذاتی حد تک حزم واحتیاط کا مظاہرہ ہیں۔

(دار العلوم دیوبند ص ۲۶)

یہ حقیقت ہے کہ برطانوی سامراج کے دور شباب میں مؤرخین اور مصنفین کیلئے ایسی احتیاطیں لازم تھیں ورنہ کوئی کتاب شائع ہی نہیں ہوسکتی تھی یا اشاعت کے فوراً بعد میں ضبط کر لی جاتی تھی۔ جن حضرات نے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے ''سفرنامہ اسیر مالٹا'' کا مطالعہ کیا ہوگا وہ اس حقیقت حال سے بخوبی واقف ہوں گے۔

بات صرف شاملی کے معرکے تک ہی محدود نہیں بلکہ علماء دیوبند کی عام شہرت بھی انگریز دشمنی ہی تھی، چنانچہ ۱۹۰۳ء میں جب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں فساد ہوا تو مجسٹریٹ مظاہر حسن نے دھمکی دیتے ہوئے کہا:

''میں باور صاحب (انگریز کلکٹر) سے کہدوں گا کہ یہ سارا فساد غدر کے مشہور باغی رشید کا ہے اور یہ سب لوگ اس کے جرگہ کے ہیں۔'' (تذکرۃ الخلیل ص ۲۱۲)

آگے بڑھنے سے پہلے ہم آپ کے سامنے حضرت گنگوہیؒ کے تاریخی فتویٰ ''فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب ودار الاسلام'' کے آخری الفاظ نقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ ان درویشان خدامست نے کن کڑے حالات میں بھی شریعت کی ترجمانی کا فریضہ کس ثابت قدمی سے سرانجام دیا۔ (اصل فتویٰ فارسی میں ہے جبکہ اردو ترجمہ حضرت مفتی محمد شفیع نے فرمایا ہے)۔

''اب ہندوستان کی حالت پر خود غور کر لیں کہ اس جگہ کفار نصاریٰ (یعنی انگریز۔ از ناقل) کے احکام کا اجراء کس قوت وغلبہ کے ساتھ ہے کہ اگر کوئی ادنیٰ کلکٹر یہ حکم کر دے کہ مساجد میں جماعت ادا نہ کرو تو کسی امیر وغریب کی مجال نہیں کہ ادا کر سکے اور جو کچھ ادائے جمعہ وعیدین اور عمل (بعض) قواعد شرعیہ پر جو کچھ ہو رہا ہے محض ان کے قانون کی وجہ سے کہ انہوں نے یہ حکم جاری کر دیا ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے مذہب میں آزاد ہے کسی کو اس سے مزاحمت کا حق حاصل نہیں۔ اور سلاطین اسلام کا دیا ہوا امن جو یہاں کے رہنے والوں کو حاصل تھا اب اس کا کہیں نام ونشان نہیں۔ کون عقل مند کہہ سکتا ہے کہ ہمیں جو امن شاہ عالم نے دیا ہوا تھا آج بھی ہم ''اسی امن کے ذریعے مامون بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ امن جدید کفار سے حاصل ہوا ہے اور اسی نصاریٰ کے دیئے ہوئے امن کے ذریعے تمام رعایا ہندوستان میں قیام پذیر ہے۔ لیکن اتصال بدار الحرب (دار الحرب سے مراد وہ ممالک ہیں جہاں کفار کا تسلط ہو۔ تفصیل کیلئے اصل فتویٰ دیکھ لیں۔ از ناقل) سو یہ ممالک واقالیم عظیمہ کیلئے شرط نہیں بلکہ گاؤں اور شہر وغیرہ کیلئے شرط ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہاں سے مدد پہنچنا آسان ہے اور اگر کوئی کہے کہ اگر شاہ کابل یا شاہ روم کی طرف سے مدد پہنچ جائے تو کفار کو ہندوستان سے نکال سکتے ہیں مگر حاشا وکلا یہ بالکل صحیح نہیں بلکہ ان کا اخراج ہندوستان سے سخت مشکل ہے۔ یہ بڑے جہاد اور عظیم الشان سامان جنگ کو چاہتا ہے۔ بہر حال تسلط کفار کا ہندوستان پر اس درجہ میں ہے کہ کسی وقت بھی کفار کا تسلط کسی دار الحرب پر اس سے زیادہ نہیں ہوتا اور شعائر اسلامیہ جو مسلمان یہاں ادا کرتے ہیں وہ محض ان کی اجازت سے ہے ورنہ مسلمانوں سے زیادہ عاجز کوئی رعایا نہیں ہے۔ ہندوؤں کو بھی ایک درجہ کا رسوخ حکومت میں حاصل ہے مسلمانوں کو وہ بھی نہیں۔'' (تالیفات رشیدیہ ۸۔۶۶۷)

حضرت گنگوہیؒ نے مسجدیں بند کرنے کی بات بطور فرض بیان فرمائی تھی لیکن مسلمانوں نے بہت جلد مسجد شہید گنج لاہور کے واقعہ میں خود اسے مشاہدہ کر لیا۔

حضرت شیخ الہندؒ کی ابتدائی تحریک کی تفاصیل تو بہت طویل ہیں، اس میں جہاد کا عنصر کتنا مضبوط تھا، مندرجہ ذیل اقتباس سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

''اس تحریک کی ابتداء میں ضروری سمجھا گیا کہ چونکہ بغیر تشدد ہندوستان سے انگریزوں کا نکالنا اور وطن عزیز کا آزاد کرانا ممکن نہیں ہے اس کیلئے مرکز اور اسلحہ اور سپاہی (مجاہدین)

وغیرہ ضروری ہیں۔ بناء بریں مرکز، یاغستان (آزاد قبائل) قرار دیا گیا کہ وہاں اسلحہ اور سپاہیوں کا انتظام ہونا چاہئے اس کے علاوہ چونکہ آزاد قبائل کے نوجوان ہمیشہ جہاد کرتے رہتے ہیں اور قوی ہیکل اور جانباز ہوتے ہیں اس لیے ان کو متفق اور متحد کرنا اور ان میں جہاد کی روح پھونکنا بھی ضروری تصور کیا گیا" (نقش حیات ص ۶۲۹)

علماء دیوبندؒ نے جہاد اور شہادت کی راہوں کو کبھی ویران نہیں ہونے دیا۔ حضرت شیخ الہندؒ جب اس دنیا کو چھوڑ رہے تھے تو آپ نے آخری تمنا کیا ظاہر فرمائی:

"مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم کا بیان ہے حضرت نے تھوڑی دیر آنکھ کھول کر چھت کی طرف دیکھا پھر فرمایا کہ مرنے کا تو کچھ افسوس نہیں ہے مگر افسوس ہے کہ میں بستر پر مر رہا ہوں، تمنا تو یہ تھی کہ میں میدان جہاد میں ہوتا اور اعلاء کلمۃ الحق کے جرم میں میرے ٹکڑے کیے جاتے۔ اس کے بعد بلند آواز سے اللہ اللہ سات مرتبہ کہا۔ آٹھویں مرتبہ آواز بند ہوگئی۔"

(نقش حیات ص ۶۸۷)

موضوع کی مناسبت سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے:

"۱۹۳۲ء میں جمعیت علماء ہند کی طرف سے آپ ڈکیٹر بنائے گئے، ہر ایک ڈکیٹر کو دہلی جا کر سول نافرمانی کرنا اور گرفتار ہونا تھا۔ آپؒ کی طبیعت سخت علیل تھی، ٹانگوں میں زخم تھا، چلنا پھرنا دشوار تھا۔ مولانا انور شاہ محدث کشمیریؒ کو مقصد روانگی کا علم ہوا، تو کہلا کر بھیجا کہ اس حالت میں سفر نہ کریں۔ تاریخ بدل دیجئے۔ حضرتؒ نے گوارا نہ فرمایا، اسی حالت میں روانہ ہوگئے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی طرف سے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکا تھا، دیوبند اسٹیشن پر کثرت ہجوم کے باعث پولیس کو جرأت نہ ہوئی۔ دیوبند سے اگلے اسٹیشن پر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے وہ نوٹس پیش کیا، آپؒ نے فرمایا میں انگریزی نہیں جانتا، اس نے کہا قلم دیجئے تاکہ اردو میں ترجمہ کر دوں۔ حضرتؒ نے فرمایا کیا خوب؟ اپنے ذبح کرنے کے لئے اپنا ہتھیار دے دوں۔ وہ خاموش ہو گیا اور گاڑی چل پڑی۔ مظفر نگر اسٹیشن پر ترجمہ کر کے لایا۔ اس میں لکھا تھا کہ حاکم سہارنپور کی طرف سے آپ کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ آپ آگے نہ جائیں، ورنہ اپنے آپ کو گرفتار سمجھیں۔ فرمایا: اب میں سہارنپور کی حدود سے آگے ہوں یہ نوٹس قابل تعمیل نہیں۔ افسران یہ جواب سن کر حیران ہوئے۔ بعد میں مجسٹریٹ نے جو ساتھ تھا، کہا کہ آپ کو اپنے

خصوصی امتیازات کی بناء پر نوٹس دوں گا۔ چنانچہ اس نے اسی اسٹیشن پر دوسرا تحریری نوٹس پیش کیا اور گرفتاری عمل میں آئی۔ حضرتؒ کی یہ حالت تھی کہ گاڑی سے اتر کر دو قدم بھی چلنا دشوار تھا۔ اسی جگہ تھوڑی دیر کیلئے کرسی بچھا دی گئی۔ اس پر حضرتؒ بیٹھ گئے۔ اس تمام تکلیف کے باوجود فریضۂ جہاد کو چھوڑنا یا ملتوی کرنا گوارا نہیں فرمایا۔ استقامت وعزیمت کا یہ نادر واقعہ مولانا انصار الحق نے بیان کیا ہے۔ (بیس بڑے مسلمان)

امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا علماء دیوبند میں علمی اعتبار سے جو مقام ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ان کے بارے میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا بیان ملاحظہ فرمائیں:

''اس موقع پر خیال آتا ہے کہ بسا اوقات ان کی زبان مبارک سے فقیر ان الفاظ کو سنا کرتا تھا، فرماتے کہ ''مجھے کچھ نہیں چاہئے صرف دو پیالیاں کشمیری چائے کی دو بسکٹ، ایک نیزہ، ایک گھوڑا'' بظاہر مطلب مولانا کا یہ ہوتا کہ اصلی اور صحیح زندگی ایک مومن مسلم کی یہ ہے کہ میدان جہاد میں اپنا وقت صرف کرے، ان کے دل کی یہی حسرت حقیقی حسرت تھی، اس کے مقابلے میں درس وتدریس، تعلیم وتعلم کے جذبات کی ان کی نظروں میں کوئی قدر وقیمت نہ تھی لیکن جیسے اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کے ساتھ اپنے صحیح تعلقات کو کوشش کر کے چھپانے کے عادی تھے۔ اسی طرح وہ اپنے دل کی اس آرزو کے متعلق بجائے لمبی چوڑی تقریروں کے صرف مزاحی کنایوں اور اشاروں میں کبھی کبھی کچھ فرما کر

باہم نگر ستیم و گریستیم و گذشتیم

کے نفسیاتی اثر کے ساتھ گزر جاتے۔'' (احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن، ص ۸۸)

اکابر کے افکار وتعلیمات کی بدولت جہاد وشہادت کے الفاظ کبھی بھی اہل دیوبند کیلئے اجنبی نہیں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۹۷۹ء میں روس پڑوسی ملک افغانستان پر حملہ آور ہوا اور جہاد کی ابتداء ہوئی تو دینی مدارس سے جوق در جوق طلبہ سرزمین جہاد کا رخ کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبد الحقؒ (بانی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) نے انہی دنوں مجاہدین سے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا تھا:

''ہم علماء دیوبند کی غلامی اور کفش برداری پر فخر محسوس کرتے ہیں، انہوں نے جو حریت، آزادی اور جہاد کا سبق پڑھایا ہے اس پر جان دینا عین ایمان سمجھتے ہیں، اور یہی بات طلبہ سے

بھی کہتا رہتا ہوں۔ جب سے جہاد شروع ہوا ہے تب سے دارالعلوم حقانیہ نے بھی افغان طلبہ سے داخلہ حاضری اور آنے جانے پر ہر قسم کی پابندیاں ختم کر دیں ہیں۔ طلبہ کی جماعتیں جو ماہ دو ماہ اور اس سے بھی زائد جہاد میں شریک ہو کر واپس آتی ہیں تو دوسری جماعتیں روانہ ہو جاتی ہیں۔" (ماہنامہ الحق فروری ۱۹۸۴ء)

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

"الحمدللہ الحمدللہ، جس غرض کیلئے دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی گئی تھی اللہ ربّ العزت کے فضل و کرم سے جہاد افغانستان کی صورت میں میں نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیا۔"

(ماہنامہ الحق مئی ۱۹۸۴ء)

حضرت موصوفؒ کا انتقال ۷ ستمبر بروز بدھ خیبر اسپتال میں ہوا۔ وفات سے قبل آپ نے جو دعا فرمائی اس کے بعض کلمات یہ تھے:

"بار الہ! افغان مجاہدین کو فتح اور غلبہ عطا فرما، بار الہ! افغان مجاہدین کے ہاتھوں کے تنکوں کو تلواروں سے بدل دے، بار الہ! مجاہدین کے پاؤں کی خاک کو دشمن کیلئے ایٹم بم بنا دے۔"

حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جہادی حالات اور واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے درجنوں نہیں بلکہ سینکڑوں افراد اب بھی زندہ ہیں۔ حضرتؒ کا "سفر نامہ جہادِ افغانستان" آپ کے عزم و ولولہ کی بہترین تصویر ہے۔ آپ نے اپنی وصایا میں اپنے متعلقین اور احباب کو بہت تاکید کے ساتھ جہاد میں عملی شرکت کا حکم دیا ہے۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ کا فریضۂ جہاد اور مجاہدین سے تعلق اور عشق بہت ہی معروف و مشہور چیز ہے۔ ۱۹۹۹ء میں آپ نے اسلام آباد میں منعقدہ ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے امریکہ کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور اس کے بعد روزِ شہادت تک آپ ہر طرح کے مسائل اور مصائب کا سامنا کرتے ہوئے راہِ حق میں سینہ سپر رہے۔

افغانستان اور کشمیر میں شہید ہونے والوں کا خون تو مؤرخین کی گردنوں پر قرض رہے گا جس کیلئے یقیناً ضخیم دفتر بھی ناکامی ہوں گے، لیکن نومبر ۲۰۰۲ء تک علماء دیوبند کی جن نمائندہ تنظیموں نے جہاد و شہادت کی بہار آفریں روایات کو سرزمین افغانستان و کشمیر زندہ رکھا، ان

کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

1. حرکۃ الجہاد الاسلامی
2. حرکۃ المجاہدین
3. جمعیۃ المجاہدین
4. جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آج بھی جب ہر سمت جہاد و مجاہدین کیلئے مصائب و مشکلات کی یلغار ہے، علماء دیو بند کے نام لیوا ہر قسم کے طعنوں سے بے نیاز ہو کر اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ دیو بند کی خاک سے نسبت رکھنے والے مجاہدین کی مار کا اندازہ اپنوں سے زیادہ غیروں کو ہے۔

علماء دیو بند میں سے حضرت مولانا محمد مسعود ازہر کا جہادی لٹریچر کئی زبانوں میں ترجمہ ہو کر پوری دنیا میں پھیل چکا ہے۔ عرب اور یورپ کی مختلف اسلامی ویب سائٹس نے مولانا کے بہت سے رسائل انٹرنیٹ پر بھی جاری کر رکھے ہیں۔ آپ کی بعض جہادی کتب اور رسائل جن کے کئی کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں، مندرجہ ذیل ہیں:

1. فضائل جہاد (علامہ ابن النحاسؒ کی کتاب مشارع الاشواق کی ایمان افروز تشریح)
2. جہاد رحمت یا فساد؟
3. جہاد ایک محکم اور قطعی فریضہ
4. دل کی لگی
5. سراغِ حقیقت
6. مسکراتے زخم
7. معرکہ
8. دروسِ جہاد
9. خطبات جہاد
10. تعلیم الجہاد
11. رنگ و نور
12. فتح الجواد فی معارف آیات الجہاد
13. اے مسلمان بہن
14. آزادی مکمل یا ادھوری؟
15. سات دن روشنی کے جزیرے میں
16. دس خزانے
17. روزنِ زنداں سے
18. زادِ مجاہد
19. یہود کی چالیس بیماریاں
20. لطف اللطیف
21. تحفہ سعادت

حضرت مولانا فضل محمد زید مجدہم نے بھی جہاد پر کئی قابل قدر کتب تحریر فرمائی ہیں۔ جن

میں سے ''غزوات النبی ا'' پر آپ کی کتابیں خاص طور پر قابل مطالعہ ہیں۔

علماء دیوبند کی جہادی خدمات کے آخر میں ہم تحریک طالبان کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنہوں نے چودہ صدی بعد ایک مکمل اسلامی حکومت قائم کر کے دکھادی۔ امن وامان، سماجی ورفاہی خدمات اور سادگی میں بلامبالغہ دنیا کی کوئی حکومت ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ جب بھی طالبان کی کوئی مفصل تاریخ لکھی جائے گی اس میں علماء دیوبند کا تذکرہ تو ضرور ہی آئے گا لیکن ناواقفان حال کیلئے اتنا کہنا ضروری ہے کہ اس تحریک کے اکثر قائدین انہی دینی مدارس کے تربیت یافتہ تھے جو علماء دیوبند سے وابستگی رکھتے ہیں۔

محمد مقصود احمد اپنی کتاب ''میں نے کابل بستے دیکھا'' میں لکھتے ہیں:۔

''تحریک طالبان کا فکری طور پر تعلق اہلسنّت والجماعت سے تھا اور چونکہ ان کی ایک بڑی اکثریت نے پاکستان کے ایسے مختلف دینی مدارس سے تعلیم حاصل کی تھی جو مسلک دیوبند سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا طالبان کی علماء دیوبند اور ان کے نظریات سے ہم آہنگی اور دلچسپی ایک قدرتی بات تھی۔ یہی وہ رشتہ تھا جس نے ملکی سرحدوں سے صرف نظر کر کے دونوں ملکوں کے رہنے والے مسلمانوں کو انتہائی قریب کردیا اور یوں محسوس ہونے لگا جیسا پاکستان کے دینی مدارس میں پڑھنے والے طلباء سے لے کر افغانستان کے کوہساروں میں مورچہ زن سب طلبہ ایک ہی تسبیح کے موتی ہیں۔

محبت ونظریے کے اس رشتے میں اگر چہ کئی بار دونوں ہی طرف سے لوگوں کو کڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، چنانچہ طالبان کا نام لے کر پاکستان کے دینی مدارس پر ''دہشت گردوں'' کی کھیپ تیار کرنے کا الزام لگایا گیا جبکہ پاکستان میں رونما ہونے والے مختلف فسادات کو فرقہ واریت کا نام دے کر طالبان پر مذہبی انتہا پسندوں کی حمایت کا الزام عائد کیا گیا...... مگر اس سب کچھ کے باوجود مزار شریف سے لے کر کراچی تک اور پشاور سے لے کر قندھار تک طالبان ایک ہی رہے اور آج بھی ایک ہی ہیں۔ جس طرح پاکستان کے مدارس میں پڑھنے والے طلبہ نے اپنے افغان طلبہ بھائیوں کا ساتھ دیا بالکل ایسے ہی افغان طلبہ نے بھی ان کے ساتھ وفا کی اور ہر اس مرحلے پر ان کے کام آئے جب انہیں ضرورت پڑی۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ''دیوبندیت'' ہی کے اس رشتے نے طالبان کو خواہ مخواہ پاکستان کے ان کم نظر لوگوں کی نگاہوں میں مجرم بنادیا جو مسلک دیوبند سے اختلاف

رائے رکھتے تھے اور پھر اس جرم کی پاداش میں طالبان کو ان لوگوں کی جانب سے افسوناک حد تک ایسی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جو شاید غیر مسلموں نے بھی نہ کی تھی۔ تاہم مخالفت کا یہ سلسلہ زیادہ نہ چل سکا کیونکہ طالبان نے اپنی بے لچک اور مضبوط پالیسیوں سے ثابت کر دیا کہ وہ حق کی آواز لے کر اٹھے ہیں، حق بات کہتے ہیں، حق بات سنتے ہیں اور حق پر ہی مرمٹنا ان کا شیوہ ہے۔''

یہ ٹھیک ہے کہ جب سے آزمائش کی ہوائیں چلی ہیں، کچھ دیوبندی نسبت رکھنے والے لوگ طالبان کو خواب پریشاں کی طرح بھولنا چاہ رہے ہیں، کچھ بعید نہیں کہ کل اس نسبت کا بھی انکار کر دیا جائے لیکن ایسے حضرات کو یاد رکھنا چاہئے کہ قوم کا حافظہ اتنا کمزور نہیں کہ وہ شب و روز اسے بھول جائیں، جب آپ کی ہر تقریر کا اوّل و آخر ملا محمد عمر المجاہد حفظہ اللہ تعالیٰ تھے اور آپ کی ہر گفتگو کی تان طالبان پر ٹوٹتی تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ادبی خدمات

علماءِ دیو بند......زبان و بیان

اگر ادب صرف تصوراتی اور تخیلاتی دنیا آباد کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ جیتی جاگتی زندگی میں زبان و بیان کی دلکشی و رعنائی کا عنوان ہے تو یقین جانیئے اردو ادب کی کوئی تاریخ بھی علماء دیو بند کی کاوشوں کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ علماء نے فارسی اور عربی تراکیب کے ذریعہ اردو کے دامن کو بوجھل بنانے کی نادانستہ کوشش کی ہے۔ اردو زبان جیسا کہ ماہرین بتاتے ہیں کہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیئے ہوئے ہے، اس میں مختلف زبانوں کے الفاظ باہم یوں شیر و شکر ہو جاتے ہیں کہ اجنبیت کا احساس باقی نہیں رہتا۔ اس لیے صرف اتنی بات ہر گز قابل اعتراض نہیں ہو سکتی کہ دیگر زبانوں کے الفاظ و ضرب الامثال کو کیوں استعمال کیا گیا۔ البتہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انگریزوں کی طرف سے اردو کی ترقی کیلیئے قائم کردہ اولین ادارے ''فورٹ ولیم کالج'' اور ''اورینٹل سوسائٹی'' کے بعد اردو زبان عربی اور فارسی کے بجائے انگریزی سے زیادہ متاثر ہوئی۔ علماء کا طبقہ جو اس وقت بجا طور پر انگریزی تعلیم کے مخالف تھا، اس دائرہ اثر سے باہر رہا اور وہ عربی و فارسی اصطلاحات ہی استعمال کرتا رہا۔ آج اردو زبان میں قابلیت کی پستی نے یہ دن دکھایا ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی ''مقتدرہ قومی زبان'' کا مطلب نہیں جانتے اور عبدالماجد دریا بادی کے بقول اردو کے ادیب اعظم مولانا آزاد کی ''تذکرہ'' اور ''غبار خاطر'' تک پڑھنے سے عاجز ہیں۔ ان حالات میں جب استقبال اور الوداع جیسے الفاظ بھی عربی کے گاڑھے اور ثقیل لفظ شمار ہونے لگیں، اگر کوئی شخص علماء کی اردو پر اعتراض کرے تو بالکل درست ہے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ فنی کتابوں میں بہر حال فنی زبان کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔ اب علم فقہ سے بالکل نابلد شخص اگر

''عالمگیری'' کے اردو ترجمہ کو مشکل بتائے تو بالکل بجا ہے۔

علماء دیوبند کی تصنیفات نے اردو زبان کو جو ذخیرہ عطا کیا ہے، اس کا اندازہ ''تالیفی خدمات'' کی تفصیل دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے۔ بانیء دارالعلوم دیوبند حضرت نانوتویؒ کی تمام علمی کتب بھی اردو میں ہیں۔ قصائد قاسمی آپ کے اشعار کا مجموعہ ہے اس میں سے ''قصیدہ بہاریہ'' کے یہ اشعار ملاحظہ فرمایئے:

جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مجھ کو مدینہ کے مور ومار
اڑا کے باد میری مشت خاک کو پس مرگ
کرے حضور کے روضے کے آس پاس نثار
ولے یہ رتبہ کہاں مشت خاک قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار
بس اے درود پڑھ کر اس پر اور اس کی آل پہ تو
جو خوش ہوں تجھ سے وہ اور اس کی عزت اطہار
الٰہی اس پر اور اس کی تمام آل پر بھیج
وہ رحمتیں کہ عدد کر سکے نہ ان کا شمار

حضرت شیخ الہندؒ کے اشعار کا مجموعہ ''کلیات شیخ الہندؒ '' کے نام سے پہلے حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ نے اور اب ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری نے مفید اضافوں کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کی وفات پر کہے گئے مرثیے میں سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

نکل کر کس نے آبادی سے صحرا کو کیا مسکن
چمن ہے دشت اور گھر میں ہے ویرانی سی ویرانی
وہ صحرا دیکھنے سے جس کے گھر یاد آہی جاتا تھا
اب اس کو یاد دلواتی ہے میرے گھر کی ویرانی
کہاں لوٹیں کہاں تڑپیں کہاں دل کھول کر روئیں
جگر خوں کرتی ہے دارِ فنا کی تنگ میدانی

کف افسوس ملنے کی نہ ہو ہاتھوں کو جب مہلت
کریں کا ہے سے پھر زخم جگر کی ہم مگسرانی
ہجوم رنج و غم جوش بکا کی حد نہیں، اب ہم
سراپا دل بنیں یا چشم، ہے یہ سخت حیرانی

حضرت مفتی محمد شفیع ؒ کا اردو وفارسی کلام ''کشکول'' کے آخر میں شائع ہو چکا ہے، آپ جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو، وہیں آپ نے عشق ومحبت کے تاثرات میں ڈوبی ہوئی ایک نعت کہی، نعت کے یہ اشعار پڑھیے اور اندازہ لگائیں کہ کس عالم جذب میں کہے گئے ہیں:

پھر پیش نظر گنبد خضرا ہے حرم ہے
پھر نام خدا، روضۂ جنت میں قدم ہے
پھر شکرِ خدا کہ سامنے محراب نبی ہے
پھر سر ہے مرا اور ترا نقشِ قدم ہے
محراب نبی ہے کہ کوئی طور تجلی
دل شوق سے لبریز ہے اور آنکھ بھی نم ہے
پھر منتِ دربان کا اعزاز ملا ہے
اب ڈر ہے کسی کا، نہ کسی چیز کا غم ہے
پھر بارگہ سید کونین میں پہنچا
یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے
یہ ذرۂ ناچیز ہے خورشید بہ داماں
دیکھ ان کے غلاموں کا بھی کیا جاہ و حشم ہے
ہر موئے بدن بھی جو زباں بن کے کرے شکر
کم ہے بخدا ان کی عنایات سے کم ہے
رگ رگ میں محبت ہو رسول عربی کی
جنت کے خزائن کی یہی بیع سلم ہے
وہ رحمت عالم ہے شہ اسود و احمر
وہ سید کونین ہے آقائے امم ہے

وہ عالم توحید کا مظہر ہے کہ جس میں
مشرق ہے نہ مغرب ہے عرب ہے نہ عجم ہے
دل نعتِ رسول عربی کہنے کو بے چین
عالم ہے تحیر کا زبان ہے نہ قلم ہے

حضرت قاری محمد طیبؒ کا نعتیہ کلام بھی بہت مقبول ہے۔ آپ نے ایک نعت کہی ہے، پڑھئے اور دیکھئے، دل کی دنیا میں کیسے جذباتِ عشق ومحبت انگڑائی لیتے ہیں:......

نبی اکرم، شفیع اعظم، دُکھے دلوں کا پیام لے لو
تمام دنیا کے ہم ستائے، کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لو
شکستہ کشتی ہے تیز دھارا نظر سے روپوش ہے کنارا
نہیں کوئی ناخدا ہمارا، خبر تو عالی مقام لے لو
قدم قدم پر ہے خوف رہزن، زمین بھی دشمن فلک بھی دشمن
زمانہ ہم سے ہوا ہے بدظن، تمہی محبت سے کام لے لو
کبھی تقاضا وفا کا ہم سے، کبھی مذاقِ جفا ہے ہم سے
تمام دنیا خفا ہے ہم سے، خبر تو خیر الانام لے لو
یہ کیسی منزل پہ آگئی ہے، نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی کے
تم اپنے دامن میں آج آقا تمام اپنے غلام لے لو
یہ دل میں ارماں ہے اپنے طیب مزارِ اقدس پہ جاکے اک دن
سناؤں ان کو میں حال دل کا، کہوں میں ان سے سلام لے لو

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اردو نثر کے تو بادشاہ تھے ہی، ان کا قلم حدود اور سرحدوں کے قیودات سے ناواقف تھا، مگر نظم میں بھی ان کا پایہ بہت بلند ہے، ایک دلکش نعت شریف ملاحظہ کریں:

ہر ایک سے ٹکرا کر، ہر شغل سے گھبرا کر
ہر فعل سے شرما کر، ہر کام سے پچھتا کر
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر
نے ساز نہ سامانے، نے علم نہ عرفانے

نے فضل نہ احسانے، نے دین نہ ایمانے
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر
با چاک گریبانے، با سینۂ بریانے
با دیدۂ گریانے، با اشک فراوانے
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر
با نالہ و فغانے، با شوزش پنہانے
با دانش حیرانے با عقل پریشانے
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر

اے سرور ہر سرور، اے رہبر ہر رہبر
اے آنکہ توئی افسر، ہر کہتر و ہر مہتر
فی المبدأ والمحشر، اے ہستی تو محور
للاکبر والاصغر، اے طعت تو مظہر
للاول والآخر، اے رحم جہاں پرور
آقائے کرم گستر، آمد بدرت بنگر

حضرت مولانا تقی عثمانی کا منظوم کلام بھی خوب ہے۔ انتہائی عاجزی اور بے کسی کے جذبات سے معمور مناجات الٰہی کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

مجھے زندگی میں یا رب! سر بندگی عطا کر
کوے دل کی بے حسی کو غم عاشقی عطا کر
ترے در کی چمک ہو، تری یاد کی کسک ہو
مرے دل کی دھڑکنوں کو نئی بے کلی عطا کر
جو تجھی سے لو لگا دے، جو مجھے مرا پتا دے
مرے عہد کی زباں میں مجھے گمرہی عطا کر
میں سفر میں سو نہ جاؤں، میں یہیں پہ کھو نہ جاؤں
مجھے ذوق و شوقِ منزل کی ہماہمی عطا کر
بڑی دور ہے ابھی تک رگ جان کی مسافت

جو دیا ہے قرب تو نے تو شعور بھی عطا کر
بھری انجمن میں رہ کر نہ ہوں آشنا کسی سے
مجھے دوستوں کے جھرمٹ میں وہ بیکسی عطا کر
کہیں مجھ کو ڈس نہ جائیں یہ اندھیرے بجلیوں کے
جو دلوں میں نور کر دے، وہ روشنی عطا کر
مجھے تیری جستجو ہو، مرے دل میں تو ہی تو ہو
مرے قلب کو وہ فیض در عارفیؒ عطا کر

اردو نثر میں بالخصوص حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی النبی الخاتم (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کے ابتدائی پیراگراف میں آپ کے قلم کی جولانیاں پورے عروج پر ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

''یوں آنے کو تو سب ہی آئے، سب میں آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو ان پر) کہ بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے، لیکن کیا کیجئے ان میں جو بھی آیا جانے کیلئے آیا۔ پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کیلئے آیا، وہی جو آ گئے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے چڑھا اور چڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، سب جانتے ہیں، اور سبھوں کو جاننا ہی چاہئے کہ جنہیں کتاب دی گئی اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کئے گئے، برگزیدوں۔ کے اس پاک گروہ میں اس کا استحقاق صرف اسی کو ہے اور اس کے سوا کس کو ہو سکتا ہے پچھلوں میں بھی اس طرح ہے جس طرح پہلوں میں تھا۔ دور والے بھی اس کو ٹھیک اسی طرح پا رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے۔ جس طرح نزدیک والوں نے پایا تھا جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے اور ہمیشہ پہچانا جائے گا جس طرح کل پہچانا گیا تھا کہ اسی کے صرف اسی کے دن کیلئے رات نہیں۔ ایک اسی کا چراغ ہے جس کی روشنی بے داغ ہے۔''

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی ''آپ بیتی حصہ اول'' اور حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ کی ''خواب شیریں'' شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی ''شخصیات و تاثرات'' میں بہترین شخصی خاکے موجود ہیں۔ ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

''آج کا دن پاکستان کی علمی و دینی تاریخ میں ایک المناک سانحہ اور جاں گداز المیہ کی

حیثیت سے یادگار رہے گا۔ آج اقلیم علم کا تاجدار، مسند ولایت کا صدر نشین، گلشن دین کا باغبان، حریم نبوت کا پاسبان، ولی اللّٰہی سلسلہ کا امین، قاسمی حکمت کا راز دان، انوری علوم و معارف کا وارث، علم و معرفت کا بحر مواج، اسرار شریعت کا نکتہ رس، ہمرہ سیادت کا گل سرسبد، سید زکریاؒ کا لخت جگر، شیخ آدم بنوریؒ کی آنکھ کا تارا حسینی خانوادہ کا چشم و چراغ، دودمان نبوت کا چاند اور سیادت و قیادت کا آفتاب دنیا کے افق سے غائب ہو گیا۔ ہمارے شیخ السید الامام محمد یوسف البنوری الحسینی رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موت کوئی اچنبھا چیز نہیں کہ اس پر حیرت و تعجب کا اظہار کیا جائے۔ یہ سنت بنی آدم ہے، یہاں کا آنا ہی جانے کی تمہید ہے یہاں جو بھی آیا جانے کیلئے آیا، سرائے عالم کا ہر مسافر منزل عدم کا راہ نورد ہے۔

لہ ملک ینادی کل یوم
لدوا للموت وابنوا للخراب

موت کے قانون سے نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ ولی، نہ عالم نہ جاہل، نہ نیک نہ بد، نہ مومن نہ کافر، نہ شاہ نہ گدا، اپنے اپنے وقت پر سب ہی گئے اور سب ہی کو جانا ہے، لیکن جانے والوں میں کچھ ایسے خوش بخت بھی ہوتے ہیں کہ زندگی ان کے نقش پا سے راستے ڈھونڈتی ہے، قومیں ان کے نور سے روشنی پاتی ہیں، انسانیت ان سے غازۂ حسن مستعار لیتی ہے، شرافت ان پر ناز کرتی ہے، محبوبیت انہیں دیکھ دیکھ کر اپنی کاکل و گیسو سنوارتی ہے، ایوان علم ان کے بہار آفریں وجود سے گل و لالہ بن جاتا ہے، مجروح قلوب ان کے انفاس سے مرہم شفا پاتے ہیں بے کس و درماندہ افراد ان کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیتے ہیں، وہ شمع کی مانند خود پگھلتے ہیں مگر مخلوق خدا پر ضو فشانی کرتے ہیں، خود جلتے ہیں مگر دوسروں کو جلا بخشتے ہیں، خود بے چین و بے قرار رہ کر دوسروں کو راحت و سکون عطا کرتے ہیں۔ ان کے آئینہ رخ زیبا میں یاد خدا کی تصویر جھلکتی نظر آتی ہے۔ (اذا رؤوا ذکر اللہ) ان کی دید دل کو سرور اور آنکھوں کو نور عطا کرتی ہے، ان کی محفل سکینت جنت کا نمونہ پیش کرتی ہے، وہ خاموش ہوں تو ہیبت و وقار پرا باندھے پہرہ دیتے ہیں، بات کریں تو موتی رولتے ہیں، مسکرائیں تو پھول برساتے ہیں، ناز کریں تو آسمان سے صدائے لبیک آتی ہے، گڑگڑائیں تو عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔ دنیا سے یہ بھی جاتے ہیں مگر اس شان سے جاتے ہیں کہ ہر چہار سو صف ماتم بچھ جاتی ہے، آسمان و زمین نوحہ

کرتے ہیں، انسانیت کا پرچم سرنگوں ہو جاتا ہے، زمانہ تاریخ کی کروٹ بدل دیتا ہے اور قصر ملت میں زلزلہ آ جاتا ہے۔ ہمارے شیخؒ چلے گئے، لیکن آہ! ملت کا صبر و سکون بھی ساتھ لے گئے۔ آج کون اشکبار نہیں؟ کون دل فگار نہیں؟ مدرسہ میں کہرام ہے کہ اس کے محبوب بانی چپکے سے چلے گئے، دارالحدیث کے در و دیوار پکار رہے ہیں کہ شیخ بنوری کے لحن میں قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سحر آفریں آواز آتی تھی، بند ہو گئی۔ ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' اپنی یتیمی پر نوحہ کناں ہے کہ اس کے امیر و قافلہ سالار بچھڑ گئے۔ مدارس عربیہ کی تنظیم ''وفاق المدارس'' میں گھر گھر ماتم ہے کہ اس کے بانی و صدر رخصت ہو گئے، اسلامی نظریاتی کونسل پر سکوت مرگ طاری ہے کہ اس کی روح رواں نکل گئی۔ اہل قلوب مضطرب ہیں کہ ؎

جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

اہل نظر تصویر حیرت ہیں کہ متاع دین و دانش لٹ گئی، علماء مبہوت ہیں کہ علم و فقاہت کی بساط الٹ گئی۔ دانشوروں کو غم ہے کہ فضیلت و سیادت کی مسند خالی ہو گئی۔ اہل حق سراسیمہ ہیں کہ ان کی ڈھال چھن گئی۔ یتیموں اور بے کسوں کو صدمہ ہے کہ ان کا مشفق و مربی اٹھ گیا۔ عالم اسلام مغموم ہے کہ ملت ایک دیدہ ور راہنما سے محروم ہو گئی۔ (شخصیات و تاثرات، ص۱۴)

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کی کتاب ''نقوش رفتگاں'' کا ایک دلچسپ اور پرلطف اقتباس پڑھیں اور محظوظ ہوں:

''جانتا ہوں کہ یہ روح فرسا واقعات پیش آ چکے، مانتا ہوں کہ یہ دنیا فانی ہے اور اس میں بھائی جان جیسی ہنستی کھیلتی اور چہکتی مہکتی شخصیت کا یکایک اٹھ جانا کوئی پہلا یا نیا واقعہ نہیں جسے تسلیم نہ کیا جائے لیکن دل میں رہ رہ کر اٹھنے والی اس ہوک کو کیا کروں جو بھائی جان کے نام کے ساتھ ''مدظلہم'' کے بجائے ''مرحوم و مغفور'' کے الفاظ لکھتے ہوئے دل پر لرزہ، ہاتھوں میں کپکپاہٹ اور جسم میں جھرجھری پیدا کر دیتی ہے۔ ہر وقت، ہر آن اور ہر لمحہ سامنے رہنے والی اس دلکش تصویر کو کیا کہوں جس کے بارے رہ رہ کر یہ محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ابھی سامنے سے مسکراہٹوں کے پھول بکھیرتی نمودار ہوگی۔ اور ہمیشہ کی طرح دل کے سارے داغ دھو دے گی۔ غموں کے سارے بادل چھٹ جائیں گے اور یہ ڈراؤنا خواب جو ایک ہفتے سے نظر آ رہا ہے یک بیک ختم ہو جائے گا۔ ہر گھڑی کانوں میں گونجنے والی اس محبت بھری آواز کو کیا کروں جو ہر پریشانی کے موقع پر تسلی اور سکون کا پیغام بن کر سنائی دیتی تھی اور اب بھی یہ محسوس

ہوتا ہے کہ وہ غموں کے اس انبوہ میں یک بیک سنائی دیگی اور ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کی لذت وحلاوت سے جسم و جان کا گوشہ گوشہ سکون پا جائیگا۔ وہ آواز جس نے ہر کٹھن گھڑی میں ماں باپ، بہن بھائی اور بیوی بچوں سے لے کر اپنے تمام عزیز واقارب اور دوست احباب کے حوصلے ابھارے۔ جس نے ہر نازک موڑ پر، یہاں تک کہ اپنے آخری لمحات تک اپنوں پرایوں سب کی ڈھارس بندھائی۔ جس نے ایک عرصہ تک علم وادب اور دین وسیاست کی محفلیں زندہ رکھیں اور جس کی نغمہ بار چہک سے لاہور کے علمی وادبی حلقے اب بھی مترنم ہیں کیسے یقین کرلوں کہ اب وہ جیتے جی دوبارہ سنائی نہیں دے گی ۔

زمزموں سے جس کے لذت گیر ابتک گوش ہے
کیا وہ آواز اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

لیکن نہیں! اب یہ یقین کرنا پڑے گا قدرت کے قوانین اٹل ہیں اور اس قسم کی جذباتی شاعری سے ان کا مفہوم بدلا نہیں کرتا۔ اگر کوئی سخت سے سخت محنت یا بڑی سے بڑی قیمت کسی جانے والے کو واپس لا سکتی تو میں سب سے پہلے اپنے بھائی جان کو موت کے پنجوں سے چھین کر اس ''کاشانہ زکی'' کو دوبارہ خوشیوں سے آباد کرنے کی کوشش کرتا جو ابھی چند روز پہلے تک مسرتوں کا گہوارہ تھا اور آج آنسوؤں میں بہہ رہا ہے۔ اگر کسی بڑی سے بڑی قربانی کے ذریعہ کسی کی موت کو مؤخر کرنا ممکن ہوتا تو میں سب سے پہلے بھائی جان کو اپنے ان شکستہ والدین کے سامنے لاکھڑا کرتا جنہوں نے اس ضعیفی میں بستر علالت پر ایسے بیٹے کا زخم سہا ہے۔ لیکن تقدیر کے فیصلوں میں اس اگر مگر کی گنجائش نہیں، میں کیا اور میرا صدمہ کیا؟ اور اس صدمے کو دور کرنے کیلئے میری کسی قربانی کی حقیقت کیا؟ اس زمین کے سینے پر سب سے بڑا صدمہ ابوبکر صدیق ؓ، عمر فاروق ؓ، عثمان غنی ؓ، علی المرتضیٰ ؓ، صدیقہ عائشہ ؓ، فاطمۃ الزہرہ ؓ اور تمام صحابہ ؓ نے سہا تھا۔ قربانی پیش کرنے کا لفظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جاں نثاروں پر سجتا تھا اور اگر کوئی بڑی سے بڑی قربانی کسی کی اجل کے فیصلے کو ٹلا سکتی تو وہ یقیناً سرکار دو عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ایک سانس کے بدلے اپنی ہزاروں زندگیاں نچھاور کر دیتے۔ لیکن حکیم وعلیم کا بنایا ہوا یہ کارخانہ حیات کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے جس کے فیصلے آرزوؤں، تمناؤں اور حسرتوں کے مدار پر گردش کیا کریں۔ تم ایک محدود دائرے میں رہ کر سوچتے ہو، تمہاری ساری تمنائیں اور حسرتیں اسی تنگ دائرے سے وابستہ ہیں۔ اس دائرے

سے باہر وہاں تک ان کی رسائی نہیں جہاں سے پوری کائنات کا نظام کنٹرول ہو رہا ہے، جہاں کائنات کی ہر چیز کی گھڑی گھڑی کا حساب مقرر ہے اور جہاں کی مستحکم اور حکیمانہ منصوبہ بندی میں کوئی جھول نہیں ہے۔ اگر تمہیں اس مستحکم منصوبہ بندی اور اس میں پنہاں حکمتوں کا علم نہیں تو ان حکیمانہ منصوبہ بندیوں کا قصور نہیں تمہاری جہالت کا قصور ہے۔ تم اس کائنات میں خدائی کے اختیارات لے کر نہیں خدا کے بندے بن کر آئے ہو لہٰذا مشیت کی حکمتوں کو جھانکتے پھرنا تمہارا کام نہیں، تمہارا کام یہ ہے کہ قدرت کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کرو اور ان کی حکمتوں کو اللہ کے حوالے کر دو۔ (نقوشِ رفتگاں ص ۲۲)

اردو زبان کی گھر گھر اور قریہ قریہ اشاعت میں علماء دیوبند کی صرف دو کتابوں تعلیم الاسلام اور بہشتی زیور نے جو کردار ادا کیا ہے وہ بڑی بڑی ادبی خدمات پر بھاری ہے۔

عربی ادب میں بھی حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کی ''نفحۃ العرب مع حاشیہ''، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی ''نفحۃ العنبر فی حیاۃ الانور'' حضرت مفتی محمد شفیعؒ کا عربی کلام ''النفحات'' اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا چار سو عربی اشعار پر مشتمل رسالہ ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' مفید اضافہ قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

چلتے چلتے ''نفحۃ العنبر فی حیاۃ الانور'' کا ایک اقتباس بھی ملاحظہ فرماتے جائیں جو استاد و شاگرد (علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ) دونوں ہی کے ادبی کمال کا آئینہ دار ہے۔

الشيخ و تعبيراته الأدبية في أبحاث فقهية وحديثية

نعم، إن عامة صنيعه في ترصيفه و ترصيعه و بما يشبه في إيجازه و إطنابه كلام سيبويه في كتابه، أو ابن الهمام في "تحريره"، ولكن أين السيرافي ليسيرَ في مسيره؟ و أين ابن اميره لتقريره وتحبيره؟ وأين يؤتى بأميره لتصويره وتيسيره، فدونك اعتباراً بمن غبر، أو استعباراً بالعبر، وإياك و الملام على أحد من الأعلام، فإنهم على علم و قفوا، و ببصر ناقد كفوا، فلا تهرف بما لا تعرف، وأحمد عند التنكير ينصرف.

وأحاول أن أهدى نماذج مستطرفة من عباراته المستظرفة، يهتز لمثلها الألبابِ طرباً، وقضى لذوق الأذواق أرباً: "إذا ذا قها من ذاقها

يتمطق". و كأنها من باب المعاياة والأحاجى العلمية، وأريد أن أكتفى بالمثالين اختصاراً، و كيف؟ وأنا أنظم أمثال هذه الدرد المنثورة فى مؤلفاته، طال بنا الخطب و تجاوزنا القصد، والله الموفق.

مزید تفصیلات کیلئے محمد عبداللہ قاسمی حیدرآبادی کا مقالہ ''علماء دیوبند کی ادبی خدمات'' ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

......یہ تیرے پُراَسرار بندے

اگلے صفحات میں آپ اُن ہستیوں کے مختصر حالاتِ زندگی پڑھنے جارہے ہیں
جن میں وقت کے مایۂ ناز مفسرین بھی ہیں
اور اپنے زمانے کے بلند مرتبہ محدثین بھی
ان میں قابل صد رشک فقہاء بھی ہیں
اور کلام الٰہی کے بے مثل قرّاء بھی
ان میں باطل کے سامنے سینہ سپر رہنے والے مجاہدین بھی ہیں
اور عجز و انکساری کے حامل دل کی دنیا بدلنے والے مبلغین بھی
ان میں بحرِ معرفت کے شناور صوفیاء بھی ہیں
اور نامور اہلِ قلم، اہلِ علم اُدباء بھی
غرضیکہ ان میں سے ہر ایک اپنی ذات میں انجمن تھا،
ہم جیسے تہی دست و تہی دامن لوگوں کیلئے ایک مثال تھا
اور سچ تو یہ ہے کہ ان میں سے جو بھی تھا اپنے اپنے میدان میں بے مثال تھا

بنا کردن خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

قاسم العلوم والخیرات

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

ولادت:۔ آپ قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ کو پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ بروز جمعرات آپ دنیا سے رحلت فرما گئے۔

تعلیم:۔ آپ نے دیوبند میں فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر دہلی جا کر شاہ عبدالغنی دہلویؒ سے علوم حدیث کی تکمیل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ حضرت مولانا مملوک علی صاحب اور حضرت شاہ عبدالغنی دہلویؒ آپ کے ممتاز اساتذہ میں سے تھے۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد آپ نے میرٹھ اور دہلی میں کتابت کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا احمد حسن امروہیؒ، مولانا حکیم محمد صدیق مراد آبادیؒ اور مولانا فیض الحسن گنگوہی کو آپ نے میرٹھ اور دہلی میں حدیث کی کتابیں پڑھائیں۔

بیعت واجازت:۔ آپ نے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے دستِ حق پر بیعت کی اور سلوک وتصوف کے منازل طے کرنے کے بعد خلافت سے نوازے گئے۔

تصانیف:۔ آپ نے متعدد کتب بھی لکھیں ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ

> ''اگر ان کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر دیا جائے اور نام نہ بتایا جائے تو یہی کہا جائے گا کہ یہ کتابیں امام رازیؒ امام غزالیؒ کی لکھی ہوئی ہیں۔''

آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں۔ تقریر دل پذیر، تحذیر الناس، آب حیات، انتصار الاسلام، تصفیۃ العقائد، حجۃ الاسلام، قبلہ نما، تحفۃ الحمید، مباحثہ شاہ جہانپور، جمال قاسمی، توثیق الکلام اور اجوبہ اربعین وغیرہ

اہم کارنامے:۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں آپ حضرت حاجی صاحبؒ کے رفقاء کار میں شامل تھے۔ جس میں حضرت حاجی صاحب امیر اور مولانا قاسم نانوتویؒ سپہ سالار مقرر ہوئے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ دارالعلوم دیوبند کا قیام ہے۔ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۷ء، بروز جمعرات کو دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا جو اسلام کا محفوظ قلعہ اور مسلمانوں کا ناقابل شکست حصار ثابت ہوا۔

مزید حالات جاننے کیلئے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی ''سوانح قاسمی'' پڑھیں۔

امامِ ربانی

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

ولادت:۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ولادت باسعادت قصبہ گنگوہ محلہ سرائے کے ایک گھر میں ۶ ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ بروز شنبہ بوقت چاشت ہوئی۔

وفات:۔ ۹ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء کو دنیا سے رحلت فرما گئے۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم گنگوہ کے ایک میاں جی صاحب سے حاصل کی، پھر عربی اور فارسی مولانا عنایت صاحب اور مولانا محمد تقی صاحب سے پڑھی۔ بعدازاں ۱۲۶۱ھ میں تحصیل علم کے لیے دہلی کا سفر کیا اور چند دنوں قاضی احمد الدینؒ پنجابی سے کچھ کتابیں پڑھیں اور پھر اسی سال حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں دلجمعی سے پڑھنا شروع کیا۔ علم حدیث آپ نے ہندوستان میں حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ سے حاصل کیا۔ اور ۲۱ سال کی عمر میں تمام علوم وفنون مکمل ہو گئے۔

تدریس:۔ آپ اپنے وقت کے فقہ وحدیث کے امام تھے اور تمام علوم کے ماہر تھے۔ آپ نے چودہ مرتبہ سے زیادہ ہدایہ پڑھائی اور تقریباً صحاح ستہ کی تمام کتابیں آپ نے بارہا اکیلے پڑھائی ہیں۔

بیعت و اجازت:۔ آپ حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت ہوئے اور گنگوہ سے رخصت ہوتے وقت حاجی صاحبؒ نے آپ کو خلافت اور اجازت بیعت عنایت فرمائی۔

تصانیف:۔ فتاویٰ رشیدیہ آپ کا علمی شاہکار ہے، اس کے علاوہ کئی مختصر تصانیف بھی

ہیں ہزاروں علماء ومشائخ آپ کے فیض علمی وروحانی سے مستفید ہوئے۔

اہم کارنامے:۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں آپ کو قاضی مقرر کیا گیا تھا اور اس میں آپ نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ آپ کی بہادری کے واقعات بہت مشہور ہیں۔

تفصیلی حالات کیلئے حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کی ''تذکرۃ الرشید'' کا مطالعہ فرمائیں۔

استاذ الکل

حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ

ولادت:۔ حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ کی ولادت ۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ کو مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ کے گھر میں ہوئی۔

وفات:۔ ۱۳۰۲ھ یکم ربیع الاول کو شب شنبہ میں آپ ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور شب دو شنبہ کو تقریباً ایک بجے وفات پائی۔

تعلیم:۔ آپ نے ابتدائی تعلیم نانوتہ کے مکتب میں حاصل کی، اس کے بعد مولانا مملوک علی صاحبؒ ۱۲۵۹ھ میں آپ کو اور حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کو اپنے ساتھ دہلی لے گئے۔ مولانا قاسم نانوتویؒ کو کافیہ شروع کرایا اور آپ کو گلستان بوستان اور میزان الصرف شروع کرائی۔ حدیث شریف آپ نے شاہ عبدالغنی دہلویؒ سے پڑھی اور معقولات ومنقولات غرضیکہ تمام علوم وفنون میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔

تدریس:۔ تحصیل علم سے فارغ ہو کر آپ اجمیر شریف تیس روپیہ ماہوار مدرس ہوئے جب دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تو چالیس روپے مشاہرہ پر دارالعلوم کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔

مناصب:۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس تھے۔ اجمیر شریف کے پرنسپل نے آپ کی ذکاوت وذہانت دیکھ کر آپ کے لیے ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ منظور کرایا لیکن آپ نے انکار کر دیا بعد ازاں ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار ڈپٹی انسپکٹری کے عہدہ پر ضلع سہارنپور تشریف لائے۔

مشہور تلامذہ:۔ مفتی اعظم ہند مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور محدث وقت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ وغیرہ آپ کے ممتاز ترین تلامذہ میں سے ہیں۔

بیعت واجازت:۔ آپ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے مرید وخلیفہ تھے۔ تصانیف اور مختلف مضامین کے علاوہ سوانح مولانا محمد قاسم نانوتویؒ آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ مزید تفصیلات کیلئے پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی کی ''سیرت یعقوبؒ ومملوکؒ'' ملاحظہ فرمائیں۔

محشّیِ صحیح بخاری

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ

ولادت:۔ آپ ۱۲۲۵ھ میں سہارنپور میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۶ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ بروز شنبہ کو وفات ہوئی۔

تعلیم:۔ حفظ قرآن اور ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا سعادت علی صاحبؒ سے عربی کی کتابیں پڑھیں۔ پھر دہلی جا کر مولانا مملوک علی نانوتویؒ، مولانا وصی الدینؒ اور مولانا شیخ وجیہہ الدین سہارنپوری سے درایات کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ دورۂ حدیث حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ سے پڑھا۔

تدریس:۔ ۱۸۶۷ء کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور میں درس حدیث میں مشغول ہوگئے۔ آپ نے بلا معاوضہ درس دیا اور مدرسہ کی سرپرستی فرمائی۔

تصانیف:۔ آپ نے کئی رسالے لکھے، اس کے علاوہ بخاری شریف کا حاشیہ لکھا۔ لیکن آخری پانچ پاروں کا حاشیہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے لکھوایا۔

اہم کارنامے:۔ دہلی میں آپ نے مطبع احمدیہ قائم کیا، اور متعدد حدیث کی کتابیں شائع کیں۔ آپ ساری زندگی درس حدیث اور دینی اشاعت میں مصروف رہے۔

شیخ الہند

حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

ولادت:۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دیوبند میں رحلت فرمائی۔

تعلیم :۔ آپ کی تعلیم کا آغاز چھ سال کی عمر میں ہوا۔ قرآن مجید کا کچھ حصہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا عبداللطیف سے پڑھیں۔ پھر مولانا قاسم نانوتویؒ کے قائم کردہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند آئے، آپ دارالعلوم کے پہلے طالب علم تھے۔ ۱۲۶۴ھ میں آپ نے کنز، مختصر المعانی کا امتحان دیا آئندہ سال مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ پڑھیں۔ پھر ۱۲۸۶ھ میں کتب صحاح ستہ کی تکمیل کی اور فارغ التحصیل ہوئے۔

اساتذہ :۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے علاوہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا شاہ عبدالغنی دہلویؒ آپ کے مشہور اساتذہ میں سے ہیں۔

تدریس :۔ فارغ التحصیل ہونے سے پہلے ہی ۱۲۸۸ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کا معین مدرس بنا دیا گیا تھا۔ اس وقت آپ کے سپرد ابتدائی تعلیم کا کام کیا گیا، لیکن رفتہ رفتہ آپ کی علمی استعداد اور ذہانت ظاہر ہونے لگی اور اوپر کی کتابیں بھی پڑھانے کے مواقع ملتے گئے۔ ۱۲۹۳ھ میں آپ نے ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ وغیرہ کی تدریس کرنا شروع کی پھر ۱۲۹۵ھ میں مسلم شریف اور بخاری شریف بھی پڑھانے لگے۔ آپ نے مسلسل چالیس سال تک دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث دیا اور زمانۂ اسارت مالٹا اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی درس دیا۔ اس طرح آپ کا زمانۂ تدریس چوالیس سال سے زائد ہوتا ہے۔

مشہور تلامذہ :۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ جیسے مشاہیر علم و فضل شامل ہیں۔

بیعت واجازت :۔ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ نے آپ کے کمالات علمیہ وروحانیہ سے خوش ہو کر دستار خلافت اور اجازت نامہ بیعت عنایت فرمایا اور پھر دربار رشیدی سے بھی آپ کو یہ نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی۔

تصانیف :۔ آپ نے درس وتدریس اور مشاغل سیاسی کے باوجود کئی کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ جن میں سے ترجمۂ قرآن، ایضاح الأدلہ اور الأدلۃ الکاملۃ قابل ذکر ہیں۔

اہم کارنامے :۔ انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء میں شروع کی گئی تحریک آزادی کے

مشن کو آپ نے کافی بڑھایا۔ آپ نے تحریک کا مرکز کابل کو بنایا اور آپ کی تحریک ریشمی رومال کے نام سے مشہور ہے آپ عسکری بنیادوں پر مسلمانوں کو منظم کر کے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے، لیکن اپنوں کی سازشوں سے انگریزوں کے خلاف یہ تحریک بھی کامیاب نہ ہوسکی۔ لیکن اس نے ہندو پاک کے مسلمانوں میں بیداری کی نئی روح پھونک دی۔ تفصیل کیلئے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی ''نقش حیات'' و ''اسیر مالٹا'' اور حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ کی ''حیات شیخ الہندؒ'' ملاحظہ فرمائیں۔

شارح سنن أبي داوٗد

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

ولادت :۔ آپ اواخر صفر ۱۲۶۹ھ مطابق دسمبر ۱۸۵۲ء میں اپنے ننھیالی قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ یوم چہار شنبہ کو بعد عصر وصال فرمایا۔

تعلیم :۔ عمر شریف کے پانچویں سال آپ کے نانا مولانا مملوک علی صاحبؒ نے بہ نفس نفیس آپ کو بسم اللہ شریف پڑھا کر قاعدہ شروع کرادیا، ناظرہ قرآن شریف جلد ختم کر لیا اور اردو پڑھنا شروع کر دی۔ ابتدائی کتابیں انبہٹہ اور نانوتہ میں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ پھر ۱۲۸۳ھ میں دیوبند تشریف لے گئے اور کافیہ کی جماعت میں شریک ہوئے۔ پھر دیوبند سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور آئے۔ حدیث و تفسیر اور فقہ کی اکثر کتابیں مولانا محمد مظہر صاحبؒ سے پڑھیں اور منطق و فلسفہ، ہیئت اور ریاضی کی کتابیں مدرسہ کے دیگر مدرسین سے پڑھیں۔ اس طرح انیس سال کی عمر میں ۱۲۸۸ھ میں آپ نے درس نظامی سے فراغت پائی۔ فراغت کے بعد مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ کی خدمت میں لاہور گئے اور خاطر خواہ علوم ادبیہ کی تکمیل فرمائی۔

تدریس :۔ ۱۲۸۸ھ میں آپ کو مظاہر العلوم میں معین المدرسین بنادیا گیا تھا۔ پھر منگلور کے عربی مدرسہ میں بحیثیت صدر مدرس تشریف لے گئے۔ اس کے علاوہ آپ بھوپال، بہاولپور، بریلی اور دارالعلوم دیوبند میں مدرس رہے۔ آخر ۱۳۴۴ھ میں صدر مدرس ہوکر مظاہر العلوم تشریف لے گئے۔

بیعت و اجازت :۔ آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت ہوئے اور پھر خلافت سے نوازے گئے۔

مشہور تلامذہ :۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ، حضرت مولانا عبداللہ گنگوہیؒ، مولانا فیض الحسن گنگوہیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، مولانا حافظ فخر الدین صاحبؒ، مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ اور مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ جیسی عظیم شخصیتیں آپ کے خلفاء و تلامذہ میں شامل ہیں۔

تصانیف :۔ آپ کی سب سے مشہور تصنیف اور اہم کارنامہ ''بذل المجہود فی حل ابی داوٗدؒ'' ہے۔

مزید حالات سے آگاہی کیلئے حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کی ''تذکرۃ الخلیل'' یا فتاویٰ خلیلیہ کا مقدمہ پڑھیں۔

مفتی دارالعلوم دیوبندؒ

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ

ولادت :۔ امام الفقہاء حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ ۱۲۷۵ھ میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

تعلیم :۔ حضرت مفتی صاحب کی تعلیم و تربیت اکابرین دیوبند کی آغوش میں ہوئی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے بیشتر کتابیں پڑھیں اور ۱۲۹۸ھ میں تمام علوم وفنون سے فارغ التحصیل ہو گئے۔

تدریس :۔ ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم دیوبند میں آپ بلاتنخواہ مدرس مقرر ہوئے۔ اس کے بعد تعلیم و تدریس کے سلسلے میں مدرسہ عالیہ رام پور تشریف لے گئے اور ۱۳۰۹ھ تک آپ وہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم دیوبند کی طلب پر دوبارہ دیوبند تشریف لائے اور نیابت اہتمام کا منصب آپ کے سپرد کیا گیا۔

بیعت و اجازت :۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند سے

بیعت وخلافت حاصل تھی۔

مشہور تلامذہ:۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مناصب:۔ ۱۳۱۰ھ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو مفتی کے منصب اور اہم ذمہ داری کے لیے منتخب فرمایا۔ ۳۶ سال تک آپ بحیثیت صدر مفتی دارالعلوم دیوبند بلکہ مفتی اعظم ہند خدمت افتاء انجام دیتے رہے۔

تصانیف:۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی تصنیف ''عزیز الفتاویٰ'' عہد حاضر کے تمام مفتیوں کے لیے ماخذ بنی ہوئی ہے۔

اہم کارنامے: آپ کا سب سے بڑا کارنامہ افتاء کی خدمت ہے۔ آپ کے فتاویٰ کی مجموعی تعداد تقریباً سوا لاکھ ہے اور یہ تعداد ان فتاویٰ کی ہے جو رجسٹر میں درج ہوئے ورنہ مجموعی اعتبار سے آپ کے فتاویٰ کی تعداد کم وبیش ڈھائی لاکھ ہے۔

تفصیلی حالات کیلئے عزیز الفتاویٰ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا مقدمہ دیکھیں۔

حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

ولادت:۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ولادت باسعادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ میں ہوئی۔

وفات:۔ ۱۶ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ بمطابق ۱۹/۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب رحلت فرما گئے۔

تعلیم:۔ عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا فتح محمد صاحب سے تھانہ بھون میں پڑھیں۔ پھر ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ میں دیوبند تشریف لائے ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

تدریس:۔ دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ اخیر صفر ۱۳۰۱ھ میں کانپور تشریف

لائے اور مدرسہ فیض عام میں پڑھانا شروع کر دیا اور چودہ سال تک کانپور میں درس وتدریس اور افتاء اور تبلیغ ووعظ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر تھانہ بھون واپس آ کر مدرسہ اشرفیہ قائم کیا۔

اساتذہ:۔ آپ کے مربی وشفیق اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور مولانا سید احمد صاحبؒ وغیرہ ہیں۔ قرأت کی مشق آپ نے حضرت قاری محمد عبداللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے سامنے مکہ معظمہ رہ کر فرمائی۔

بیعت واجازت:۔ مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے خدام میں داخل ہو گئے اور شرف بیعت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ نیز تھانہ بھون میں آپ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی خانقاہ کو بھی آباد کیا۔

تصانیف:۔ ڈیڑھ ہزار سے زائد تصانیف کو جن کی صرف فہرست ہی سو صفحات سے زائد ہے آپ کے قلم حقیقت رقم سے نکلی ہیں۔ ہر علم وفن پر تصانیف وتالیفات اس قدر فرمائیں کہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ متقدمین ومتاخرین میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے خاص طور پر تفسیر بیان القرآن تو اپنی مثال آپ ہے۔

اہم کارنامے:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانویؒ کو اس دور کے مجدد کے منصب پر فائز فرمایا تھا۔ اس لیے حضرت تھانویؒ نے مسلمانوں کے ہر شعبہ زندگی میں بڑھتی ہوئی تباہیوں اور بربادیوں کو محسوس فرما کر سینکڑوں اور ہزاروں میل کے سفر طے کر کے اپنے مواعظ حسنہ ملفوظات اور عام مجالس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کیا۔ آپ نے اپنی تصانیف کے ذریعے عوام وخواص کی رہبری فرمائی اور ان کو صحیح دین سے روشناس کرایا، رسوم و بدعات کی تاریکیوں سے نکالا، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عجیب عجیب طریقے بیان فرمائے۔

حضرت حکیم الامتؒ کے حالات پر بے شمار مختصر اور مفصل کتب دستیاب ہیں۔ جن میں سے ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفیؒ کی ''حکیم الامت'' مختصر اور مفصل بہت اہم ہے۔

مرشد برحق

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ

ولادت:۔ آپ تگری ضلع انبالہ مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ۱۹۱۹ء میں رائپور میں وفات پائے۔

تعلیم :۔ ابتدائی تعلیم آپ نے تگری رہ کر حاصل کی۔ پھر باقی عربی، فارسی کی تعلیم رامپور اور مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی اور کچھ کتابیں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے بھی پڑھی ہیں۔

بیعت و اجازت :۔ آپ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہوئے حضرت گنگوہیؒ نے آپ کو بیعت کے ساتھ ساتھ مجاز طریقت بھی بنایا۔

اہم کارنامے :۔ جب ۱۳۲۰ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور کے بعض جاہ طلب لوگوں نے ہڑبونگ مچایا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے نام برطرفی کا نوٹس دے دیا تو ان دنوں میں آپ حضرت گنگوہیؒ کے حکم سے ہر تیسرے روز بیل گاڑی میں بیٹھ کر سہارنپور جاتے اور حضرت گنگوہیؒ کو باخبر کرتے رہتے، اس طرح آپ نے مظاہر العلوم سہارنپور کے حالات کو بگڑنے نہ دیا اور حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ساتھ آپ کو بھی مدرسہ مظاہر العلوم کا سرپرست بنا دیا گیا، آپ سے جاری ہونے والا رائے پور شریف کا اصلاحی سلسلہ ایک مستقل عظیم کارنامہ ہے۔ دوسرا بڑا کام آپ نے ریشمی خطوط کے سلسلہ میں کیا ہے۔ جس کی تفصیل نقش حیات میں ملاحظہ فرمائیے۔

آپ کے دیگر حالات جاننے کیلئے حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کی ''تذکرۃ الخلیل'' دیکھیں۔

امام العصر

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

ولادت :۔ امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ ۲۷ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ بروز شنبہ بوقت صبح اپنے ننھیال کے ہاں بمقام دودھواں وعلاقہ لولاب کشمیر میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ۲ صفر ۱۳۶۲ھ کو شب کے آخری حصہ میں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں دیوبند میں داعئ اجل کو لبیک کہا۔

تعلیم :۔ چار یا پانچ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد سے قرآن پاک شروع کیا اور چھ

برس کی عمر تک قرآن کے علاوہ فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کر لیے۔ پھر مولانا غلام محمد صاحب سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی۔ پھر تین سال تک آپ نے ہزارہ و سرحد کے متعدد علماء و صلحاء کی خدمت میں علوم عربیہ کی تکمیل کی۔ پھر ۱۳۰۷ھ میں ہزارہ سے دیوبند گئے اور چار سال رہ کر وہاں کے مشاہیر وقت علماء سے فیوض علمیہ و باطنیہ کا بدرجۂ اتم استفادہ کیا اور بیس اکیس سال کی عمر میں نمایاں شہرت کے ساتھ ۱۳۱۲ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا محمد اسحاق امرتسری مہاجر مدنیؒ اور مولانا غلام رسول ہزارویؒ۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد دہلی میں مدرسہ امینیہ میں تین چار سال تک مدرس اول رہے۔ پھر خواجگان قصبہ بارہ مولا میں مدرسہ فیض عام کی بنیاد رکھی اور تقریباً تین سال تک خلق اللہ کو فیض یاب فرماتے رہے۔ پھر دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۵ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرس کی حیثیت سے درس حدیث دیتے رہے۔ اس کے بعد ڈابھیل جامعہ اسلامیہ تشریف لے گئے اور ۱۳۵۱ھ تک جامعہ میں درس حدیث دیتے رہے۔

مشہور تلامذہ:۔ چند مشہور تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ شاہ عبدالقادر رائپوریؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاریؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، اور مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ۔

تصانیف:۔ چند مایہ ناز تصانیف یہ ہیں۔ خاتم النبیین، عقیدۃ السلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام، التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، فصل الخطاب فی مسئلہ ام الکتاب وغیرہ۔ ان کے علاوہ حضرت علامہ کی تقریریں جو درس کے وقت املاء کراتے تھے ان میں مشہور ترین تقریر فیض الباری شرح بخاری، کے نام سے چار جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ اردو میں شرح بخاری بنام انوار الباری شاہ صاحبؒ کے افادات ۳۲ حصوں میں ساڑھے چھ ہزار صفحات پر شائع ہوئے ہیں۔

اہم کارنامے:۔ شاہ صاحبؒ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ان کی تربیت سے ایسے عالم اور عظیم محدث، مفسر، مفکر، فقیہہ، ادیب، خطیب، مورخ، شاعر، مصنف اور عارف پیدا ہوئے کہ جن کی نظیر کم از کم پورے برصغیر میں ملنا مشکل ہے۔ درالعلوم کے اٹھارہ سالہ قیام

میں کم از کم دو ہزار طلباء شاہ صاحبؒ سے بلا واسطہ مستفید ہوئے ہیں۔

دوسری دینی خدمات کے علاوہ آپ کی تحریک ختم نبوتؐ میں خدمات بھی بہت زیادہ اور نمایاں ہیں۔

مزید حالات جاننے کیلئے حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی ''نفحة العنبر فی حیا الانور'' ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ الاسلام پاکستان

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

ولادت:۔ علامہ عثمانی ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۶ھ بمطابق ۱۸۸۵ء کو پردۂ عدم سے ظہور میں آئے۔

وفات:۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ کو گیارہ بج کر چالیس منٹ پر بروز منگل ۶۴ سال کی عمر میں یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

تعلیم:۔ علامہ عثمانیؒ شیخ الہندؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ۱۳۲۵ھ بمطابق ۱۹۰۸ء میں دیوبند میں فارغ ہوئے۔ دورۂ حدیث کے تمام طلباء میں فرسٹ آئے۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد دار العلوم دیوبند میں فی سبیل اللہ پڑھاتے رہے۔ متوسط کتابوں سے لے کر مسلم شریف اور بخاری شریف کی تعلیم دی۔ پھر مدرسہ فتح پور دہلی تشریف لے گئے اور صدر مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۸ھ میں آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے اور وہاں تفسیر و حدیث پڑھاتے رہے۔ ۱۳۵۴ھ بمطابق ۱۹۳۶ء میں دار العلوم دیوبند میں صدر مہتمم کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔

مشہور تلامذہ:۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مولانا اظہر علی سلہٹیؒ اور مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تصانیف:۔ آپ کی متعدد تصنیف ہیں۔ جن میں قرآن کریم کی تفسیر عثمانی اور مسلم

شریف کی نامکمل شرح فتح الملہم زبردست علمی شاہکار ہے۔ اس کے علاوہ اعجاز القرآن، اسلام کے بنیادی عقائد، العقل والنقل، فضل الباری شرح صحیح بخاری، الشہاب اور مجموعہ رسائل ثلاثہ آپ کے علمی شاہکار ہیں۔

اہم کارنامے :۔ آپ کی تمام زندگی خدمت اسلام میں گزری اور آپ کے کردار نے مسلمانوں میں زندگی کی روح دوڑا دی۔ سیاسی اور ملکی خدمات میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک خلافت میں آپ جمعیت علمائے ہند کی مجلس عامہ کے زبردست رکن تھے۔ پھر مسلم لیگ میں شریک ہو کر تحریک پاکستان کو تقویت بخشی اور ایک جماعت ''جمعیت علماء اسلام'' کے نام سے تشکیل دی جس کے پہلے صدر آپ منتخب ہوئے۔ اس کے علاوہ کشمیر کی جدوجہد آزادی میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ پاکستان کے قومی اسمبلی کے ممبر ہونے کے باعث آپ نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں قانون اسلامی کی تجویز ''قرار دادِ مقاصد'' کے نام سے پاس کرائی۔ غرضیکہ تحریک پاکستان میں اگر ایک طرف دنیاوی حیثیت کے لوگوں کی خدمات ہیں تو دوسری طرف اتنی ہی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی دینی خدمات ہیں۔

مزید حالات سے واقفیت کیلئے پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹیؒ کی ''حیاتِ عثمانی'' دیکھیں۔

شیخ العرب والعجم

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

ولادت :۔ آپ کی تاریخ ولادت باسعادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ ہے۔

وفات :۔ ۱۳ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ بروز جمعرات بعد نماز ظہر داعی اجل کو لبیک کہا۔

تعلیم :۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد کی زیر نگرانی ہوئی۔ ۱۳۰۹ میں ۱۳ سال کی عمر میں حفظ قرآن کے بعد دیوبند تشریف لائے اور اپنے بڑے بھائی اور شیخ الہندؒ کی زیر نگرانی تعلیم پاتے رہے۔ چنانچہ ۱۷ فنون پر مشتمل درس نظامی کی ۶۷ کتابیں آپ نے ساڑھے چھ سال کی مدت میں ختم کر ڈالیں اور علم نبوت کے نیر اعظم بن کر دار العلوم کے در و دیوار کو منور کرنے لگے۔ دار العلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد ۱۳۱۶ھ میں طب۔ ادب اور ہیئت کی کتابیں مدینہ منورہ میں مشہور ادیب مولانا الشیخ آفندی

عبدالجلیل برادہؒ سے پڑھیں۔

تدریس:۔عرصہ دراز تک حرم نبویؐ میں پڑھاتے رہے۔ پھر ۱۳۲۶ھ میں ہندوستان واپس آئے اور دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے۔ پھر دوبارہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور اسارت مالٹا کے زمانہ تک برابر درس وتدریس میں مشغول رہے۔ مالٹا سے واپسی کے بعد کچھ دنوں امروہہ مدرسہ جامع مسجد میں تعلیم دی، پھر کلکتہ میں درس دینے لگے اور آخرکار ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور اس عظیم درسگاہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے آخری سبق ۲۵؍اگست ۱۹۵۷ء (۱۳۷۷ھ) کو پڑھایا۔ اس ۳۱ سالہ زمانۂ تدریس میں ہزاروں افراد آپ کے فیض علمی سے مستفید ہوئے۔

بیعت واجازت: ۱۳۱۶ھ میں حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہوئے۔ پھر ۱۳۱۸ھ میں بارگاہ رشیدیہ سے اجازت بیعت حاصل ہوئی۔

اہم کارنامے:۔دینی خدمات کے علاوہ آپ نے سیاسی میدان میں بھی بڑی تندہی سے خدمات انجام دیں۔ جمعیت علمائے ہند کے صدر اور قائد کی حیثیت سے آپ نے ایک بلند مقام حاصل کیا اور ہندوستان کی تحریک آزادی کے سلسلہ میں کئی بار قید وبند کی صعوبتیں اٹھاتے رہے اور بالآخر ملک کو آزاد کرالیا۔ تمام عمر آزادئ ہند کی خاطر اپنی جانی اور مالی قربانیوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔ کانگریس میں شریک ہو کر ملکی آزادی کے لیے سیاسی جدوجہد میں سردھڑ کی بازی لگادی اور جیلوں میں سختیاں جھیلیں۔ آپ کے کارناموں میں زبردست کارنامہ وہ ہے جو ۱۹۴۷ء میں آپ نے اس وقت انجام دیا جب بھارت میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا اور چاروں طرف ہندو اور سکھوں کے سفاک ہاتھوں نے مسلمانوں کے قتل سے ہاتھ رنگین کر کے سرزمین ہند کو لالہ زار بنا دیا تھا۔ اس وقت مولانا سید حسین مدنیؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ گولیوں کی بوچھاڑ میں جان ہتھیلی پر رکھ کر مسلمانوں کی جان ومال اور عزت وناموس کی خاطر دہلی، سہارنپور، مرادآباد اور میرٹھ کے گلی کوچوں میں پھر رہے تھے۔

آپ کی سوانح پر بے شمار کتابیں لکھی گئی، خاص طور پر حضرت قاضی محمد زاہد الحسینیؒ کی ''چراغِ محمد ﷺ'' بہت اہم ہے۔

شیخ الحدیثؒ کے والد ماجد

حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ

ولادت:۔ آپ محرم ۱۲۸۸ھ بمطابق ۲۳ مارچ ۱۸۷۱ء یوم شنبہ کو پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ کو آپ رحلت فرما گئے۔

تعلیم:۔ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر دورۂ حدیث حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی درخواست پر حضرت گنگوہیؒ نے پڑھایا۔

تدریس:۔ ۱۳۲۸ھ کو مظاہر العلوم سہارنپور میں تدریس پر مامور ہوئے اور پانچ چھ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے والد ماجد ہیں اور شیخ الحدیثؒ نے ابتدائی تعلیم آپ سے ہی حاصل کی۔

بیعت واجازت:۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے آپ کو خلافت سے نوازا۔

تصانیف:۔ آپ حضرت گنگوہیؒ کی تقاریر کو دورانِ درس ضبط تحریر لاتے تھے۔ ترمذی شریف کی شرح ''الکوکب الدری'' اور بخاری شریف کی شرح ''لامع الدراری'' آپ ہی کی ضبط کردہ ہیں۔

تفصیلی حالات کیلئے حضرت شیخ الحدیثؒ کی ''آپ بیتی'' اور ''تذکرہ الخلیل'' دیکھیں۔

مناظرِ اسلام

حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ

ولادت:۔ آپ ۱۲۸۵ھ کو قصبہ چاندپور ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۵۱ء کو باآواز بلند کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

تعلیم: آپ درس نظامی کی تکمیل کے لیے ۱۲۹۷ھ میں مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور بڑی امتیازی شان سے سند فراغت تعلیم حاصل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا ذوالفقار دیوبندیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تدریس:۔ حکیم الامتؒ کی فرمائش پر آپ بھنگہ میں پڑھاتے رہے۔ پھر کچھ عرصہ مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں صدر مدرس رہے، پھر ۱۹۲۰ء میں شیخ الہندؒ کے حکم پر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کو ناظم تعلیمات مقرر کیا گیا ساتھ ہی سلسلہ تدریس بھی جاری رہا۔

بیعت واجازت:۔ تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔ پھر حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی حضرت گنگوہیؒ کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت رائپوریؒ سے تعلق قائم کیا۔ اس کے بعد حضرت حکیم الامتؒ کے دست حق پر بیعت کی اور خلافت سے نوازے گئے۔

تصانیف:۔ آریہ سماج اور قادیانیت کی رد میں آپ نے بکثرت رسائل تحریر فرمائے مولانا احمد رضا خان بریلوی کی تردید میں بھی متعدد رسائل تصنیف فرمائے۔ جن کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

اہم کارنامے:۔ تحریک ختم نبوت اور تحریک پاکستان میں آپ نے زبردست حصہ لیا اور پورے برصغیر میں دورہ فرماتے رہے۔ قادیانیت کے خلاف ملک کے کونے کونے کا دورہ کیا اور پنجاب کے مختلف علاقوں میں مرزائیت کے خلاف تقریریں اور مناظرے کرتے رہے۔ آریہ سماج کے مشہور مقرر پنڈت رام چندر سے امروہہ میں تاریخی مناظرہ کیا اور پنڈت لاجواب ہو کر واپس ہوا۔

مزید حالات جاننے کیلئے حافظ محمد اکبر شاہ بخاری کی ''اکابر علماء دیوبند'' دیکھیں۔

مجاہدِ اسلام

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ

ولادت:۔ آپ ۲۸ مارچ ۱۸۷۲ء بمطابق ۱۲ محرم الحرام ۱۲۸۹ھ کو ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں چیلانوالی کے ایک سکھ خاندان میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۲۱ اگست ۱۹۴۴ء کو آپ نے دین پور میں رحلت فرمائی۔

قبول اسلام:۔ ۱۸۸۴ء میں آپ نے اپنے ایک ہم جماعت سے مولانا عبید اللہ پائلی کی

کتاب ''تحفۃ الہند'' لے کر پڑھی۔ اس کے بعد مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' پڑھی اور یوں اسلام سے رغبت پیدا ہوگئی۔ پندرہ برس کی عمر میں ۱۹ اگست ۱۸۸۷ء کو مشرف باسلام ہوئے۔

تعلیم:۔ اردو مڈل تک کی تعلیم آپ نے جام پور ضلع ڈیرہ غازیخان میں حاصل کی۔ پھر قبول اسلام کے بعد ۱۸۸۸ء میں دیوبند گئے اور دارالعلوم میں داخلہ لیا اور تفسیر وحدیث، فقہ و منطق وفلسفہ کی تکمیل کی۔

اہم کارنامے:۔ ۱۹۰۱ء میں گوٹھ پیر جھنڈ میں دارالارشاد قائم کیا اور سات برس تک تبلیغ اسلام میں منہمک رہے۔ پھر ۱۹۰۹ء میں شیخ الہندؒ کے ارشاد کی تعمیل میں دارالعلوم گئے اور وہاں طلباء کی تنظیم ''جمعیت الانصار'' کے سلسلے میں اہم خدمات انجام دیں۔ ۱۹۱۲ء میں دہلی نظارۃ المعارف کے نام سے ایک مدرسہ جاری کیا جس نے اسلامی تعلیمات کی اشاعت میں بڑا کام کیا ہے۔ ترکی میں ۱۹۲۴ء میں اپنی ذمہ داری پر تحریک ولی اللہ کے تیسرے دور کا آغاز کیا۔ اس موقعہ پر آپ نے آزادئ ہند کا منشور استنبول سے شائع کیا۔ ترکی سے حجاز پہنچے اور ۱۹۳۹ء تک مکہ معظمہ میں رہے۔ اسی عرصہ میں انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے حقوق اور دینی مسائل کو تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ عوام تک پہنچایا۔ آپ نے تحریک ریشمی رومال میں سرگرم حصہ لیا۔ افغانستان کی آزادی کی اسکیم آپ ہی نے مرتب فرمائی تھی، ۲۵ سال تک جلاوطن رہے۔ افغانستان میں انڈین نیشنل کانگریس کی ایک باضابطہ شاخ قائم کی۔ ساری زندگی قائد حریت کی حیثیت سے اسلامی اور سیاسی خدمات انجام دیتے رہے۔ زندگی کے آخری سالوں میں جب کچھ غلط افکار وخیالات آپ کی طرف منسوب ہو کر شائع ہونے لگے تو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے حضرت سندھیؒ کی جلالت شان کے باوجود ایسی باتوں کی پرزور تردید فرمائی۔

مفتی اعظم ہند

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

ولادت:۔ آپ شاہ جہان پوری یوپی کے محلہ زئی میں ۱۲۹۲ھ کو پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ۲۱ دسمبر بمطابق ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ بروز جمعرات عازم ملک بقاء ہو گئے۔

تعلیم :۔ پانچ سال کی عمر میں مدرسہ شاہ جہانپور میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا، اردو، فارسی حافظ نسیم اللہ صاحب سے پڑھی پھر مدرسہ اعزازیہ میں فارسی کی کتاب سکندر نامہ اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر کچھ عرصہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں زیر تعلیم رہے۔ پھر ۱۳۱۲ھ میں دار العلوم دیو بند میں تشریف لائے اور بائیس سال کی عمر میں ۱۳۱۵ھ میں دار العلوم سے فارغ ہوئے۔

مشہور اساتذہ :۔ مولانا منفعت علی صاحبؒ، مولانا غلام رسول صاحبؒ، مولانا خلیل احمد صاحبؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندیؒ، مولانا عبید الحق صاحبؒ اور مولانا اعزاز حسن خان صاحبؒ۔

تدریس :۔ فراغت کے بعد مدرسہ عین العلوم میں مدرس مقرر ہوئے اور ناظم منتخب ہوئے۔ تقریباً پانچ سال تک آپ وہیں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر ۱۳۲۰ھ میں مدرسہ امینیہ دہلی میں آپ کو بلا لیا گیا اور نظامت وغیرہ آپ کو سونپ دی۔ عرصہ تک آپ تدریسی اور علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

تصانیف :۔ آپ نے کئی مفید کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں قصیدہ عربی، روض الریاضین، البرئی اور مصطفیٰ اور تعلیم الاسلام وغیرہ مشہور تصانیف ہیں۔ آخر الذکر کتاب سے تو شاید ہی کوئی پڑھا لکھا مسلمان ناواقف ہو، آپ کے فتاویٰ کا ضخیم مجموعہ ''کفایت المفتی'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

اہم کارنامے :۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے علمی خدمات کے ساتھ ساتھ سیاسی اور ملی خدمات بھی انجام دیں۔ سیاسی تحریکوں میں آپ مسلمانوں کی رہنمائی کرتے رہے۔ ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں اپنے رفقاء کے ساتھ آپ بھی شریک ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں دہلی میں خلافت کانفرنس میں آپ نے برطانیہ کے جشن صلح کے بائیکاٹ کرنے کی تجویز پیش کی۔ جمعیت علمائے ہند کا پہلا صدر آپ کو منتخب کیا گیا۔ کئی بار جیل گئے۔ مسلمانوں اور ملکی خدمات کے لیے حجاز اور دوسرے اسلامی ممالک کا دورہ کرتے رہے۔ طالب علمی کے زمانے میں فتنہ قادیانیت کی تردید میں ایک ماہوار رسالہ ''البرہان'' جاری فرمایا۔ ۱۳۲۸ھ میں ایک مجلس طلبہ و مدرسین کی خامیوں کو دور کرنے کے لیے ''انجمن اصلاح الکلام'' کے نام سے قائم کی، جس نے اصلاح مدرسین وطلبہ کے لیے بڑا کام کیا۔

مزید حالات جاننے کیلئے کفایت المفتی کا مقدمہ اور ماہنامہ ''القاسم'' اکوڑہ خٹک کا ''مفتی اعظم ہند'' نمبر ملاحظہ فرمائیں۔

ولیِ کامل

حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ

ولادت:۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۱۲۹۴ھ ہے۔

وفات:۔ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ بمطابق ۸ جنوری ۱۹۴۵ء کو آپ کا وصال ہوا۔

تعلیم:۔ فارسی کی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی اور دارالعلوم دیوبند میں داخل فارسی کی تکمیل کی۔ ۱۳۱۰ھ میں دارالعلوم کے شعبہ عربی میں داخل ہوئے اور درس نظامی کی تکمیل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا مفتی عزیزالرحمٰن عثمانیؒ، مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ وغیرہ ہیں۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد ۱۳۲۱ھ میں آپ کو جونپور مدرسہ مسجد اٹالہ کا صدر مدرس بنا کر بھیج دیا گیا۔ وہاں ۱۳۲۷ھ تک برابر دینی وتدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر شیخ الہندؒ کی طلبی پر دوبارہ دارالعلوم تشریف لے آئے اور درس وتدریس میں مشغول رہے۔

بیعت واجازت:۔ آپ حضرت شاہ عبداللہ عرف میاں جی شاہ صاحبؒ سے بیعت ہیں۔ اجازت بیعت حضرت حاجی صاحب کی جانب سے بھی ہے۔ پھر ۱۳۱۰ھ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اپنے وصال سے ایک دن قبل آپ کو اجازت وبیعت اور خلافت عنایت فرمائی۔

تصانیف:۔ تصانیف میں فتاویٰ محمدیہ، دست غیب، اذان واقامت، حیات خضر، فقہ الحدیث، نیک بیبیاں، حیات شیخ الہندؒ، خواب شیریں، الوردالشذی اور مفید الوارثین آپ کے علمی شاہکار ہیں۔

مزید حالات وواقعات جاننے کیلئے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کی ''اکابر دیوبند کیا تھے؟'' پڑھیں۔

شیخ الادب

حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ

ولادت :۔ یکم محرم ۱۳۰۱ بمطابق ۲ نومبر ۱۸۸۲ء بروز جمعہ صبح صادق کے قریب بدایوں شہر میں آپ کی ولادت ہوئی۔

وفات :۔ ۱۳ رجب المرجب ۱۳۸۴ھ بمطابق ۸ مارچ ۱۹۵۵ء بروز منگل صبح صادق کے وقت سفر آخرت اختیار فرمایا۔

تعلیم :۔ قرآن پاک حضرت شریف الدین سے حفظ کیا، اردو اور فارسی کی معمولی تعلیم والد صاحب سے حاصل کی پھر مقصود علی خان سے بعض فارسی کی کتابیں اور میزان الصرف سے شرح جامی تک کتابیں پڑھیں۔ پھر شاہ جہانپور کے مدرسہ عین العلم میں کنز الدقائق، شرح وقایہ وغیرہ پڑھیں۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر ہدایہ اولین و میر قطبی وغیرہ پڑھیں۔ پھر میرٹھ میں چار سال تعلیم حاصل کی اور دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے ۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغ حاصل کی۔

مشہور اساتذہ :۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ، مولانا سید معز الدینؒ، مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ، مفتی کفایت اللہؒ، مولانا بشیر احمد مراد آبادی اور مولانا عبید الحق کابلیؒ آپ کے مشہور اساتذہ میں سے ہیں۔

تدریس :۔ فراغت کے بعد شاہ جہانپور میں تین سال درس و تدریس کا مشغلہ رہا پھر ۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے اور تادم آخر بھی ۱۳۷۴ھ تک دارالعلوم میں ہی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے کم وبیش ۴۵ سال تدریس خدمات انجام دیں۔ اس عرصہ میں ہزاروں افراد نے آپ سے کسب فیض کیا۔

مشہور تلامذہ :۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں۔ مفتی اعظمؒ پاکستان مولانا محمد شفیعؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مولانا سعید اکبر آبادیؒ وغیرہ۔

بیعت و اجازت :۔ تصوف و سلوک میں حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی طرف سے اجازت و خلافت عطا ہوئی۔

تصانیف :۔ آپ نے کئی کتابوں کے حاشیے تحریر فرمائے۔ جن میں حاشیہ نور الایضاح فارسی وعربی، حاشیہ کنز الدقائق، التنقیح الضروری علی المختصر القدوری، حاشیہ مفید الطالبین، حاشیہ دیوان المتنبی حاشیہ دیوان حماسہ اور حاشیہ تلخیص المفتاح شامل ہیں۔

مزید حالات کیلئے ''حیاتِ اعزاز'' ملاحظہ فرمائیں۔

رئیس التبلیغ

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ

ولادت :۔ آپ ۱۳۰۳ھ میں قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر یوپی میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ۱۲/۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء کی درمیانی شب میں آپ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔

تعلیم :۔ حفظ قرآن اور فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ پھر اپنے بڑے بھائی کے ساتھ گنگوہ گئے جہاں آٹھ نو برس رہے اس دوران آپ کی بہترین اخلاقی تربیت اور دینی تعلیم ہوئی، پھر ۱۳۲۶ھ میں شیخ الہندؒ کے درس میں شرکت کے لیے دیوبند پہنچے، ترمذی اور بخاری شریف کی سماعت کی۔ اس کے بعد برسوں اپنے بھائی مولانا یحییٰ صاحبؒ سے حدیث پڑھتے رہے۔

تدریس :۔ فراغت کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس مقرر ہوئے۔ پھر دہلی میں ایک چھوٹی سی مسجد میں چند طالب علموں کو پڑھانے لگے اور درس حدیث دیتے رہے۔

بیعت واجازت :۔ حضرت گنگوہیؒ سے آپ کو بیعت کا شرف حاصل ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے بعد مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے سلوک کی تکمیل کی۔

اہم کارنامے :۔ آپ کا عظیم کارنامہ تبلیغ کی تحریک کا شروع کرنا ہے۔ اس کا آغاز میوات سے ہوا۔ مولانا نے شب وروز محنت سے اس علاقے میں بہت سے مکتب قائم کیے اور آہستہ آہستہ اصلاح وتبلیغ کا کام پھیلنے اور اثر دکھانے لگا۔ پھر انہوں نے عمومی دعوت وتبلیغ کا منصوبہ بنایا اور تبلیغی گشت شروع کیے۔ چند برسوں میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ دور دور تک تبلیغی جماعتیں جانے لگیں اور پورے برصغیر میں اصلاح وتبلیغ کا کام ہونے لگا مولانا کی

ساری زندگی اس تحریک کی نذر ہوگئی اورانہوں نے اسے اپنی آنکھوں سے کامیابی سے ہمکنار ہوتے دیکھ لیااور آج پورے عالم اسلام میں یہ عظیم کام ہورہا ہے۔

مزید حالات کیلئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت'' ملاحظہ فرمائیں۔

امام المفسرین

حضرت مولانا حسین علی واں بچھرانویؒ

ولادت:۔ آپ ۱۲۸۴ھ بمطابق ۶۷۔۱۸۶۸ء میں واں بچھراں ضلع میانوالی کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ آپ نے رجب ۱۳۶۳ھ بمطابق ۱۹۴۳ء میں رحلت فرمائی۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم قریبی علاقہ شادیا میں حاصل کی بعض کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔۱۳۰۲ھ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا کچھ عرصہ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ سے تفسیر قرآن کا درس لیا۔۱۳۰۴ھ میں مولانا احمد حسن کانپوریؒ سے منطق وفلسفہ کی تکمیل کر کے وطن لوٹے۔

تدریس:۔ آپ کا کوئی باقاعدہ مدرسہ نہ تھا، بلکہ آپنے بدعت زدہ علاقہ اور ماحول میں برس ہابرس محنت شاقہ سے توحید کی شمع روشن کی اور قرآن کی تعلیم کو عام کرنا شروع کر دیا۔ طلباء دور دور سے آپ کے پاس استفادہ کے لیے حاضر ہوتے۔ خود کھیتی باڑی کرتے تھے اور طلبہ کے اخراجات پورے کرتے تھے۔

بیعت واجازت:۔ آپ حضرت خواجہ محمد عثمان درمانیؒ سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد خواجہ سراج الدینؒ کی طرف رجوع کیا اور انہی سے خلافت حاصل کی۔

تصانیف:۔ آپ نے ہر موضوع پر کتابیں لکھیں، جن میں بلغۃ الحیران فی ربط آیات القرآن، تبیان فی تفسیر القرآن، تلخیص الطحاوی، تحریرات حدیث، تقاریر صحیح بخاری، تقاریر مسلم، برہان التسلیم، فتح القدیر، تحفہ ابراہیمیہ اور حواشی فوائد عثمانیہ قابل ذکر ہیں۔

اہم کارنامے :۔ توحید کی اشاعت آپ کا اولین مقصد تھا۔ شرک وبدعت کے خلاف نہ صرف وعظ کیے بلکہ مناظرے، مباحثے اور علمی گفتگو بھی کیں۔ وعظ وتقریر کے علاوہ تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی شرک وبدعت کے خاتمہ کے لیے بڑا کام کیا۔

امام اہلسنّت

حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ

ولادت :۔ آپ ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ کو کاکوری میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ کو رحلت فرمائی۔

تعلیم :۔ ابتدائی کتابیں مولانا نور محمد فتح پوریؒ سے پڑھیں۔ پھر لکھنو کا سفر کیا اور تمام درسی کتابیں مولانا عین القضاۃ بن محمد وزیر حیدر آبادیؒ سے پڑھیں۔ علم طب کی تحصیل حکیم عبد الولیؒ سے کی۔

تدریس :۔ فراغت کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریس پر مامور ہوئے اور ایک عرصہ تک پڑھاتے رہے۔ پھر لکھنؤ آکر اپنے استاد کے مدرسہ فاروقیہ میں تدریس کرنے لگے اور ایک مدت تک پڑھاتے رہے۔ آپ نے لکھنؤ میں ایک تاریخی ادارہ قائم کیا جہاں فارغ التحصیل علماء کو مناظرے کی تربیت دی جاتی۔

بیعت واجازت :۔ آپ نے شاہ ابو احمدؒ (خلیفہ شاہ عبد الغنی مجددیؒ) کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت حاصل کی۔

تصانیف :۔ آپ کی بہترین تصانیف میں علم الفقہ، ترجمہ اسد الغابہ، ترجمہ تاریخ طبری، ترجمہ ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء، مجموعہ تفسیر آیات الامامۃ والخلافۃ، سیرت خلفاء راشدین اور سیرت النبیؐ کے موضوع پر تحفۃ الجزیہ اور سیرت الحبیب الشفیع من الکلام العزیز الرفیع وغیرہ شامل ہیں۔

اہم کارنامے :۔ اہلسنت کے دفاع اور شیعہ کے رد میں کئی کامیاب مناظرے کیے۔ لکھنؤ میں دار المبلغین قائم کیا اور مستند علماء کو فرق باطلہ سے ٹکر لینے کے علمی انداز سکھائے۔ سینکڑوں علماء نے آپ سے تربیت مناظرہ حاصل کی۔

رہبرِ ہدایت

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

ولادت:۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۹۵ھ میں ضلع سرگودھا میں ہوئی۔

وفات:۔ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ وفات پائی۔

تعلیم:۔ قرآن مجید اپنے تایا مولانا کلیم اللہؒ کے پاس حفظ کیا اور فارسی کے چند رسالے بھی انہی سے پڑھے صرف ونحو کی کتابیں مولانا محمد رفیق سے پڑھیں۔ اس کے بعد ہندوستان کے مختلف مدارس عربیہ میں درس نظامی کی کتابیں پڑھتے رہے۔ پھر پانی پت، سہارنپور اور دہلی میں قیام کر کے درس نظامی کی تکمیل کی اور منطق وفلسفہ میں مہارت حاصل کی۔ حدیث کی کتابیں مدرسہ عبدالرب دہلی میں مولانا عبدالعلیؒ سے پڑھیں۔ دہلی میں قیام کے دوران امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے درس میں حاضر ہو کر ترمذی شریف کے چند اسباق کی سماعت کی پھر طب یونانی کی تحصیل کی۔

تدریس:۔ کچھ عرصہ بریلی اور دوسرے مقامات میں قرآن وحدیث کا درس دیتے رہے۔

بیعت واجازت:۔ خانقاہ رائپور میں حاضر ہو کر حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ سے بیعت ہوئے۔ وقت وصال آپ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا اور رائپور میں رہنے کی تلقین کی۔

اہم کارنامے:۔ ساری زندگی طالبین حق کی اصلاح وتربیت میں گزار دی۔ پورے پینتالیس سال تک رونق تلقین وارشاد کا باعث بنے رہے۔ اپنے عمل واخلاص سے رشد وہدایت کو دنیا میں عام کیا اور اشاعت وترویج میں ہر ممکن کوشش کی۔ سینکڑوں علماء کو روحانی منازل طے کرائیں جن میں سے امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اور لاکھوں مسلمانوں کو فسق وفجور اور بدعات سے توبہ کرائی۔

بانی جامعہ اشرفیہ لاہور

حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ

ولادت:۔ آپ قصبہ داؤد پور میں ۱۸۷۸ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۶ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ بمطابق یکم جون ۱۹۶۱ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی۔ فارسی قاضی نور محمد سے پڑھی۔ عربی صرف ونحو اٹک کے عربی مدارس میں اور فلسفہ ومنطق کی تعلیم ہزارہ کے معروف عالم دین مولانا محمد معصومؒ سے پائی۔ بقیہ علوم فنون تفسیر وحدیث اور فقہ وکلام کی تکمیل امرتسر کے مدرسہ غزنویہ میں کی۔ پھر دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے بھی دورۂ حدیث پڑھا اور سند فراغت حاصل کی۔ فن قرأت مولانا قاری کریم بخشؒ سے حاصل کی۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد امرتسر میں درس وتدریس کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کو مدرسہ غزنویہ امرتسر کا صدر مدرس بنا دیا گیا۔ آپ نے کم وبیش ۴۸ سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ امرتسر میں آپ نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا جو چالیس سال قائم رہا۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور میں ایک مدرسہ جامعہ اشرفیہ کے نام سے ۸ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ بمطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۴۷ء میں قائم فرمایا۔

مشہور تلامذہ:۔ بڑے بڑے علماء وصلحاء آپ کے فیض علمی وروحانی سے مستفید ہوئے جن میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری، شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، عارف باللہ مولانا مفتی محمد خلیلؒ، مولانا قاری فتح محمد پانی پتیؒ، مولانا بہاؤ الحق قاسمیؒ، مولانا اسماعیل غزنویؒ، مولانا عبید اللہ امرتسری اور مولانا محمد سرور خان جیسے مشاہیر علم وفضل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بیعت واجازت:۔ آپ کا روحانی سلسلہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے منسلک تھا۔ آپ کو ۱۳۴۳ھ طریقت کے چاروں سلسلوں میں بیعت فرمایا اور تین سال کے مختصر عرصہ میں حکیم الامتؒ نے آپ کو خلعت خلافت سے نوازا۔

اہم کارنامے:۔ دینی خدمات کے علاوہ آپ نے سیاسی وملی خدمات بھی انجام دیں ہیں، تحریک پاکستان میں دوسرے رفقاء علماء کی طرح آپ بھی حصہ لیتے رہے اور قیام پاکستان کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشاں رہے۔ قرارداد مقاصد میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیعؒ کے معاون اور مشیر رہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی بھرپور حصہ لیا اور مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے صدر نشین رہے اور ہمیشہ ہر باطل کے سامنے کلمہ حق بلند کرتے رہے۔

مزید تفصیلات کیلئے دیکھیں ''بزم اشرف کے چراغ'' مؤلفہ جناب احمد سعید۔

استاذ العلماء

حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ

ولادت:۔ آپ ۱۸۷۱ء کے لگ بھگ تحصیل بٹگرام ضلع ہزارہ میں مولانا محمود علیؒ کے گھر پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ کو جان آفرین سپرد کر دی۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے ہی میں حاصل کی پھر احمد المدارس سکندر پور تشریف لے گئے۔ اور مولانا احمد فاضل ہزارویؒ سے درس نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیو بند گئے جہاں تین سال کے عرصہ میں باقی ماندہ کتابیں پڑھیں پھر ۱۳۲۳ھ میں شیخ الہندؒ سے دورہ حدیث پڑھا اور سند فراغت حاصل کی۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد آپ مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں درس و تدریس پر مامور ہوئے اور ۱۳۲۳ھ سے ۱۳۳۲ھ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر دارالعلوم تشریف لائے اور ۱۳۳۳ھ تک دارالعلوم دیو بند ہی میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ بعد ازاں آپ اورینٹل کالج یونیورسٹی تشریف لائے اور ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۴ء تک اورینٹل کالج میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کو پڑھاتے رہے۔ پھر ۱۹۵۴ء سے ۱۹۷۱ء تک جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور ہزاروں تشنگان علوم کو اپنے چشمہ فیض علمی سے سیراب کرتے رہے۔

مشہور تلامذہ:۔ جن ممتاز علماء امت نے آپ سے شاگردی کا شرف حاصل کیا ان میں مفتی اعظمؒ پاکستان مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، مولانا ادریس کاندھلویؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مولانا شمس الحق افغانیؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مولانا محمود اشرف عثمانی جیسے جلیل القدر علماء شامل ہیں۔

بیعت و اجازت:۔ آپ اولاً شیخ الہندؒ سے بیعت ہوئے پھر ان کے انتقال کے بعد حکیم الامتؒ سے تعلق قائم کیا۔ ۳ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ کو حکیم الامتؒ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی۔

اہم کارنامے:۔ آپ ساری زندگی درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد میں مصروف رہے اور اپنے فیض علمی و روحانی سے ملت اسلامیہ کو مستفید فرماتے رہے۔

مزید تفصیل کیلئے جناب قاری فیض الرحمٰن صاحب کی کتاب ''تذکرۂ علماء سرحد'' دیکھیں۔

شیخ کامل

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ

ولادت:۔ آپ ۱۲۹۳ھ کو اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۱۲ اگست ۱۹۶۳ء کو رحلت فرمائی۔

تعلیم:۔ مولانا ابوالخیر مکی سے دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ جامع العلوم کانپور میں مشکوۃ شریف تک تعلیم حاصل کی پھر معقولات و منقولات کی تعلیم کے لیے مدرسہ عالیہ رامپور تشریف لے گئے۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد مدرسہ عربیہ سیتاپور میں کچھ عرصہ کے لیے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا پھر جونپور میں تقریباً پانچ سال تک صدر مدرس کے عہدے پر فائز رہے۔ پھر ۱۳۳۳ھ میں پھولپور میں ایک مدرسہ روضۃ العلوم قائم کیا۔ پھر ۱۳۴۹ھ میں قصبہ سرائے میر میں ایک اور مدرسہ بیت العلوم بھی قائم کیا۔

بیعت و اجازت:۔ ۱۳۳۸ھ میں آپ نے حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت کی اور خلافت سے نوازے گئے۔ آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرنے والوں میں حضرت مولانا حکیم محمد اختر مدظلہ اور حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔

تصانیف:۔ آپ نے کئی کتابیں بھی تالیف فرمائیں۔ جن میں معرفتِ الٰہیہ، معیتِ الٰہیہ، صراطِ مستقیم اور براہین قاطعہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تفصیلی حالات کیلئے دیکھیں ''بزمِ اشرف کے چراغ''

شیخ المعقولات

حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ

ولادت:۔ آپ ۱۳۰۴ھ میں مشرقی یوپی کے شہر بلیا کے ایک علمی گھرانے میں پیدا

ہوئے۔

وفات:۔ ۲۴ رمضان ۱۳۸۷ھ بمطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۶۷ء بروز چہار شنبہ عالم آخرت کو تشریف لے گئے۔

تعلیم:۔ جونپور میں فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا حکیم جمیل الدین نگینوی سے حاصل کی اور معقولات کی کتابیں مولانا فاروق احمد چڑیا کوٹی اور مولانا فضل حق خیر آبادی سے پڑھیں۔ دینیات کی تعلیم مولانا عبدالغفار سے حاصل کی۔ ۱۳۲۵ھ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر اولاً ہدایہ اور جلالین وغیرہ کتابیں پڑھیں پھر ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے۔

تدریس:۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ فتح پوری کے مدرس دوم بنائے گئے۔ پھر مراد آباد کے مدرسہ میں کچھ عرصہ تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ۱۳۳۷ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں بلا لیا گیا۔ ۱۳۴۰ھ سے ۱۳۴۴ھ تک مدرسہ دارالعلوم اعظم گڑھ اور مدرسہ امدادیہ بہار میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۴۴ھ میں آپ کو پھر دارالعلوم دیوبند میں بلا لیا گیا۔ ۱۳۶۴ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مسند صدارت کو رونق بخشی۔ پھر کچھ عرصہ تک مدرسہ عالیہ فتح پوری میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں بنگال میں چاٹگام کے مدرسہ میں صدر مدرس رہے اور بالآخر ۱۳۶۶ھ میں پھر دارالعلوم دیوبند آ گئے۔ ۱۳۷۷ھ میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بعد آپ دارالعلوم کی مسند صدارت تدریس پر فائز ہوئے اور تادم حیات وہیں رہے۔ آپ کے درس و تدریس کی مدت ۱۳۲۸ھ سے ۱۳۸۷ھ تک ساٹھ سال ہوتی ہے۔

بیعت واجازت:۔ حضرت شیخ الہندؒ سے آپ کو بیعت کا شرف بھی حاصل تھا۔

تصانیف:۔ آپ نے چند مفید رسائل بھی تالیف فرمائے جس میں رسالہ مصافحہ اور رسالہ تراویح اردو میں ہیں۔ ایک رسالہ انوار الحکمۃ فارسی میں ہے۔ یہ رسالہ منطق و فلسفہ کے مضامین پر مشتمل ہے۔ سلم العلوم پر آپ کا حاشیہ عربی میں ضیاء النجوم ہے۔ آخر میں جامع ترمذی شریف پر حاشیہ لکھ رہے تھے۔ جس کے پورے ہونے کی نوبت نہ آ سکی اور صحت خراب ہوتی چلی گئی۔

محدثِ کامل

حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ

ولادت :۔ آپ کی ولادت ہندوستان کے مشہور شہر کاندھلہ میں ہوئی تاریخ نامعلوم ہے۔

وفات :۔ جنوری ۱۹۵۸ء میں آپ نے رحلت فرمائی۔

تعلیم :۔ کاندھلہ میں ہی مولانا عبداللہ سے فارسی وعربی کی کتابیں پڑھیں۔ پھر مدرسہ سلیمانیہ بھوپال میں پیر ابواحمد سے چند کتابیں پڑھیں۔ پھر خانقاہِ تھانہ بھون میں ہدایہ مشکوٰۃ کے درجہ تک کی تمام کتابیں حضرت تھانویؒ سے پڑھیں پھر مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا اوردورۂ حدیث پڑھا۔فن طب کی تکمیل مولانا صدیق کاندھلویؒ سے کی

تدریس :۔ تعلیم سے فراغت کے بعد خرجو تشریف لائے اور کچھ زمانہ تک وہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔اس کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم میں مفتی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ پھر مدرسہ اشرفیہ دہلی میں تشریف لے گئے۔لیکن کچھ عرصہ بعد مدرسہ عالیہ فتح پوری چلے آئے اور اپنی زندگی کے اٹھارہ سال اس مدرسہ میں گزارے پھر اکتوبر ۱۹۴۶ء میں بھوپال آئے جہاں جامع احمدیہ میں محدث اول کے عہدہ پر فائز ہوئے۔قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں درس وتدریس کا سلسلہ قائم فرمایا اورآخردم تک یہی سلسلہ قائم رہا۔

بیعت واجازت :۔ حضرت تھانویؒ نے آپ کو مجاز صحبت ہونے کا شرف بخشا اورآپ کی باطنی تربیت فرمائی۔

تصانیف :۔آپ نے چند بلند پایہ کتابیں بھی تالیف فرمائیں۔جن میں جامع ترمذی کی مفصل عربی شرح، شمائل ترمذی کی شرح، حاشیہ سنن نسائی، مراۃ التفسیر، احسن البیان فی مقدمۃ القرآن، تفسیر سورۂ فاتحہ اوراحکام رمضان وغیرہ شامل ہیں۔

اہم کارنامے :۔آپ نے ہدایت المسلمین بھوپال کے زیر اہتمام پوری ریاست کے تبلیغی دورے کیے۔انجمن ہدایت المسلمین کے رسالہ نشانِ منزل کی ادارت بھی آپ کے ہی سپرد تھی۔اس میں آپ تفسیر قرآن کریم کے زیر عنوان مسلسل مضمون تحریر فرمایا کرتے تھے۔

ادیبِ شہیر

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

ولادت:۔ آپ ۹ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو اپنے ننھیال کے ہاں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۲۵ شوال المکرم ۱۳۷۵ھ بمطابق ۵ جون ۱۹۵۶ کو وفات پائی۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن گیلان میں حاصل کی پھر ۱۳۲۴ھ میں مزید تعلیم کے لیے ٹونک گئے اور مولانا برکات احمد سے سات سال تک معقولات کی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھیں پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۳۳۲ھ میں دورۂ حدیث میں شریک رہ کر کتب حدیث کی سند حاصل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہ آپ کے ممتاز اساتذہ میں سے تھے۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد حیدرآباد دکن میں جامعہ عثمانیہ میں علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ جہاں ہزاروں افراد نے آپ کے درس وتربیت سے فیض حاصل کیا اور تقریباً ۲۵ برس تک وہیں خدمات انجام دیتے رہے۔

بیعت واجازت:۔ آپ کے شیخ ومربی حضرت حکیم الامت تھانویؒ تھے۔

تصانیف:۔ بہت سی مفید اور علمی تصانیف آپ کے قلم سے نکلیں جن میں کائنات روحانی، سوانح ابوذر غفاریؓ النبی الخاتمؐ، اسلامی معاشیات، رحمۃ اللعالمینؐ، امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی، الدین القیم، تدوین حدیث اور سوانح قاسمی کی تین جلدیں آپ کے علمی شاہکار ہیں۔ ان کے علاوہ علمی اور تحقیقی مضامین اور سینکڑوں مقالات آپ کے قلم سے نکلے۔

اہم کارنامے:۔ آپ کی ساری زندگی درس وتدریس، تبلیغ وارشاد اور خدمت اسلام میں گزری، قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی طلبی پر پاکستان تشریف لائے اور مفتی محمد شفیعؒ اور دوسرے علماء حضرات کے ساتھ مل کر اسلامی آئین کی ترتیب وتدوین میں حصہ لیا۔ دارالعلوم دیوبند میں اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ تک رسالہ القاسم اور الرشید میں معاون مدیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اس زمانے میں آپ نے اپنے مضامین ومقالات اور والہانہ طرز نگارش سے علمی حلقوں میں نمایاں مقام حاصل کرلیا تھا۔

تفصیلی تذکرے کیلئے دیکھیں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ''پرانے چراغ''

فقیہ و محدث

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ

ولادت:۔ آپ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور کے ایک گھر میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ بمطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

ابتدائی تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم دیوبند میں حاصل کی۔ پھر مدرسہ مظاہر العلوم میں محدث عصر مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے سامنے زانوئے ادب طے کیا اور ایک عظیم محدث، مفسر، محقق اور شیخ کامل بن کر نکلے۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم میں مدرس مقرر ہوئے۔ سات سال کے بعد تھانہ بھون تشریف لے گئے اور وہاں بھی سات سال تک حدیث وفقہ اور منطق کا درس دیتے رہے۔ ایک طویل عرصہ تک ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ میں درس دیتے رہے۔

مشہور تلامذہ:۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، مولانا اسعد اللہ سہارنپوری، مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا مفتی دین محمد بنگالیؒ، مولانا شمس الحق فریدپوریؒ، مولانا محمود داؤد ہاشمؒ، مفتی اعظم برما، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا محمد مالک کاندھلویؒ اور مولانا عبدالشکور ترمذیؒ جیسے مشاہیر علم وفضل آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

بیعت واجازت:۔ آپ کے پیر ومرشد حضرت حکیم الامتؒ تھے۔

تصانیف:۔ آپ نے کم وبیش پچیس برس تک تصنیف وتالیف کا کام کیا اور سینکڑوں کتابیں آپ کے قلم فیض رقم سے منصۂ شہود پر آئی ہیں۔ جن میں اعلاء السنن بیس جلدوں میں، احکام القرآن، تلخیص البیان، القول المیسور فی تسہیل تبات التیور، امداد الاحکام، القول الماضی مخانصب القاضی، کشف الدجیٰ عن وجہ الربوا، فتح الظفر، تردید پرویزیت، براۃ عثمان، فاتحۃ الکلام فی القراءۃ خلف الامام، معاویہ ابن سفیانؓ، فضائل جہاد وقرآن، فضائل سید

مرسلین، سفر نامہ حجاز، حقیقت معرفت انجاء الوطن، ولادت محمدیہ کا راز اور انوار النظر فی آثار الظفر وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اہم کارنامے:۔ مسلم لیگ کی جدوجہد آزادی قیام پاکستان کے سلسلہ میں آپ کی خدمات جلیلہ ناقابل فراموش ہیں۔ سہلٹ ریفرنڈم کی مہم جو نہایت معرکہ آراء مہم تھی اس کی فتح کا سہرا آپ کے سر تھا۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں تحریک پاکستان کی حمایت کی اور اکابر علماء کی ایک تنظیم جمعیت علماء اسلام (قدیم) قائم کی۔ قیام پاکستان کے بعد نظام اسلام کے نفاذ کے لیے انتھک محنت کرتے رہے۔ ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد کے نام سے دستور اسلامی کا ایک خاکہ مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا ادریس کاندھلویؒ کے ساتھ مل کر قومی اسمبلی میں پاس کرایا۔

مزید حالات جاننے کیلئے ''حیاتِ ظفر'' اور ''بزم اشرف کے چراغ'' دیکھیں۔

مفتی اعظم پاکستان ؒ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

ولادت:۔ آپ ۲۰ اور ۲۱ شعبان ۱۳۱۴ھ بمطابق ۱۸۹۷ء کی درمیانی شب دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۹ اور ۱۰ شوال المکرّم ۱۳۹۶ھ بمطابق ۵/۶ اکتوبر کی درمیانی شب کو آپ نے رحلت فرمائی۔

تعلیم:۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید کی تعلیم شروع کی۔ فارسی کی تمام مروجہ کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ فن ریاضی کی تعلیم اپنے چچا سے حاصل کی۔ سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم کے درجہ عربی میں داخل ہوئے اور ۱۳۳۵ھ میں فارغ ہوئے۔

مشہور اساتذہ:۔ جن عظیم المرتبت علماء کرام سے آپ نے شرف تلمذ حاصل کیا ان میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا عزیز الرحمٰن علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ جیسے اکابرین شامل ہیں۔

تدریس:۔ ۱۳۳۵ھ کو دارالعلوم دیوبند میں آپ کو ابتدائی کتب کی تعلیم کے لیے استاد مقرر کیا گیا، پھر بہت جلد درجہ علیا کے استاد ہوگئے اور تقریباً ہر علم وفن کی جماعتوں کو پڑھایا۔ دارالعلوم میں تدریس کا یہ سلسلہ ۱۳۶۲ھ یعنی ۲۷ سال تک جاری رہا۔

بیعت واجازت:۔ ۱۹۲۰ء میں شیخ الہندؒ سے بیعت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ۱۳۴۶ھ میں حکیم الامت تھانویؒ سے بیعت ہوئے اور انہوں نے ۱۳۴۹ھ میں آپ کو اپنا خلیفہ اور مجاز بیعت قرار دے دیا۔

تصانیف:۔ آپ کے قلم سے تین سو سے زائد تصانیف وتالیفات منصۂ شہود پر آئیں جن میں اسلام کا نظام اراضی، ختم نبوت کامل، سیرت خاتم الانبیاء، کشکول، جواہر الفقہ، مقام صحابہؓ، مجالس حکیم الامتؒ، احکام القرآن، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند یعنی امداد المفتیین اور تفسیر معارف القرآن ۸ جلدوں میں علمی دنیا کا شاہکار ہیں۔

مناصب:۔ ۱۳۴۹ھ میں دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کے صدر مفتی منتخب ہوئے۔ پہلے جمعیت علمائے اسلام کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے پھر علامہ عثمانیؒ کی وفات کے بعد مرکزی صدر منتخب ہوئے۔ آپ دستوریہ کے تعلیمات اسلامیہ بورڈ کے ایک اہم رکن رہے بعد میں قانون کمیشن کے ممبر نامزد ہوئے۔ پھر ۱۹۵۴ء میں تعلیمات اسلامیہ بورڈ کے صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۵۸ء تک یہ خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۷۰ھ میں نہایت بے سروسامانی کے عالم میں ایک مدرسہ دارالعلوم کراچی قائم کیا۔ جس کے بانی آپ تھے۔

اہم کارنامے:۔ دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے دوران دارالافتاء کا کام کرتے رہے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے فقہی مسائل کا حل فرماتے رہے۔ تحریک پاکستان میں زبردست حصہ لیا۔ مسلم لیگ کی اصلاح وتربیت کرتے رہے۔ ۱۹۴۵ء میں لیاقت علی خان کے حلقۂ انتخاب میں مسلم لیگ کی حمایت میں فتویٰ صادر فرمایا۔ جس کی بدولت رخ بدل گیا اور لیاقت علی خان کامیاب ہوئے۔ قراردادِ مقاصد کی ترتیب وتدوین اور اس کی منظوری میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔ ۱۹۵۱ء میں بائیس نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ حکومت پاکستان کو پیش کیا۔ ۱۳۷۰ھ میں ایک مدرسہ دارالعلوم کے نام سے کراچی میں قائم فرمایا جو پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کی مثال ہے۔

تفصیلی حالات جاننے کیلئے حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی کی ''حیات مفتی اعظم'' پڑھیں۔

مفسر، محدّث، سیرت نگار

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

ولادت:۔ آپ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ بمطابق ۱۹۰۰ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۷ رجب المرجب ۱۳۹۴ھ بمطابق ۱۹۷۴ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

تعلیم:۔ نو سال کی عمر میں آپ نے اپنے والد ماجد سے قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر دینی تعلیم کے لیے مدرسہ اشرفیہ میں داخل ہوئے اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں حکیم الامتؒ سے پڑھیں۔ پھر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں تفسیر وحدیث، فقہ، کلام، منطق وفلسفہ اور دیگر علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ انیس برس کی عمر میں تمام علوم وفنون کی تعلیم سے فراغت حاصل کی۔ لیکن پھر دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور دوبارہ دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں سے تھے۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد ۱۹۲۱ء میں مدرسہ امینیہ دہلی میں ایک سال مدرس رہے۔ پھر دار العلوم دیوبند سے وابستہ ہوئے اور تقریباً نو برس تک درس وتدریس دیتے رہے۔ پھر حیدر آباد دکن میں تشریف لے گئے جہاں نو برس تک قیام فرمایا۔ پھر ۱۹۴۹ء میں پاکستان تشریف لائے اور دو برس جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الجامعہ کی حیثیت سے قیام فرمایا۔ پھر لاہور میں جامعہ اشرفیہ میں شیخ التفسیر والحدیث کے عہدہ پر فائز ہوئے اور آخر دم تک اسی جامعہ سے وابستہ رہے۔

بیعت واجازت: آپ کا روحانی سلسلہ حضرت حکیم الامتؒ سے منسلک تھا۔

تصانیف:۔ آپ کے قلم فیض رقم سے سینکڑوں تالیفات منصۂ شہود پر آئیں۔ جن میں تفسیر معارف القرآن، التعلیق شرح مشکوٰۃ (عربی)، سیرت مصطفیٰؐ، شرح بخاری، عقائد اسلام، اصول اسلام، خلافت راشدہ، ختم نبوت اور اسلام ونصرانیت علمی شاہکار ہیں۔

اہم کارنامے:۔ آپ نے کراچی سے خیبر تک تبلیغی دورے کیے اور اعلائے کلمۃ الحق بلند کیا۔ لاکھوں مسلمانوں کی اصلاح فرمائی۔ آخری دم تک پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ

کے لیے کوشاں رہے۔ تحریک ختم نبوت ؐ میں بھی بھرپور حصہ لیا اور تحریر وتقریر کے ذریعہ قادیانیت کی تردید کرتے رہے۔

مزید حالات کیلئے دیکھیں ''بزم اشرف کے چراغ''

محقق کامل

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ؒ

ولادت :۔ آپ ١٣١٦ھ کو میرٹھ کے شہر بدایوں میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ٣ رجب ١٣٨٥ھ بمطابق ١٢٩ کتوبر ١٩٥٦ء بروز جمعہ کو رحلت فرما گئے۔

تعلیم :۔ ابتدائی تعلیم الہ آباد کے سکول میں پائی ١٣٣٠ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی، لیکن پھر مکرر دورۂ حدیث کے لیے دارالعلوم دیوبند گئے اور اکابر علماء سے دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھیں۔

مشہور اساتذہ :۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ، مولانا حافظ عبداللطیف ؒ، علامہ انور شاہ کشمیری ؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ اور مولانا سید اصغر حسین دیوبندی ؒ جیسے اکابرین آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔

تدریس :۔ پہلے ١٣٣٧ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس مقرر ہوئے۔ پھر ١٣٣٠ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مسندِ تدریس پر فائز ہوئے۔ ١٣٤٦ھ کے وسط میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے، وہاں تدریس کے ساتھ ساتھ پانچ سال تک علامہ کشمیری ؒ کے درسِ صحیح بخاری میں شریک ہوتے رہے۔ ١٧ سال تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں علم حدیث کی تدریسی خدمات انجام دیں۔ آخر میں صدر مدرس منتخب ہوئے۔ پھر ١٩٤٧ء میں تقسیم ہند کے بعد پاکستان تشریف لائے اور دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو لہ یار میں استاد حدیث اور نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے۔

بیعت واجازت :۔ مولانا مفتی عزیز الرحمان عثمانی ؒ سے آپ کو شرف بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ بعد میں مولانا محمد اسحاق میرٹھی ؒ نے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا۔

تصانیف :۔ فیض الباری شرح بخاری، ترجمان السنۃ، جواہر الحکم، نزول عیسیٰ ؑ، زبدۃ

المناسک، آوازِ حق، ترجمہ الحزب الاعظم، شانِ حضور، قسمت کا ستارہ اور محبوب الارث وغیرہ آپ کے علمی شاہکار ہیں۔

اہم کارنامے:۔ آپ درس و تدریس اور تبلیغ وارشاد کے ساتھ ساتھ نظام اسلام کے نفاذ کے لیے کوشاں رہے اور اپنے ہم عصر علماء کے شانہ بشانہ دستور اسلامی کی ترتیب وتدوین میں مصروف رہے۔ ۱۹۵۱ء میں جید علماء کرام کے اجلاس میں شریک رہے۔ تحریک ختم نبوتؐ میں بھرپور حصہ لیا اور تحریر وتقریر کے ذریعہ رد قادیانیت فرماتے رہے۔

خیر الملّت

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ

ولادت:۔ آپ کی ولادت باسعادت جالندھر میں اپنے ننھیال کے ہاں ۱۸۹۵ء کو ہوئی۔

وفات:۔ ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

تعلیم:۔ ۱۹۰۲ء میں مدرسہ رشیدیہ جالندھر میں دو سال تک پڑھتے رہے۔ بعد ازاں مدرسہ رشیدیہ رائے پور میں صرف ونحو واصول، منطق وفلسفہ اور ادب کی کتابیں پڑھیں۔ پھر مدرسہ منبع علوم گلاؤٹھی میں علوم وفنون اخذ کیے۔ پھر اعلیٰ تعلیم مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں حاصل کی۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں ہی تدریس پر مامور ہوئے تقریباً ایک سال کے بعد ۱۳۳۶ھ میں مدرسہ عربیہ بہاولپور میں بحیثیت صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا اور ایک عرصہ تک درس نظامی کی تمام کتابیں پڑھاتے رہے۔ بعد ازاں مدرسہ عربیہ جالندھر میں درس وتعلیم اور اصلاح وتربیت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ پھر ۱۹ شوال ۱۳۴۹ھ بمطابق ۹ مارچ ۱۹۳۱ء کو جالندھر میں ایک مدرسہ عربیہ خیر المدارس قائم فرمایا اور ۱۹۴۷ء تک وہاں تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملتان میں خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی۔ اور وہیں تادم حیات تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے۔

بیعت واجازت :۔ حکیم الامتؒ نے ۹ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ کو خانقاہِ اشرفیہ میں آپ کو چاروں سلسلوں میں بیعت کیا اور خلافت سے نوازا۔

تصانیف :۔ آپ نے چند مفید رسائل بھی تصنیف فرمائے۔ جن میں خیر الاصول، خیر التنقید فی اثبات التقلید، خیر الوسیلہ، تیسیر الابواب، خیر المصابیح فی اثبات التراویح، نماز حنفی مترجم اور شرح صحیح بخاری شامل ہیں۔

اہم کارنامے :۔ مسلمانوں کی اصلاح وتربیت کے لیے ہر طرح کوشاں رہے۔ تحریک پاکستان میں شریک رہے۔ قراردادِ مقاصد اور اسلامی نفاذ اسلامی میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے دست راست تھے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور تعاون فرمایا اور زندگی کے آخر لمحات تک مجلس تحفظ ختم نبوت کے سرپرست، مشیر اور مجلس شوریٰ کے صدر نشین رہے۔

مفصل حالات کیلئے ''بزمِ اشرف کے چراغ'' پڑھیں۔

محدث جلیل

حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمبلپوریؒ

ولادت :۔ آپ کی پیدائش ۱۷ اگست ۱۸۷۲ء کو ضلع کیمبل پور (اٹک) میں ہوئی۔

وفات :۔ ۲۷ شعبان ۱۳۸۵ھ بمطابق دسمبر ۱۹۶۵ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

تعلیم :۔ ابتدائی تعلیم عربی اور فارسی شمس آباد میں پڑھی۔ پھر مکھڈ میں مولانا قاضی عبدالرحمٰن سے شرح جامی اور ملاحسن تک کتابیں پڑھیں۔ پھر ۱۹۱۲ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا خلیل احمدؒ، مولانا عبداللطیف اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جیسے اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھا اور ۱۳۳۱ھ میں فارغ ہوئے۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہندؒ، علامہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہ سے دورۂ حدیث مکرر پڑھا۔

تدریس :۔ فراغت کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۴ھ میں مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی جگہ آپ صدر مدرس مقرر ہوئے اور قیام پاکستان تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر مدرسہ خیر المدارس میں تین سال علوم حدیث پڑھاتے رہے۔ پھر شوال ۱۳۶۹ھ میں دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے، آخر

حیات میں جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کے شیخ الحدیث رہے۔

مشہور تلامذہ:۔ مولانا ادریس کاندھلویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا عبدالشکور کامل پوریؒ، مولانا اسعد اللہ سہارنپوریؒ، مولانا شمس الحق فرید پوریؒ، مفتی جمیل احمد تھانویؒ، مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ وغیرہ آپ کے جلیل القدر تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ اور قاری سعید الرحمٰن صاحب آپ کے صاحبزادے ہیں۔

بیعت واجازت:۔ آپ نے پہلے مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے دستِ حق پر بیعت کی۔ پھر حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ یہ خصوصیت صرف آپ کو حاصل ہے کہ حضرت تھانویؒ نے آپ کو بیعت سے پہلے ہی خلافت سے سرفراز فرما دیا تھا۔

مفصل حالات کیلئے مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب کی کتاب ''تجلیاتِ رحمانی'' ملاحظہ فرمائیں۔

امام الاولیاء

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

ولادت:۔ آپ گوجرانوالہ قصبہ جلال میں ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ کو پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم اپنی والدہ محترمہ سے حاصل کی پھر مدرسہ دارالرشاد میں چھ سال تک علوم دینیہ کی تکمیل کی اور ۱۹۲۷ء میں آپ فارغ التحصیل ہوئے۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد مدرسہ دارالرشاد میں مدرس مقرر ہوئے۔ تقریباً تین سال تک تدریس میں مشغول رہے۔ پھر نواب شاہ کے ایک مدرسہ میں آگئے۔ اس کے بعد علی گڑھ میں بھی تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ پھر آپ نے ایک مدرسہ قاسم العلوم قائم کیا جس میں آپ درس قرآن دیتے رہے۔

تصانیف:۔ آپ نے قرآن پاک کا رواں رواں اردو ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ چونتیس چھوٹے چھوٹے رسالے تالیف فرمائے جن میں رسوم الاسلامیہ، اسلام میں نکاح بیوگان،

ضرورۃ القرآن، اصلی حنفیت، رسول اللہ ﷺ کے وظائف، میراث میں شریعت، توحید مقبول، فوٹو کا شرعی فیصلہ، صد احادیث کا گلدستہ اور فلسفۂ روزہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اہم کارنامے:۔ آپ داستان تحریک آزادی ہند کے امین تھے، ہر ملی مصیبت میں آپ نے قوم کا ساتھ دیا۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۳۱ء میں میکلیگن انجینئرنگ کالج لاہور کے انگریز پرنسپل نے پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف نازیبا کلمات استعمال کیے تو آپ نے اس کے خلاف کلمۂ حق بلند کیا۔ اس سلسلہ میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اسلام کی ترقی کے لیے انجمن خدام الدین کا قیام عمل میں لایا، نظامۃ المعارف القرنیہ کے نام پر علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کی ایک مخلوط جماعت تیار کی جس کا مقصد حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق تبلیغی مشن چلانا تھا۔

تفصیلی حالات و واقعات کیلئے حاکم علی صاحب کی کتاب ''حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے حیرت انگیز واقعات'' ملاحظہ فرمائیں۔

امیر شریعت

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

ولادت:۔ جمعہ بوقت سحر ۱۴ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو پٹنہ صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ بمطابق ۱۹۶۱ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے نانا سے حاصل کی قرآن کریم بھی انہی سے حفظ کیا۔ قرأت قاری سید عمر عاصم عرب سے سیکھی۔ پنجاب منتقل ہوئے تو راجووال میں قاضی عطاء محمد کے مدرسہ میں پڑھتے رہے۔ ۱۹۱۴ء کو امرتسر آ گئے اور مولانا نور احمد امرتسریؒ سے تفسیر پڑھی۔ فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ سے حاصل کی اور حدیث کی تعلیم مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ سے حاصل کی۔

بیعت و اجازت:۔ آپ اولاً پیر سید مہر علی شاہؒ سے بیعت ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ سے بیعت ہوئے اور خلافت، سے مشرف ہوئے۔

اہم کارنامے:۔ آپ ہندوستان کے شعلہ بیان مقرر، عظیم مجاہد اور تحریک آزادی کے

نامور رکن تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب انگریزوں نے ہندوستان میں رولٹ ایکٹ نافذ کیا تو آپ نے برصغیر کے کونے کونے میں اپنی سحر انگیز خطابت کے موتی بکھیر دیئے۔ پھر مولانا داؤد غزنوی کی تحریک پر خلافت کی تحریک میں شامل ہوئے شاہ جی نے چالیس برس تک تنہا شرک و بدعات، رسومات اور تمام سماجی برائیوں کے خلاف مسلسل جہاد کیا، انگریزوں کو ناکوں چنے چبوائے اور مرزائیت کو شکست فاش دی، اس کے علاوہ دریدہ دہن آریہ سماجیوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ آزادیٔ وطن کے حصول اور ختم نبوت کی حفاظت کے لیے جو شاہراہ آپ نے متعین کر لی تھی آخری سانس تک اسے نبھاتے رہے۔

مزید حالات جاننے کیلئے آغا شورش کشمیریؒ کی کتاب ''سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ'' اور سید امین گیلانی کی ''بخاری کی باتیں'' پڑھیں۔

رئیس الاحرار

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ

ولادت:۔ آپ ۱۰ صفر ۱۳۱۱ھ کو لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۱ صفر ۱۳۷۶ھ کو وفات پائی۔

تعلیم:۔ قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم گھر کے مدرسہ لدھیانہ میں حاصل کی۔ پھر آپ کے والد ماجد نے جالندھر کے عربی مدرسہ میں داخل کرا دیا۔ دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد امرتسر آ گئے۔ بعد ازاں دار العلوم دیو بند میں داخل ہوئے اور فراغت حاصل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ مولانا نور احمد امرتسریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں سے تھے۔

اہم کارنامے:۔ ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کے واقعہ کے بعد انگریزوں کے خلاف جو تحریک اٹھی اس میں آپ نے عملی طور پر حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ سیاسی خدمات کے علاوہ بہت سی دینی کتب بھی شائع کرائیں اور تقریر و تحریر کے ذریعہ کلمۂ حق بلند کرتے رہے۔

مزید حالات و واقعات جاننے کیلئے جانباز مرزا کی کتاب ''کاروان احرار'' ملاحظہ

فرمائیں۔

شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

ولادت:۔ آپ ۱۱رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ کو کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔
وفات:۔ ۲رشعبان ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۹۸۲ء کو مدینہ منورہ میں رحلت فرما گئے۔
تعلیم:۔ اول تا آخر تمام تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی اور ۱۳۴۴ھ میں فارغ ہوئے۔
مشہور اساتذہ:۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا محمد یحییٰؒ، مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا عبداللطیفؒ آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں سے تھے۔
تدریس:۔ فراغت کے بعد مظاہر العلوم ہی میں مدرس مقرر ہوئے اور بہت جلد صدر مدرس مقرر ہو گئے۔ سہارنپوریؒ نے آپ کو شیخ الحدیث کا خطاب دیا جو آپ کے نام کے مستقل حصہ بن گیا۔
بیعت واجازت:۔ آپ نے روحانی سلسلہ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے قائم فرمایا اور خلافت سے نوازے گئے۔ ان کی رحلت کے بعد مولانا عبدالقادر رائپوریؒ سے تعلق قائم کیا اور ان سے بھی خلافت حاصل کی۔
تصانیف:۔ آپ نے کئی تصانیف لکھی ہیں جن میں تاریخ مشائخ چشت، تاریخ مظاہر، شرح مسلم، تقاریر مشکوٰۃ، یاد امام، شرح الفیہ اردو، خصائل نبویؐ، شرح شمائل ترمذی، اوجز المسالک، شرح موطا امام مالکؒ، فضائل اعمال، فضائل صدقات، حکایات صحابہؓ، الکوکب الدری، لامع الدری علی جامع البخاری، تقریر نسائی شریف، جامع الروایات، اکابر کا رمضان وغیرہ آپ کے علمی شاہکار ہیں۔
تفصیلی حالات کیلئے حضرت شیخ الحدیثؒ کی خودنوشت سوانح حیات ''آپ بیتی'' پڑھیں۔

حکیم الاسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ

ولادت:۔ آپ ۱۳۱۵ھ کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۶ شوال ۱۴۰۳ھ میں رحلت فرما گئے۔

تعلیم:۔ ۱۳۲۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ دو سال کی مدت میں قرآن شریف تجوید و قرأت کے ساتھ حفظ کیا۔ پانچ سال میں فارسی اور ریاضی کا کورس مکمل کیا اور آٹھ سال میں دارالعلوم سے عربی نصاب پورا کیا۔ اس طرح ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۸ء میں تعلیم سے فراغت حاصل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ آپ کے اساتذہ میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے اکابر شامل ہیں۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۱ھ میں آپ کو دارالعلوم کا نائب مہتمم بنا دیا گیا، پھر ۱۳۴۸ھ میں باقاعدہ طور پر دارالعلوم کا مہتمم مقرر کیا گیا۔ آپ حدیث کی اونچی اونچی کتابیں پڑھاتے تھے۔

بیعت و اجازت:۔ ۱۳۳۹ھ میں آپ حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد ۱۳۵۰ھ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے آپ کو خلافت سے نوازا۔

تصانیف:۔ آپ کی متعدد قابل قدر تصانیف چھپی ہیں جن میں التشبہ فی السلام، سائنس اور اسلام، تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام، دین و سیاست، اصول دعوت اسلام، مشاہیرات، کلمات طیبات، تاریخ دارالعلوم دیوبند، اسلامی مساوات، مسئلہ تقدیر اور سفر نامہ افغانستان وغیرہ مشہور تالیفات ہیں۔

فقیہ دوراں

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ

ولادت:۔ آپ ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر انڈیا میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۹۴ء کو لاہور میں رحلت فرما گئے۔

تعلیم :۔ علی گڑھ میں قرآن ختم کر کے اسکول میں اردو تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۳۳۲ھ میں مدرسہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں فارسی اور صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں۔ پھر جلال آباد کے ایک مدرسہ میں شرح جامی پڑھی۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کو مدرسہ مظاہر العلوم سہار نپور میں داخل ہوئے اور تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھ کر ۱۳۴۲ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مشہور اساتذہ :۔ مولانا عبداللطیفؒ، مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، مولانا اسعد اللہؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا ثابت علیؒ اور مولانا خلیل احمد سہار نپوریؒ، جیسے اکابر حضرات آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔

تدریس :۔ فراغت کے بعد حیدر آباد دکن کے ایک مدرسہ میں مدرس رہے۔ کچھ عرصہ بعد مدرسہ نظامیہ حیدر آباد میں نائب شیخ الادب کا عہدہ سونپا گیا۔ ایک سال بعد مدرسہ مظاہر العلوم میں مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے اور ہر علم وفن کی کتابیں پڑھاتے رہے اور ۱۳۶۰ھ تک مختلف علوم و فنون کا درس دیتے رہے۔ درمیان میں کچھ عرصہ خانقاہ اشرفیہ کے مدرسہ اور دار العلوم میں فتاویٰ اور درس وتدریس کی خدمت میں مشغول رہے۔ ۱۳۷۰ھ کو پاکستان تشریف لائے اور جامعہ اشرفیہ لاہور میں تدریسی وفقہی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۹۱ھ تک بلند پایہ کتابیں زیر درس رہیں۔ تیس برس تک جامعہ اشرفیہ کے صدر مفتی کے عہدہ پر فائز رہے۔

مشہور تلامذہ :۔ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ، مولانا شاہ ابرار الحقؒ، مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ اور مولانا فضل احمدؒ جیسے مشاہیر علماء آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

بیعت و اجازت :۔ آپ کا روحانی سلسلہ حضرت سہار نپوریؒ اور حکیم الامت تھانویؒ سے منسلک تھا۔ حضرت تھانویؒ نے آپ کو مولانا خلیل احمد سہار نپوریؒ سے بیعت کروایا تھا۔ پھر مولانا شاہ محمد اسعد اللہؒ نے آپ کو خلافت سے نوازا۔

تصانیف :۔ آپ نے بہت سی کتابیں اور رسائل تصنیف فرمائے ہیں، جن میں دعوت التبلیغ، تفسیر المنطق حاشیہ، تیسیر المنطق، تراجم الحماسین عربی، حاشیہ تبلیغ دین، اظہار الطرب، دعوت التجارۃ، جمال الاولیاء دلائل القرآن علی مسائل نعمان عربی، ارث الحفید، حلیۃ اللحیۃ، نصاب ونظام دینی مدارس، رسالہ ضرورت مذہب، عظمت حدیث، شرح بلوغ المرام اور الضحاوی علی الطحاوی وغیرہ شامل ہیں۔

مفتی تھانہ بھون

حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمہ اللہ

ولادت:۔آپ کی ولادت باسعادت ۱۵محرم الحرام ۱۳۱۵ھ کو کرنال میں ہوئی۔

وفات:۔۹رجب المرجب ۱۳۶۸ھ بمطابق ۸مئی ۱۹۴۸ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

تعلیم:۔قرآن شریف کی تعلیم اپنے قصبہ میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم تشریف لے گئے اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے ظل عاطفت میں علوم دینیہ کی تعلیم شروع کر دی۔اسی اثناء میں درس نظامی کا کچھ حصہ خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔پھر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے ۱۳۳۷ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور فارغ التحصیل ہوئے۔

مشہور اساتذہ: مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حکیم الامت تھانویؒ، مولانا انوار الحق امروہیؒ، مولانا سید احمد سنبھلیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جیسے مشاہیر علماء آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔

تدریس:۔فراغت کے بعد میرٹھ کے ایک مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے۔اس کے بعد مختلف مدارس عربیہ میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور پھر مستقل طور پر خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں تدریسی، تالیفی اور فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دینے لگے۔

بیعت واجازت:۔ساری زندگی حکیم الامت تھانویؒ کے مسلک ومشرب پر قائم رہے اور ان کے مجاز صحبت قرار پائے۔

تصانیف:۔آپ نے گرانقدر تصنیفی خدمات بھی انجام دیں۔جن میں بہشتی گوہر، حیلۂ ناجزہ، قانون اوقاف، المختارات، تجدید اللمعہ فی تعدد الجمعہ، القول الرفیع فی الذب عن الشفیع، وفاق المجتہدین عن وفاق المجتہدین اور رفادۃ العلوم ترجمہ نصوص خطبات الاحکام وغیرہ علمی شاہکار ہیں۔

اہم کارنامے:۔آپ نے پنجاب بھر میں بہنوں اور بیٹیوں کو میراث دلانے کی تحریک شروع کی اور ایک فتویٰ بھی چھپوایا۔اس کے ساتھ ساتھ آگرہ میں فتنۂ ارتداد کی خبر ملی تو اس کے نواح میں تبلیغ کا کام شروع فرمایا۔پورے دوسال تک فتنہ ارتداد کے خلاف تحریک چلائی۔

اس کے علاوہ آپ نے سو مکاتب و مدارس قائم کیے۔ مرزائیت وغیرہ کے خلاف بھی کافی تحریکیں چلائیں اور کئی مناظرے اور مباحثے کیے۔

مزید حالات جاننے کیلئے "امداد الاحکام" کا مقدمہ مطالعہ فرمائیں۔

مسیح الامت

حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان شروانیؒ

ولادت:۔ آپ ۱۳۳۰ھ کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۱۶ جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ کو رحلت فرما گئے۔

تعلیم:۔ ابتداً اسکول میں درجہ ششم تک پڑھا۔ پھر اپنے ہی وطن میں مشکوۃ المصابیح تک پڑھا۔ ۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور ایک سال میں دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ پھر مزید دو سال تک دارالعلوم میں رہ کر معقولات کی کتابیں، امور عامہ، قاضی مبارک تصریح، شرح خضمی، سبع شداد وغیرہ پڑھیں۔

تدریس:۔ ۱۳۵۷ھ میں حکیم الامت تھانویؒ نے آپکو جلال آباد کے نزدیک ایک مدرسہ میں مدرس بنا کر بھیج دیا، جو آپ کی مخلصانہ جدوجہد اور خون جگر کی آبیاری سے اب مفتاح العلوم کے نام سے موسوم ہے۔

بیعت و اجازت:۔ زمانہ طالب علمی ہی میں آپ حکیم الامت تھانویؒ سے بیعت ہوئے اور ۱۳۵۱ھ میں خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔

تصانیف:۔ فن تصوف پر آپ کی ایک کتاب شریعت و تصوف علمی شاہکار ہے۔

مفسر قرآن و فلسفی اسلام

حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ

ولادت:۔ آپ ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ بمطابق ۱۹۰۰ء کو چارسدہ پشاور میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ آپ نے ۱۶/ اگست ۱۹۸۳ء کو رحلت فرمائی۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ ۱۹۰۹ء میں ایک پرائمری سکول میں داخلہ اور ۱۹۱۳ء میں فارغ ہوئے۔ پھر سرحد و افغانستان کے مختلف علماء سے فنون کی کتابیں پڑھیں۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۲۱ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ علم طب کی تکمیل بھی دارالعلوم میں کی۔

مشہور اساتذہ:۔ آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ اور مولانا رسول خان ہزارویؒ وغیرہ شامل ہیں۔

تدریس:۔ ۱۹۲۳ء میں مدرسہ مظہر العلوم کراچی میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ پھر ۱۹۲۴ء میں مدرسہ ارشاد العلوم لاڑکانہ سندھ میں صدر مدرس رہے۔ ۱۹۲۸ء کو مدرسہ قاسم العلوم لاہور میں بطور صدر مدرس تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر ۱۹۳۲ء کو دارالفیوض سندھ میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ پھر ۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۹ء دارالعلوم دیوبند میں درجہ علیا کے استاد اور شیخ التفسیر رہے۔ پھر ۱۹۴۴ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مدرس اعلیٰ رہے۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ التفسیر کے منصب پر فائز ہوئے اور تقریباً بارہ سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

بیعت و اجازت:۔ آپ حکیم الامت تھانویؒ سے بیعت ہیں اور مفتی محمد حسن امرتسریؒ کے خلیفۂ مجاز ہیں۔

تصانیف:۔ آپ نے بہت سی کتابیں بھی تالیف فرمائیں جن میں علوم القرآن، سوشلزم اور اسلام، معین القضاۃ والمفتین عربی، شرح ضابطہ دیوانی، عالمی مشکلات اور ان کا قرآنی حل ،تصوف اور تعمیر کردار، اسلامی جہاد، کمیونزم اور اسلام، احکام القرآن، مفردات القرآن، اور مشکلات القرآن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اہم کارنامے:۔ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے شہر دھانند کے فتنہ ارتداد اور شدھی تحریک کی روک تھام کے لیے جو پچاس مبلغین بھیجے تھے ان کے قائد آپ تھے۔ آپ کی مخلصانہ تبلیغی کوششیں رنگ لائیں، مسلمانوں کو ارتداد سے بچایا گیا اور بے شمار ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں بھی آپ نے دعوت و ارشاد کا بہت کام کیا۔

مزید حالات جاننے کیلئے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کی ''نقوشِ رفتگاں'' پڑھیں۔

صاحب قصص القرآن

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

ولادت:۔ آپ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء میں سیوہارہ کے ایک تعلیم یافتہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ آپ نے یکم ربیع الاول ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۲ اگست ۱۹۶۲ء کو وفات پائی۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ فیض عام سیوہارہ میں حاصل کی۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا جہاں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا رسول خان ہزارویؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد ۱۳۴۴ھ کو دارالعلوم میں بطور معین المدرسین آپ نے تدریس کا آغاز کیا۔ تقریباً ایک سال بعد علامہ کشمیریؒ نے آپ کو مدراس بھیج دیا۔ یہاں بھی آپ نے ایک سال تدریس کی۔

تصانیف:۔ آپ نے کئی قابل قدر کتابیں بھی لکھیں جن میں حفظ الرحمٰن عندلمذاہب النعمان، قصص القرآن، اخلاق اور فلسفۂ اخلاق اور اسلام کا اقتصادی نظام قابل ذکر ہیں۔

اہم کارنامے:۔ دین کی نشر واشاعت کے سلسلے میں آپ نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر دہلی میں ''ندوۃ المصنفین'' کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے نے کتاب وسنت اور تاریخ اسلام پر معیاری کتب شائع کیں۔ آپ نے تبلیغ واشاعت کے علاوہ ملکی سیاسیات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انگریز کو ملک سے نکالنے میں پیش پیش رہے۔ کئی بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ آپ جمعیت علماء ہند کے ناظم اعلیٰ بھی رہے اور تحریک آزادی میں دورے بھی کرتے رہے۔ خلافت اور کانگریس کے سلسلہ میں آپ کی جدو جہد اور قربانیاں یادگار رہیں گی۔

محدث العصر

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

ولادت:۔ آپ ۴ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹۰۶ء کو پشاور کے قریب ایک گاؤں بنور میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء بمطابق ۳ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ بروز اتوار کو وفات پائی۔

تعلیم :۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور ماموں سے حاصل کی۔ اس کے بعد کابل کے ایک دینی مکتب میں عربی اور ثانوی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۷ء تک آپ نے مختلف علوم وفنون اور حدیث کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، جہاں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے آفتاب علم وعمل اساتذہ سے خصوصی استفادہ کا موقع ملا۔

تدریس :۔ فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ پھر قیام پاکستان کے بعد مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں شیخ التفسیر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ تین سال بعد کراچی تشریف لائے اور ایک مدرسہ عربیہ اسلامیہ یعنی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن قائم کیا، جس کے بانی و مہتمم آپ تھے۔ جہاں آپ نے ۲۵ سال تک مسند تدریس کو رونق بخشی اور درس حدیث میں مصروف رہے۔

بیعت واجازت :۔ آپ حکیم الامت تھانویؒ سے بیعت ہوئے اور انہی سے خلافت حاصل کی۔

تصانیف :۔ آپ کی تصانیف میں عربی کی چار بڑی کتابیں اور درجنوں مقدمات شامل ہیں۔ جن میں معارف السنن شرح جامع ترمذی چھ جلدوں میں ایک علمی شاہکار ہے اور ''نفحۃ العنبر فی حیاۃ الانور'' ایک ادبی شاہکار۔

اہم کارنامے :۔ آپ نے تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں جو کارنامہ انجام دیا اس کو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا۔ پاکستان میں فتنہ قادیانیت کی جو تحریک اٹھی تھی آپ کی قیادت میں اس تحریک نے پورے ملک میں جوش وخروش پیدا کیا۔ اس تحریک میں اس قدر والہانہ پن اور شدت تھی کہ قومی اسمبلی نے اس مسئلہ کو متفقہ طور پر منظور کیا اور قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔

تفصیلی حالات جاننے کیلئے ماہنامہ بینات کا ''خصوصی نمبر'' اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی ''شخصیات وتاثرات'' ملاحظہ فرمائیں۔

خطیب پاکستان

حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ

ولادت :۔ آپ ۱۹۱۵ء کو تاوہ شہر کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۱۱اپریل ۱۹۸۰ء بروز جمعہ کو آپ نے وفات پائی۔

تعلیم:۔ دس بارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر کے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۹۳۷ء میں تفسیر وحدیث، فقہ و کلام، منطق و فلسفہ اور دیگر علوم دینیہ کی تعلیم مکمل کی پھر الہ آباد یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی سے فاضل کا امتحان پاس کیا۔

مشہور اساتذہ:۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا اعزاز علی امروہیؒ، مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ اور علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ شامل ہیں۔

تبلیغ:۔ آپ کی تبلیغی خدمات کا آغاز دہلی کی جامع مسجد سے ہوا جہاں ہر جمعہ کو عام خطاب فرماتے۔ پاکستان و ہندوستان کے علاوہ ایران، افغانستان، برما، انڈونیشیا، فلپائن، امریکہ، برطانیہ، بنگلہ دیش، افریقہ اور سعودی عرب وغیرہ ممالک میں بھی تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔ عرصہ تک ریڈیو پاکستان سے درس قرآن دیتے رہے۔

اہم کارنامے:۔ تحریک پاکستان میں دیگر اکابرین کی طرح شانہ بشانہ دورہ فرماتے رہے۔ ۱۹۴۷ء میں مہاجرین کی آبادکاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اسلامی دستور کے اصول پر دستوری خاکہ تیار کرنے میں آپ کا بھی ہاتھ ہے۔ اس کے علاوہ حیدرآباد میں ایک دارالعلوم قائم کیا جو آپ کا عظیم کارنامہ اور صدقہ جاریہ ہے۔ اس کے علاوہ جیکب لائن کراچی میں ایک مسجد تعمیر کرائی جہاں آپکے نام پر جامعہ احتشامیہ قائم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کراچی اور دوسرے علاقوں میں متعدد دینی مدرسے اور مکتب قائم کیے۔

مزید حالات کیلئے ماہنامہ حق نوائے احتشام کا خاص نمبر "متاع احتشام" دیکھیں۔

امیرِ مجلسِ ختم نبوت

حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ

ولادت:۔ آپ ۹ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ بمطابق ۳ مئی ۱۹۰۶ء کو شجاع آباد میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۲۳ نومبر ۱۹۶۶ء بمطابق ۹ شوال المکرّم کو وفات پائی۔
تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم شجاع آباد میں حاصل کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی شاگردی اختیار کی۔
اہم کارنامے:۔ آپ نے مجلس احرار اسلام کی تمام تحریکوں میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے جو اہم کردار ادا کیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ آپ نے جذبۂ آزادی کی پاداش اور فتنۂ قادیانیت کے خلاف شوق جہاد میں مجموعی اعتبار سے تقریباً نو سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ امیر شریعت کی رحلت کے بعد آپ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے امیر منتخب ہوئے۔
تفصیلی حالات کیلئے مولانا محمد اسماعیل صاحب کی کتاب ''قاضی احسان احمد شجاع آبادی'' پڑھیں۔

مردِ باصفا

حضرت مولانا فقیر محمد پشاوریؒ

ولادت:۔ آپ ۱۹۱۱ء میں آزاد قبائل کے علاقے مہمند ایجنسی میں پیدا ہوئے۔
وفات:۔ ۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو رحلت فرمائی۔
تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم چارسدہ میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ نعمانیہ امرتسر تشریف لے گئے اور تقریباً دس سال تک مفتی محمد حسن امرتسریؒ کے زیرِ نگرانی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد درسِ نظامی کی تکمیل کی۔
تدریس:۔ آپ نے پشاور کے قریب ایک مدرسہ قائم کیا جہاں آپ درسِ حدیث دیتے رہے۔ اس کے علاوہ آخری دور میں ایک اور مدرسہ جامعہ امداد العلوم کی بنیاد ڈالی۔
بیعت و اجازت:۔ آپ حکیم الامت تھانویؒ سے بیعت ہوئے اور ۱۳۵۷ھ میں خلافت ملی۔
مزید حالات کیلئے ''فیض حسن و اشرف'' مؤلفہ مولانا نجم الحسن تھانوی پڑھیں۔

مجاہدِ ختم نبوت

حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ

ولادت:۔ آپ نے ۱۸۹۵ء بمطابق ۱۳۱۲-۱۳ھ کو جالندھر میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء بمطابق ۲۴ صفر ۱۳۹۱ھ کو رحلت فرمائی۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ رشیدیہ میں حاصل کی۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں مروجہ دینی نصاب کی تکمیل کی اور فارغ ہوئے۔

تدریس:۔ قصبہ سلطان پور لودھی میں مدرس کی حیثیت سے تین سال رہے۔ پھر ۱۹۳۱ء کو مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں تدریس کی۔ قیام پاکستان کے بعد مدرسہ خیر المدارس ملتان سے وابستہ ہوئے اور آخری عمر تک وہیں رہے۔

اہم کارنامے:۔ آپ نے رفض و بدعت کیخلاف آواز بلند کی اور کئی مناظرے کیے۔ مجلس احرار اسلام کے شعبہ تبلیغ کو اپنی صلاحیتوں سے چار چاند لگائے۔ دوسری جنگ عظیم میں فوجی بھرتی کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ ۱۹۴۷ء کو مدرسہ خیر المدارس ملتان کی نشاۃ ثانیہ کے سلسلے میں آپ نے اہم کردار ادا کیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے اسٹیج سے ۱۹۵۳ء کی تحریک میں بڑا کام کیا اور گرفتار ہوئے۔ پھر ۱۹۶۷ء میں امیر منتخب ہوئے۔

آپ کی خدمات و حالات کیلئے ”تذکرہ مجاہدین ختم نبوت“ از مولانا اللہ وسایا صاحب کا مطالعہ فرمائیں۔

شیخ القرأت

حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتیؒ

ولادت:۔ آپ ۱۱ یا ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۱۸ شعبان ۱۴۰۷ھ کو مدینہ منورہ میں اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے۔

تعلیم:۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن کریم کی تعلیم شروع کی۔ حفظ قرآن کے بعد قاری شیر محمد خان سے تجوید و قرأت کی تعلیم حاصل کی ساتھ میں مدرسہ گنبداں میں فارسی اور عربی کی

تعلیم حاصل کرتے رہے۔ نیز مولانا ابو محمد محی الاسلام سے تجوید کی مشق بھی کرتے رہے اور ۱۳۴۶ھ میں سید القراء سے سند فراغت حاصل کی۔ پھر تکمیل علوم کے لیے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۳۴۷ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔

مشہور اساتذہ:۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا اعزاز علی امروہیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، وغیرہ جیسے اکابر علماء شامل ہیں۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد مدرسہ اشرفیہ پانی پت میں تدریس شروع کی اور تقریباً ۲۵ سال تک قرآن پاک کی تعلیم و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد دار العلوم کراچی کے شعبہ حفظ و تجوید کے سرپرست اور صدر مدرس رہے اور سینکڑوں طالبانِ علم قرأت کو اپنے فیض علمی سے مستفیض فرمایا۔

بیعت و اجازت:۔ آپ حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے بیعت تھے۔ ان کے بعد مفتی محمد حسن امرتسریؒ سے تعلق قائم کیا اور خلافت سے نوازے گئے۔

تصانیف:۔ حضرت قاری صاحب نے علم قرأت اور فن تجوید میں ساڑھے تین ہزار صفحات کا تصنیفی سرمایہ چھوڑا۔ مثلاً عنایات رحمانی شرح حرز الامانی (شاطبیہ) ۳ جلد، عمدۃ المبانی تکملہ عنایت رحمانی، القرۃ المرضیہ شرح الدرۃ المفتیہ شرح الوجوہ المسفرہ، شرح مقدمہ جزریہ، مفتاح الکمال شرح تحفۃ الاطفال، اسہل الموارد، سراج الغایات فی عدالآیات، کاشف العسیر شرح ناظمۃ الزہر۔

مزید حالات جاننے کیلئے مولانا محمد تقی عثمانی کی کتاب ''نقوشِ رفتگاں'' پڑھیں۔

مردِ حق

حضرت مولانا بہاء الحق قاسمیؒ

ولادت:۔ آپ ۱۹۰۰ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ آپ نے یکم فروری ۱۹۸۷ء بروز پیر کو رحلت فرمائی۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی پھر ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے

مدرسہ نعمانیہ امرتسر میں داخل ہوئے اور درس نظامی کی تکمیل کی۔ تقریباً ۱۹۲۰ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد امرتسر ہی میں تدریس کا آغاز کیا اور ساری زندگی اس کی خدمت میں گزار دی۔ قیام پاکستان کے بعد ماڈل ٹاؤن لاہور میں تشریف لائے جہاں آخری دم تک درس قرآن وحدیث دیتے رہے۔

بیعت واجازت:۔ آپ نے اصلاحی تعلق اپنے استاد مفتی محمد حسن امرتسریؒ سے قائم کیا اور پوری عمران ہی کے مسلک ومشرب پر قائم رہے۔

تصانیف:۔ تذکرہ اسلام، اسلام اور اشتراکیت آپ کی قابل قدر تصانیف ہیں۔

اہم کارنامے:۔ آپ نے تحریکِ آزادی اور قیام پاکستان کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور تمام عمر فرنگی قوتوں اور اہل باطل کے خلاف جدوجہد کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں کئی بار قید و بند بھی رہے۔ سوشلزم اور مشرقی الحاد کے خلاف آپ نے بھرپور کام کیا۔

ادیب کامل

حضرت مولانا عبدالرشید نسیم طالوتؒ

ولادت:۔ آپ یکم فروری ۱۹۰۹ء بمطابق ۷ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ کو ڈیرہ غازیخان میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۳۰ مارچ ۱۹۶۳ء بمطابق ۵ ذی قعدہ ۱۳۸۲ھ کو وفات پائی۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم ڈیرہ غازی خان میں حاصل کی پھر دارالعلوم دیوبند جا کر سند فراغت حاصل کی۔ اس کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل امتحان پاس کیا۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد محکمۂ تعلیم سے وابستہ ہوئے اور مختلف تعلیمی اداروں میں کام کیا۔ آخری زمانۂ حیات میں گورنمنٹ نارمل اسکول ملتان میں السنہ شرقیہ کے استاد تھے۔

تصانیف:۔ آپ نے بیسیوں مضامین لکھے جو پاک وہند کے معروف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔ آپ نے دیوان فرید کا ایک زبردست مقدمہ بھی لکھا اور آپ کا تاریخی کارنامہ اقبالؒ اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے درمیان مفاہمت کرانا ہے۔ آپ نے ان

دونوں بزرگوں سے خط و کتابت کی اور دونوں کو ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہ کیا اور اس عظیم غلط فہمی کا ازالہ ہوگیا جو ان دونوں حضرات کے درمیان کچھ اخبارات و جرائد نے پیدا کردی تھی۔ آپ نے امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے منظوم کلام "سواطع الالہام" کا مقدمہ بھی لکھا ہے۔

مرشدِ کامل

حضرت مولانا عبداللہ بہلویؒ

ولادت :۔ آپ یکم رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ بمطابق ۱۵ فروری ۱۸۹۶ء کو شجاع آباد میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ آپ نے ۱۳۹۸ھ بمطابق ۱۹۷۸ء کو اپنے وطن بہلی میں وفات پائی۔

تعلیم :۔ قرآن مجید مولانا غلام محمدؒ سے حفظ کیا۔ پھر ابتدائی تعلیم فارسی و عربی مولانا قادر بخش سے پڑھیں۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند جا کر عربی کی آخری کتابیں اور دورۂ حدیث حضرت شیخ الہندؒ اور علامہ کشمیریؒ سے پڑھا۔ غالباً ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء میں فارغ ہوئے۔

تدریس :۔ فراغت کے بعد مدرسہ مظہر العلوم بہلی میں تدریس شروع کی اور ۱۳۴۷ھ ۴۸۔۱۹۴۷ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۶۰ برس تک مسلسل دورۂ تفسیر پڑھاتے رہے۔

بیعت و اجازت :۔ آپ مولانا فضل علی قریشی مسکین پوریؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، بعد میں انہی سے خلافت حاصل کی۔ اس کے علاوہ دوسرے بزرگوں سے بھی روحانی استفادہ کیا۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ سے سلسلہ چشتیہ کی خلافت اور حضرت مولانا حسین علیؒ سے نقشبندیہ قادریہ کی اجازت پائی۔

تصانیف :۔ متعدد تصانیف لکھیں جن میں تفسیر فوائد القرآن، المستدلات الاحناف، سیرت النبیؐ، فیض روحانی، معارف السلوک، تصفیۃ الاعمال اور دیگر کتب آپ کی یادگار ہیں۔

پیرِ طریقت

حضرت مولانا عبدالہادی دین پوریؒ

ولادت :۔ آپ ۴/۵ اپریل ۱۹۰۴ء کی درمیانی شب ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ کو دین پور میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ۱۲/۱۱ اگست ۱۹۷۸ء بمطابق ۷ رمضان ۱۳۹۸ھ کو آپ نے وفات پائی۔

تعلیم :۔ قرآن مجید میاں جی خیر محمدؒ سے پڑھا۔ پھر درس نظامی کی کتابیں دین پور میں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ پھر دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔

بیعت واجازت :۔ آپ نے مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

اہم کارنامے :۔ آپ نے وعظ و تبلیغ اور ارشاد، اصلاح و تزکیہ کے ساتھ جہاد آزادی میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ تحریکِ خلافت میں آپ پیش پیش تھے۔ جمعیت علمائے ہند سے وابستہ تھے۔

محشیٔ مشکوٰۃ

حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتیؒ

ولادت :۔ آپ ۱۲۹۵ھ کو کیمبل پور (اٹک) میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ۴ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ بمطابق ۲۴ جنوری ۱۹۶۸ء کو وصال فرما گئے۔

تعلیم :۔ ابتدائی تعلیم اپنے بھائی سے حاصل کی۔ پھر مولانا غلام رسولؒ سے ثانوی تعلیم بھی حاصل کر کے اعلیٰ تعلیم کے لیے میانوالی تشریف لے گئے وہاں علامہ قاضی قمرالدینؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ درمیان میں کچھ عرصہ رنگون میں تدریس کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند آئے اور شیخ الہندؒ سے ترمذی و بخاری اور چند دیگر کتب میں تلمذ حاصل کیا۔

تدریس :۔ کچھ عرصہ رنگون میں تدریس کی۔ پھر غورغشتی میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے تقریباً پچاس سال تک تفسیر وحدیث کی تدریس کرتے رہے۔

بیعت واجازت :۔ آپ حضرت مولانا حسین علی واں بھچرانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔

تصانیف:۔آپ نے کئی کتب بھی تالیف کیں جن میں سے ایک مشکوٰۃ شریف کا عربی حاشیہ ہے۔

اہم کارنامے:۔آپ نے ساری زندگی اسلام کی خدمت کی اور ہر باطل کے خلاف جہاد کیا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔آپ مودودی صاحب کے افکار و نظریات کے سخت مخالف تھے اور ان کی علمی دلائل سے تردید کرتے رہے۔

مناظرِ اہلسنّت

حضرت مولانا دوست محمد قریشیؒ

ولادت:۔محرم ۱۳۳۹ھ بمطابق ۲۹ ستمبر ۱۹۲۰ء کو ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ بمطابق ۲۷ مئی ۱۹۷۴ء کو واصل بحق ہوئے۔

تعلیم:۔قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد مقامی اسکول میں چھٹی جماعت تک پڑھا۔ پھر مولانا شیر محمدؒ سے فارسی درسیات اور قانونچہ شاہ جمال پڑھا۔ پھر صرف ونحو کی کتابیں دوسرے استاذ سے پڑھیں۔ آخر میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گئے جہاں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ جیسے اکابرین سے دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء میں سند فراغت حاصل کی۔

تدریس:۔فراغت کے بعد مالوف میں انوار العلوم کی بنیاد رکھی۔ پھر مدرسہ مفتاح العلوم میں تدریسی فرائض انجام دیئے،اس کے بعد مدرسہ معارف القرآن خان گڑھ میں دینی و علمی کام کیا۔

بیعت واجازت:۔آپ سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا عبدالمالک نقشبندیؒ سے بیعت تھے۔

تصانیف:۔آپ نے متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں منہاج التبلیغ،عظمت صحابہؓ، جلاء الافہام، جلاء الاذہان، ردالمطاعن، براہین سنت، تعارف خلفائے راشدین، مصباح المقررین،مخزن التقاریر،کشف الحقیقت عن مسائل المعرفت والطریقت،التشریح علی التلویح اور وضاح النحو وغیرہ شامل ہیں۔

اہم کارنامے:۔آپ ایک بلند پایہ عالم،مناظر،کامیاب واعظ ومبلغ شیخ طریقت اور اہل سنت والجماعت کے مرکزی رہنما تھے۔ ۱۹۶۹ء میں ایک ادارہ دارالمبلغین قائم کیا جس

میں علماء کی تربیت کا انتظام تھا۔ ساری زندگی تبلیغ اسلام میں گزار دی۔

امیر مجلس ختم نبوت

حضرت مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:۔ آپ ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں دھرم کوٹ بندھاوا میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۹ جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ بمطابق ۱۱ جولائی ۱۹۷۳ء میں وفات پائی۔

تعلیم:۔ تحریک خلافت کے زمانہ میں اورینٹل کالج لاہور میں زیر تعلیم تھے۔ بعد میں تبلیغی کالج میں تعلیم حاصل کی۔

تصانیف:۔ آپ نے ترک مرزائیت کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں قادیانیت پر سیر حاصل تنقید کی۔

اہم کارنامے:۔ آپ نے شدھی تحریک کے مقابلے میں تبلیغ کی خدمات انجام دیں۔ پھر آریہ سماجیوں کے خلاف کام کرتے ہوئے انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور سے متعارف ہوئے۔ پھر اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق تبلیغ شروع کی۔ اس مقصد کے لیے ایک ماہنامہ تائید الاسلام جاری کیا۔ قیام پاکستان کے بعد ردقادیانیت کی طرف توجہ دی اور باقاعدہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ اور مناظر ہوئے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آخری دم تک ختم نبوت کا پرچم بلند رکھا۔ مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر منتخب ہوئے اور اپنی ساری زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔

مجاہدِ ملت

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:۔ آپ ۱۸۹۶ء کو بفہ تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۴ فروری ۱۹۸۱ء کو رحلت فرمائی۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے پہلے مدرسہ مظاہر

العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ بعد ازاں ۱۹۱۵ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ پھر ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ اور مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں بطور معین المدرس تدریس کی۔

اہم کارنامے:۔ حیدرآباد دکن کی ایک ہندو ریاست "مستان گدوال" میں دو سال تک تبلیغی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۳۴ء میں مجلس احرار اسلام سے وابستہ ہوئے اور مرزائیت کے خلاف تحریک میں زبردست حصہ لیا۔ علامہ مشرقی کے الحاد اور مودودی کے برپا کیے ہوئے فتنہ کے خلاف شمشیر برہنہ تھے۔ ۱۹۴۰ء میں تحریک آزادی میں نمایاں کام کیا۔ کئی سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا۔ پھر ۱۹۵۶ء میں جمعیت علماء اسلام کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۸ء میں ایوب خان کے مارشل لاء اور ۱۹۶۲ء میں عائلی قوانین کے خلاف ڈٹ گئے۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔

تصانیف:۔ اسلام میں غلامی، مسئلہ اصولِ جنگ اور جواب محضر نامہ علمی شاہکار ہیں۔

تفصیلی حالات کیلئے قاضی محمد اسرائیل صاحب کی کتاب "حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ" ملاحظہ فرمائیں۔

خطیبِ وقت

حضرت مولانا محمد متین خطیب دیوبندیؒ

ولادت:۔ آپ کی ولادت دیوبند ضلع سہارنپور یوپی میں ۲۷ صفر ۱۳۲۶ھ بمطابق ۳۱ مارچ ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔

وفات:۔ آپ ۱۰ فروری ۱۹۸۲ء کو کراچی میں رحلت فرما گئے۔

تعلیم:۔ ۱۹۲۲ء کو دارالعلوم دیوبند میں حفظ قرآن اور فارسی کی تکمیل کی فراغت کے بعد دوبارہ دورۂ حدیث اور مختلف فنون کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں کی۔

تدریس:۔ تدریس انبالہ چھاؤنی کے مدرسہ عربیہ معین الاسلام میں ہوئی۔ پھر ۱۹۳۰ء میں اپنے والد صاحب کی جگہ مدرسہ عربیہ معین الاسلام میں صدر مدرس اور مہتمم مقرر ہوئے۔

مدرسہ عربیہ میں آپ درس نظامی کی کتابیں اور دورۂ حدیث پڑھاتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۱ء میں پاکستان آئے اور دارالعلوم کراچی سے وابستہ ہوئے اور تاحیات وہیں رہے۔ درمیان میں آپ کا تعلق اردو کالج سے ۱۹۵۷ء میں قائم ہوگیا جہاں ۱۹۷۳ء تک اسلامی نظریات کا مضمون بی اے، بی کام اور سائنس کے طلباء کو پڑھاتے رہے پھر چار برس کراچی یونیورسٹی میں کام کرتے رہے۔

اہم کارنامے:۔ آپ تحریک مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کے زبردست حامی تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ جمعیت علماء اسلام کے فروغ میں بہترین خدمات انجام دیں، کراچی، سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان میں آپ نے دورے کر کے جمعیت کو قائم کیا اور دن رات اس طرح کام کیا کہ اپنے بچوں کو بھی نظر انداز رکھا۔ کراچی میں ہزار ہا جلسوں میں تقاریر کیں۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۶ء تک ریڈیو پاکستان کراچی میں ''قرآن حکیم اور ہماری زندگی'' کے عنوان سے درس قرآن نشر کراتے رہے۔

شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحؒ

ولادت:۔ آپ ۷ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ بمطابق جنوری ۱۹۱۰ء بروز اتوار کو اکوڑہ خٹک پشاور میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ آپ ۲۴ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ کو خالق حقیقی سے جا ملے۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ سولہ سال کی عمر میں ملا حسن تک کتابیں پڑھتے رہے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ہندوستان کا رخ کیا۔ پہلے میرٹھ اور اوٹہ کے مدارس میں تعلیم حاصل کی پھر ۱۳۴۷ء کو دارالعلوم میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۲ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔

مشہور اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ، مولانا ابراہیم بلیاویؒ اور مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ شامل ہیں۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس مقرر ہوئے اور ۱۳۶۲ھ سے

۱۳۶۶ھ تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر تقسیم ہند کے بعد اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی جو ایک اہم علمی و دینی مرکز ہے جہاں تاحیات علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

تصانیف:۔ آپ نے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں مقام صحابہؓ، خلافت راشدہ، دعوت حق، علم کے تقاضے اور اہل علم کی ذمہ داریاں، صیام رمضان اور ناموس رسالت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اہم کارنامے:۔ آپ نے اکوڑہ خٹک پشاور میں دارالعلوم حقانیہ قائم کیا۔ جو رفتہ رفتہ آپ کی محنت سے پاکستان کے ممتاز دینی مدارس میں شمار ہونے لگا۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں آپ نے جمعیت علماء اسلام کی طرف سے الیکشن لڑا جس میں کامیابی حاصل کی۔ قومی اسمبلی میں آپ تقاریر کے ذریعہ حق کی ترجمانی کرتے رہے۔

مداحِ صحابہؓ

حضرت مولانا سید نور الحسن بخاریؒ

ولادت:۔ آپ ۱۰ جنوری ۱۹۱۱ء کو ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۴/۵ جنوری ۱۹۸۴ء کی درمیانی شب میں فوت ہوئے۔

تعلیم:۔ آپ نے پہلے انگریزی اسکول میں تعلیم حاصل کی اور اسکول ماسٹر رہے۔ پھر ۱۳۵۵ھ میں دارالعلوم دیوبند پہنچے اور بہت جلد ابتدائی تعلیم مکمل کر لی اور ۱۳۵۷ھ میں دورۂ حدیث سے سند فراغت حاصل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ شامل ہیں۔

تصانیف:۔ آپ دو درجن سے زائد علمی، ادبی اور تاریخی کتب کے مؤلف ہیں جن میں الاصحاب فی الکتاب، سیرت امام مظلوم سید عثمانؓ، شہادت امام مظلوم، توحید اور شرک کی حقیقت،

حضرت امیر معاویہؓ کا عادلانہ دفاع، نبیؐ وصدیقؓ اور بشریت النبیؐ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اہم کارنامے:۔ ۱۹۴۵ء سے لے کر تاحیات تنظیم اہل سنت کے پلیٹ فارم میں آپ تبلیغی کاموں میں سرگرم رہے اور شروع سے اس تنظیم کے سربراہ چلے آتے رہے۔

شیخ القرآن

حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ

ولادت:۔ آپ ۱۹۰۹ء کو اٹک میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۱۱ رجب ۱۴۰۰ھ کو وفات پائی۔

تعلیم:۔ حضرو ہائی اسکول سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ پھر دینی طلباء کو دیکھ کر علوم دینیہ کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ پہلے راولپنڈی گئے اور مولانا احمد دینؒ سے ابتدائی فارسی اور صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں۔ پھر ہری پور ہزارہ میں مختلف کتب کا درس لیا۔ پھر گجرات میں مولانا غلام رسولؒ وغیرہ سے معقولات کی آخری کتابیں، مشکوٰۃ، جلالین، بیضاوی اور ترجمہ قرآن پڑھیں۔ اس کے بعد میانوالی میں مولانا حسین علی واں بچھرانویؒ سے تفسیر کا درس لیا۔ پھر دارالعلوم دیوبند آئے اور علم ادب کی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں ڈابھیل پہنچے اور ۱۹۳۳ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل ہی میں تدریس پر مقرر ہوئے۔ ایک سال بعد مدرسہ برکات الاسلام وزیرآباد میں تدریس پر مامور ہوئے اور ایک عرصہ تک معقولات و منقولات کا درس دیتے رہے۔ ۱۹۳۹ء میں راولپنڈی آئے اور ایک ہائی اسکول میں پڑھانے لگے۔ پھر اسکول چھوڑ کر مسجد میں درس دینا شروع کر دیا اور ایک مدرسہ تعلیم القرآن کی بنیاد رکھی۔

بیعت واجازت:۔ آپ مولانا حسین علیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

تصانیف:۔ آپ نے تفسیر جواہر القرآن کے نام سے ایک تفسیر لکھی اور کئی رسالے بھی تالیف فرمائے۔

اہم کارنامے:۔ آپ اسلامی نظام کی جدوجہد میں مصروف رہے اور مرکزی جمعیت علماء اسلام پنجاب کے امیر کی حیثیت سے سوشلزم وکیمونزم تحریکات کے خلاف کلمۂ حق بلند کرتے رہے۔

شیخ التفسیر

حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ

ولادت:۔ آپ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ بمطابق ۱۹۰۶ء بروز جمعہ کو درخواست ضلع رحیم یار خان میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۱۹؍ربیع الاوّل ۱۴۱۵ھ

تعلیم:۔ ۱۱ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد سے حفظ کیا۔ عربی اور فارسی کی تعلیم مولانا عبدالغفور حاجی پوریؒ اور مولانا محمد صدیق حاجی پوریؒ سے حاصل کی۔ پھر ۱۸ سال کی عمر میں دورۂ حدیث بھی مولانا صدیق صاحبؒ سے ہی پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

تدریس:۔ آپ نے درخواست میں مدرسہ مخزن العلوم قائم کر کے تدریس کا آغاز کیا اور پندرہ سال تک پڑھاتے رہے۔ دورۂ حدیث کے علاوہ آپ ہر سال شعبان و رمضان میں دورۂ تفسیر پڑھاتے رہے۔

بیعت و اجازت:۔ آپ مولانا غلام محمد دین پوریؒ سے بیعت ہوئے اور انہی سے خلافت حاصل کی۔

تصانیف:۔ آپ نے کئی رسالے بھی لکھے جن میں مقدمۃ القرآن کے علاوہ کئی تقریریں بھی شائع کرائیں۔

اہم کارنامے:۔ آپ نے پاکستانی سیاست میں بے مثال قائدانہ کردار ادا کیا اور عرصہ دراز تک جمعیت علماء اسلام کے سرپرست رہے، مشہور روایت کے مطابق آپ کو ہزارہا احادیث از بر تھیں جنہیں کبھی کبھی بڑے ولولے اور شوق کے ساتھ سنایا کرتے تھے۔

مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ

ولادت:۔ آپ ۱۹۲۰ء کو قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۱۹۹۳ء کو سیالکوٹ میں وفات پائی۔

تعلیم :۔ حفظ قرآن اور ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھ کر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور اکابر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

تدریس :۔ حاجی شہاب الدین مرحوم نے مدرسہ دارالعلوم الشہابیہ کی داغ بیل ڈالی تو آپ کو دارالعلوم کا شیخ الحدیث قرار دیا گیا اور آخری لمحہ حیات تک آپ نے اسی دارالعلوم میں حدیث رسول کے چراغ جلائے۔

تصانیف :۔ متعدد علمی تصانیف آپ کے قلم فیض رقم سے نکلیں جن میں تفسیر معالم القرآن علمی شاہکار ہے۔ جس کی صرف بارہ جلدیں شائع ہو سکی ہیں جن میں بارہ پاروں کی تفسیر ہے۔

اہم کارنامے :۔ درس و تدریس کے علاوہ آپ نے لادینی تحریکات کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ۱۹۷۳ء میں تحریک ختم نبوت میں عملی کردار ادا کیا۔ پھر ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰؐ میں بھی پیش پیش رہے۔

ولی کامل

حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروریؒ

ولادت :۔ آپ ۱۳۲۴ھ بمطابق ۱۹۰۶ء کو ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ آپ ۱۹۷۴ء کو وفات پائی۔

تعلیم :۔ ابتدائی تعلیم فارسی و عربی درسیات اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ تیرہ سال کی عمر میں مدرسہ محمودیہ تونسہ شریف میں داخلہ لیا اور تین سال تک تعلیم پائی پھر مدرسہ نعمانیہ ملتان منتقل ہوئے اور دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۳۴۸ھ بمطابق ۱۹۲۸ء میں سند فراغت حاصل کی۔

تدریس :۔ کئی سال تک مدرسہ حنفیہ قادریہ تعلیم القرآن میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

بیعت و اجازت :۔ آپ مولانا احمد علی لاہوریؒ سے بیعت ہوئے اور انہی سے خلافت حاصل کی۔

تصانیف :۔ آپ نے تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا جن میں سوانح امام حسینؓ، انوار صحابہؓ، فضائل صحابہؓ، مسائل قربانی، بدعات و رسومات اور ارشادات خاتم الانبیاء قابل ذکر ہیں۔

اہم کارنامے :۔ آپ نے تنظیم اہل سنت والجماعت کے پلیٹ فارم پر تبلیغ واشاعت کا فریضہ انجام دیا۔ آخر میں جمعیت علماء اسلام سے وابستہ ہوئے اور ملکی وملی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۴۰ء کی تحریک کشمیر میں عملی حصہ لیا اور ایک سال قید رہے۔

قائد ملت

حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ

ولادت :۔ آپ ۱۹۰۹ء کو ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۰ء بمطابق ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ کو رحلت فرمائی۔

تعلیم :۔ پٹیالہ کے ہائی اسکول میں میٹرک تک کی تعلیم حاصل کی۔ ساتھ میں اپنے والد صاحب سے دینی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ہندوستان گئے اور مراد آباد، دہلی اور دیگر دینی مدارس میں پڑھنے کے بعد ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں تمام علوم وفنون سے سند فراغت حاصل کی۔

تدریس :۔ فراغت کے بعد وطن واپس آئے اور اپنے گاؤں میں چار سال تک تدریس کی۔ پھر عیسیٰ خیل میانوالی میں تین سال تک پڑھاتے رہے۔ ۱۳۷۰ھ کو مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مدرس مقرر ہوئے۔ جہاں رفتہ رفتہ صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔

بیعت واجازت :۔ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ کو اپنے والد ماجد سے خلافت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ مولانا عبدالعزیزؒ نے بھی چاروں سلسلوں میں آپ کو خلافت عطا کی ہے۔

مناصب :۔ آپ پہلے جمعیت علماء ہند کی مرکزی کونسل کے ممبر بنے۔ تقسیم ہند کے بعد ملتان میں جمعیت اسلام قائم کی۔ جس کے جنرل سیکرٹری آپ منتخب ہوئے۔ بعد میں مفتی صاحب مرکزی ناظم اعلیٰ بھی منتخب ہوئے۔ یکم مئی ۱۹۷۲ء کو صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ ۱۹۷۴ء میں مجلس عمل کے نائب صدر منتخب ہوئے۔ پھر آخر میں ترجمان اسلام کے رئیس التحریر اور سرپرست رہے۔ آپ جمعیت علماء اسلام کے قائد بھی رہے۔

اہم کارنامے :۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے نمایاں حصہ لیا جس کی وجہ

سے ایک سال ملتان جیل میں رہے۔ ۱۹۶۲ء کے انتخابات میں آپ نے انفرادی حیثیت سے حصہ لیا اور نمایاں کامیابی حاصل کی اور حزب اختلاف کا کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ آپ نے افتاء کی خدمات بھی انجام دیں اور ہزاروں فتوے آپ کے قلم سے نکلے جواب کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔

تفصیلی حالات کیلئے حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی کی کتاب ''سوانح قائد ملت حضرت مولانا مفتی محمود'' پڑھیں۔

ولی ابنِ ولی

حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ

ولادت:۔ آپ ۲ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ کو جالندھر میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۷ ستمبر ۱۹۸۱ء بمطابق ۷ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ کو مکہ مکرمہ میں رحلت فرما گئے۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے قائم کردہ مدرسہ عربیہ خیر المدارس جالندھر میں پائی اس کے علاوہ رائے پور گوجراں میں بھی چند ابتدائی فارسی کتابیں پڑھیں۔ پھر شوال ۱۳۶۰ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۶۱ھ کو دورۂ حدیث شریف پڑھ کر سند فضیلت حاصل کی۔

مشہور اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا اعزاز علی امروہیؒ، علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ جیسے اکابر ہستیاں شامل ہیں۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد مدرسہ خیر المدارس ملتان میں تدریس شروع کی۔ اپنے والد ماجدؒ کی حیات ہی میں آپ کو خیر المدارس کا نائب بنا دیا گیا۔ پھر ان کے وصال کے بعد مکمل ذمہ داری آپ پر آ پڑی۔ آپ نے تقریباً چالیس سال کے لگ بھگ تدریسی خدمات انجام دیں۔

بیعت واجازت:۔ آپ نے روحانی تعلق حضرت حکیم الامتؒ سے قائم کیا۔ ۱۳۸۸ھ

میں مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے آپ کو دست بدست بیعت کی ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ نے آپ کو اجازت تلقین بھی عطا فرما دی۔

مدرّس بے بدل

حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ

ولادت:۔ آپ تحصیل پلندری ضلع پونچھ میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۱۱ شوال ۱۴۱۰ھ کو رحلت فرمائی۔

تعلیم:۔ ابتدائی اردو تعلیم مقامی اسکول میں حاصل کرنے کے بعد چکوال مدرسہ اشاعت العلوم میں عربی، صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی۔ باقی درسیات جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور میں پڑھیں۔ تمام معقولات ومنقولات، فقہ اور اصول فقہ کی تحصیل کے بعد مدرسہ ہاشمیہ سجاول سندھ میں حضرت مولانا سید شمس الحق افغانیؒ سے شرح اشارات، جملہ فنون ادبیہ، تفسیر کشاف، تہافتہ الفلاسفہ للغزالی، احیاء العلوم کا حصہ منجیات وموبقات، تلخیص مقالات ارسطو، مشکوٰۃ شریف اور مکمل دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد ریاست ٹونک بھارت میں شرح مطالع پڑھیں۔ درمیانے عرصہ دارالعلوم دیوبند میں بھی رہے۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۷ء دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پاکستان بننے کے بعد جامعہ خیر المدارس ملتان میں صدر مدرس وشیخ الحدیث کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کئی سال مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں بھی درس حدیث دے چکے ہیں۔

شیخ القراء

حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتیؒ

ولادت:۔ آپ رجب المرجب ۱۳۴۱ھ کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ بمطابق ۲۹/۳۰ ستمبر ۱۹۸۲ء کی درمیانی شب ساڑھے دس بجے رحلت فرما گئے۔

تعلیم :۔ ابتدائی تعلیم مولوی محمد اسماعیل پانی پتیؒ سے حاصل کی اور فارسی وعربی، صرف ونحو اور منطق کی تعلیم مولانا قاری فتح محمد پانی پتیؒ سے حاصل کی۔ پھر دارالعلوم میں داخلہ لیا جہاں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ مولانا ادریس کاندھلویؒ جیسے اکابر علماء سے فقہ واصول اور تفسیر وحدیث کی تعلیم حاصل کر کے دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔

تدریس :۔ قیامِ پاکستان سے قبل ملتان میں مدرسہ محمدیہ کی بنیاد رکھی اور وہیں تدریس کی۔ پھر خیر المدارس ملتان سے وابستہ ہوئے اور تاحیات شعبہ تجوید وقرأت کے صدر مدرس رہے اور تقریباً چالیس سال تدریس کی۔

بیعت واجازت :۔ آپ نے ۱۳۶۴ھ میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کی۔ پھر مولانا عبدالقادر رائپوریؒ سے بیعت فرمائی۔ بعد ازاں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے خلافت حاصل کی۔

اہم کارنامے :۔ آپ نے سینکڑوں قراء اور ہزاروں حفاظ پیدا کیے جو نہ صرف پاکستان بلکہ ایران، افغانستان، برما، بنگلہ دیش، ترکی، متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب میں خدمتِ قرآن سرانجام دے رہے ہیں۔

مزید حالات جاننے کیلئے شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی ''شخصیات و تاثرات'' ملاحظہ فرمائیں۔

مردِ قلندر

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ

ولادت :۔ آپ ۱۹۱۱ء کو انڈیا کے شہر میرٹھ میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ بمطابق ۲ فروری ۱۹۸۹ء بروز جمعرات کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

تعلیم :۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ پھر دارالعلوم تشریف لے گئے جہاں تفسیر وحدیث، فقہ وکلام اور منطق وفلسفہ کی تعلیم اکابر علماء سے حاصل کی۔ دورۂ حدیث علامہ

محمد انور شاہ کشمیری سے پڑھا۔

مشہور اساتذہ:۔ آپ کے اساتذہ میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا اعزاز علی امروہیؒ اور علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ قابل ذکر ہیں۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد مدرسہ امینیہ دہلی میں درس و تدریس شروع کی۔ قیام پاکستان کے بعد دارالعلوم کورنگی کراچی میں تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا اور تین چار سال تک تفسیر و حدیث اور علم و ادب کی تعلیمات سے طلباء کو فیض یاب کرتے رہے۔ پھر مولانا بنوریؒ کی دعوت پر جامعہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی تشریف لائے اور باقی تمام زندگی اسی جامعہ میں خدمت حدیث میں گزار دی۔

مناصب:۔ جامعہ اسلامیہ نیوٹاؤن میں تخصص (پی ایچ ڈی) کا شعبہ قائم ہوا تو تخصص فی الحدیث کے نگران مقرر ہوئے۔ اس کے علاوہ پہلے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا اور بعد میں صدر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

جانشینِ امام الاولیاءؒ

حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ

ولادت:۔ آپ ۱۲ اگست ۱۹۲۶ء کو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے گھر پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۷ شعبان ۱۴۰۵ھ بمطابق مئی ۱۹۸۵ء بروز ہفتہ کو رحلت فرماگئے۔

تعلیم:۔ قرآن مجید لاہور میں حفظ کرنے کے بعد ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم میں داخلہ لیا۔ جہاں مولانا اسعد اللہ رامپوریؒ، مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ جیسے اکابر اساتذہ سے استفادہ کیا۔ بعد ازاں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۹۴۷ء میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ، مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا ادریس کاندھلویؒ جیسے اکابر سے تفسیر و حدیث اور فقہ و کلام کی تکمیل کر کے فراغت حاصل کی۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد مدرسہ مظہر العلوم کراچی میں مدرس مقرر ہوئے۔ تقریباً ۶ سال بعد لاہور تشریف لے گئے اور مصری شاہ کے ایک چبوترے پر درس دینا شروع کر دیا۔

تقریباً دس سال تک درس قرآن دیا۔

بیعت واجازت:۔ آپ اپنے والد ماجد مولانا محمد علی لاہوریؒ سے بیعت ہوئے اور انہی سے خلافت ملی۔

مناصب:۔ والد ماجد کی رحلت کے بعد آپ ''انجمن خدام الدین'' لاہور کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء کو علماء کے فیصلہ کے مطابق آپ جانشین شیخ التفسیر قرار دیئے گئے۔ مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ لاہور کے نگران اعلیٰ رہے اور ہفت روزہ خدام الدین کے سرپرست اعلیٰ بھی تھے۔ آخر وقت تک جمعیت علماء اسلام کے نائب امیر بھی رہے۔

بانیٔ جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت مولانا سید حامد میاںؒ

ولادت:۔ آپ ۱۳۴۵ھ بمطابق ۱۹۲۶ء کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۲ مارچ ۱۹۸۸ء بمطابق رجب المرجب ۱۴۰۷ھ کو آپ نے وفات پائی۔

تعلیم:۔ آپ نے حفظ قرآن اور درس نظامی کی کئی کتابیں مراد آباد میں پڑھیں۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔

مشہور اساتذہ:۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ، مولانا عبدالحق مدنیؒ، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا ادریس کاندھلویؒ، مولانا اعزاز علی امروہیؒ اور سید حسین احمد مدنیؒ شامل ہیں۔

تدریس:۔ ۱۹۵۲ء میں لاہور آئے اور جامعہ اشرفیہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ بعد میں ایک مدرسہ احیاء العلوم قائم کیا۔ پھر جلد ہی جامعہ مدینہ کے نام سے ایک بڑی درسگاہ کی بنیاد رکھی، جہاں درسِ حدیث کا سلسلہ شروع فرمایا اور آخری عمر تک شیخ الحدیث و مہتمم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

بیعت واجازت:۔ فراغت کے بعد مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے اور منازلِ سلوک طے کرنے کے بعد خلافت واجازت حاصل کی۔

تصانیف:۔ آپ نے کئی تصانیف بھی لکھی ہیں جن میں تسہیل الصرف والنحو، ذکرِ جمیل وغیرہ شامل ہیں۔

اہم کارنامے:۔ آپ نے تحریک نظام اسلام اور تحریک ختم نبوت میں اہم کردار ادا کیا۔ اور آخر وقت تک حق وصداقت کا پیغام دیتے رہے۔ ایک عرصہ تک جمعیت علماء اسلام کے امیر بھی رہے اور عمر بھر باطل نظریات کے خلاف کوشاں رہے۔ جامعہ مدینہ لاہور کی طرف سے ایک ماہنامہ ''انوار مدینہ'' بھی جاری کیا جو ایک عرصہ تک آپ کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔

مفتیٔ اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ

ولادت:۔ آپ ہندوستان کے مشہور ریاست ٹونک میں ۱۹۲۴ء کو پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۳ فروری ۱۹۹۵ء بمطابق رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ بروز جمعہ صبح ساڑھے پانچ بجے رحلت فرما گئے۔

تعلیم:۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں چار سال پڑھنے کے بعد واپس ٹونک آئے اور پھر وہیں کچھ عرصہ پڑھنے کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں دو سال تک پڑھتے رہے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۳۶۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۶۵ھ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور دیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد ٹونک کے مدرسہ میں مفتی مقرر ہوئے افتاء کے ساتھ تدریس بھی کرتے رہے۔ پاکستان آنے کے بعد دارالعلوم کراچی میں دس سال تک تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ پھر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے اصرار پر جامعۃ العلوم الاسلامیہ نیوٹاؤن میں مفتی واستاد حدیث مقرر ہوئے۔ علامہ بنوریؒ کی رحلت کے بعد جامعہ کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور آخر دم تک جامعہ کے صدر مدرس اور شعبۂ افتاء کے رئیس رہے۔ فقہی مہارت کی بناء پر مفتی اعظم پاکستان کا لقب بھی ملا۔

بیعت واجازت:۔ آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے خلیفہ ارشد تھے۔

تصانیف:۔ آپ نے کئی علمی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں جن میں تاریخ اصول فقہ، تذکرۃ الاولیاء، بیمہ زندگی کی شرعی حیثیت اور فتنہ انکار حدیث قابل ذکر ہیں۔

خطیب لاثانی

حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ

ولادت:۔ آپ ۱۹۳۱ء کو خان پور ضلع رحیم یار خان میں پیدا ہوئے۔
وفات:۔ ۱۸ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ بمطابق ۱۴ اگست ۱۹۸۷ء بروز جمعہ کو وصال فرما گئے۔
تعلیم:۔ تعلیم ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں میں حاصل کی پھر سندھ کے مختلف مدارس میں جا کر تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۵۲ء میں مدرسہ قاسم العلوم گھوٹکی سے سند فراغت حاصل کی۔
تدریس:۔ آپ جامعہ مخزن العلوم خان پور میں چار سال تک مدرس رہے۔
مناصب:۔ آپ ۱۹۶۶ء میں تنظیم اہل سنت والجماعت میں شامل ہوئے اور مرکزی نائب صدر رہے۔ اس کے علاوہ جامع مسجد فقیر تنظیم اہل سنت کے خطیب بھی رہے۔ ۱۹۷۴ء میں مجلس تحفظ حقوق اہل سنت کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۸۷ء کو عالمی مجلس تحفظ علماء کا قیام عمل میں آیا تو آپ نے اس کی قیادت سنبھالی جمعیت علماء اسلام کے ضلعی امیر بھی رہے۔
اہم کارنامے:۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا۔ پھر ۱۹۵۵ء کو میدان تبلیغ میں قدم رکھا اور ملک کے کونے کونے میں تبلیغی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۶ء میں پاک بھارت جنگ کے موقع پر جہاد میں حصہ لیا۔ تین ٹرک سامان اور ۱۲۰۰ قرآن حکیم کے نسخے تقسیم کیے۔ مختلف مقامات پر چالیس تقاریر فرمائیں جس پر حکومت آزاد کشمیر نے حسن کارکردگی کا سرٹیفکیٹ بھی دیا۔

مجاہدِ ملّت

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ

ولادت:۔ آپ ۱۹۳۹ء کو سہارنپور میں پیدا ہوئے۔
وفات:۔ ۳۰ جنوری ۱۹۹۰ء کو آپ نے وفات پائی۔
تعلیم:۔ حفظ قرآن کے بعد درس نظامی کی تعلیم اکوڑہ خٹک اور جامعہ خیر المدارس ملتان میں حاصل کی۔ پھر جامعۃ العلوم الاسلامیہ نیوٹاؤن سے درس حدیث کے بعد دستار فضیلت عطا ہوئی۔

مشہور اساتذہ:۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا عبدالرحمن کاملپوریؒ، حضرت مولانا عبدالشکور کاملپوریؒ اور حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد ہی جامعۃ العلوم الاسلامیہ نیوٹاؤن میں مدرس اور مفتی کے منصب سے سرفراز ہوئے۔ حضرت بنوریؒ کے بعد آپ جامعہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔

بیعت و اجازت:۔ حضرت مولانا فقیر محمد پشاوریؒ کی طرف سے آپ کو خلافت و اجازت حاصل تھی۔

اہم کارنامے:۔ تدریس و افتاء اور جامعہ کے اہتمام کی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ نے دینی و ملی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت میں اہم کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی تنظیم اور نظام اسلام کی جدوجہد میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔

استاذ العلماء

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ

ولادت:۔ آپ ۱۹۱۴ء کو رائپور ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۷ دسمبر ۱۹۸۵ء/۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ کو رحلت فرمائی۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ رشیدیہ رائپور میں حاصل کی۔ ثانوی تعلیم جامعہ خیر المدارس اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ جہاں ۱۳۵۴ھ کو دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ آپ کے قابل قدر اساتذہ میں مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا اعزاز علی امروہیؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ شامل ہیں۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد مدرسہ احیاء العلوم جالندھر میں مدرس مقرر ہوئے، پھر مدرسہ سبیل الرشید ہوشیارپور میں دو سال کتابیں پڑھائیں۔ ایک سال مدرسہ اشرف المدارس

ابوہریرہ میں تعلیم وتدریس کا کام کیا تقسیم ملک کے بعد ساہیوال آگئے اور جامعہ رشیدیہ میں ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔

بیعت:۔آپ نے ۱۳۵۵ھ میں حضرت مدنیؒ کے دست حق پر بیعت کی۔

اہم کارنامے:۔۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں اہم کردار ادا کیا۔پھر تحریک نظام مصطفیٰ میں بھی خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔آپ کئی سال جمعیت علماء اسلام ساہیوال کے امیر رہے اور ملکی وملی کاموں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔

حضرت جی سوم

حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ

ولادت:۔آپ ۱۹۱۶ء کو مشہور قصبہ کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔۱۱محرم الحرام ۱۴۱۶ھ بمطابق ۱۰جون ۱۹۹۵ء بروز ہفتہ رحلت فرما گئے۔

تعلیم:۔ابتدائی تعلیم کاندھلہ میں حاصل کی۔پھر ۱۳۶۲ھ کو مدرسہ مظاہر العلوم میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

مشہور اساتذہ:۔مولانا عبدالشکور کاملپوریؒ، مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ، مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ سے جیسے اکابر علماء آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

تدریس:۔۱۳۸۶ھ کو بستی نظام الدین میں دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کا مشغلہ بھی اختیار فرمایا۔مختلف علوم وفنون کی کتابیں زیر درس ہیں۔آخری سالوں میں بخاری کا درس دیتے رہے۔

بیعت واجازت:۔حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی طرف سے آپ کو خلافت و اجازت حاصل تھی۔

اہم کارنامے:۔فراغت کے بعد سے آپ تبلیغی کاموں میں مصروف ہوگئے تھے۔آپ نے بین الاقوامی طرز پر کئی تبلیغی مراکز قائم کیے اور پوری زندگی اسی مقصد عظیم کے لیے وقف کر دی۔ہزاروں افراد آپ کے دست حق پر بیعت ہوئے زندگی بھر اسلام کی خدمت کر کے پوری دنیا کو تبلیغ دین سے روشناس کرایا۔

تفصیلی حالات کیلئے سید محمد شاہد کی کتاب ''دعوت و تبلیغ کے حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی'' ملاحظہ فرمائیں۔

فقیہ العصر

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحؒ

ولادت:۔ آپ ضلع خانیوال کے ایک گاؤں اشرف کوٹ میں ۳ صفر ۱۳۴۱ھ بمطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۲۲ء میں بروز پیر کو پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۶ رذی الحجہ ۱۴۲۲ھ بروز منگل داعی اجل کو لبیک کہا۔

تعلیم:۔ پانچ برس کی عمر میں حفظ قرآن کی تعلیم شروع کی۔ حفظ قرآن کے بعد چار سال پرائمری اسکول میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر ۱۳۵۳ھ میں گھوٹہ شریف ملتان میں فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر خانیوال پہنچے اور عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر تین سال گوجرانوالہ اور جھنگ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۵۷ھ میں مدرسہ دارالہدیٰ ٹھیڑی آئے وہاں سے محرم ۱۳۵۹ھ کو درگاہ تشریف لے گئے اور اپنے بھائی سے تفسیر، ادب اور منطق کی کتابیں پڑھیں۔ اگلے سال گجرات تشریف لے گئے اور ایک سال میں مختلف علوم وفنون کی تیس کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد دورۂ حدیث کے لیے شوال ۱۳۶۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شعبان ۱۳۶۱ھ میں تمام علوم وفنون سے فارغ ہوئے۔ دورۂ حدیث کے ساتھ ساتھ قاری حفظ الرحمٰن وغیرہ سے تجوید کی کتابیں بھی پڑھیں۔

مشہور اساتذہ:۔ حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ، حضرت مولانا ابراہیم بلیاویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں سے تھے۔

تدریس:۔ ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ مدینۃ العلوم بھنیڈو میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۶۴ھ میں آپ کو صدر مدرس بنا دیا گیا۔ اسی سال بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث کی تدریس بھی شروع کی۔ ساتھ میں افتاء کا کام بھی آپکے سپرد ہوا۔ ۱۳۷۰ھ میں آپ بحیثیت صدر مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ دارالہدیٰ بھینڈو تشریف لے گئے۔ چھ سال بعد دارالعلوم کراچی کورنگی تشریف لائے اور سات سال تک شیخ الحدیث اور صدر مفتی کی حیثیت سے وہاں رہے۔ (مجموعی اعتبار

سے آپ نے بیس مرتبہ بخاری شریف کا درس دیا) اس کے علاوہ دارالعلوم کراچی میں ۱۳۸۱ھ سے آپ کی زیر تربیت تخصص فی الفقہ کا شعبہ بھی شروع کیا گیا۔ رمضان ۱۳۸۳ھ میں دارالعلوم چھوڑ کر ناظم آباد کراچی میں ''اشرف المدارس کی بنیاد رکھی جو بعد میں دارالافتاء والارشاد کے نام سے مشہور ہوا جو عرصۂ دراز تک کراچی کا اہم علمی اور جہادی مرکز بنا رہا۔ تاحیات آپ دینی وعلمی خدمات انجام دیتے رہے۔

بیعت واجازت :۔ آپ اولاً حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے پھر پھولپوریؒ سے شرف بیعت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ بعد میں آپ کو اجازت بیعت بھی عطا فرمائی۔

تصانیف :۔ آپ کی تصنیفی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ سو سے زائد کتابیں اور رسائل تصنیف و تالیف فرمائے ہیں۔ جس میں احسن الفتاویٰ، ارشاد القاری الیٰ صحیح البخاری، افکار حدیث، منکرات محرم، تسہیل المہر ات، اصلاح معاشرہ، فضائل جہاد، تربیت اولاد، رد البدعت، قادیانی مذہب اور سیاست اسلامیہ وغیرہ شامل ہیں۔

اہم کارنامے :۔ آپ نے افتاء کے سلسلے میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آپ کی فتاویٰ نویسی نے اس قدر شہرت حاصل کی کہ بیرون ممالک کے علماء بھی مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ افتاء کے سلسلہ میں ''دارالافتاء والارشاد'' کی بنیاد بھی ڈالی۔ اس کے علاوہ آپ ہر جمعہ اور اتوار کی شام تلقین وہدایت کے لیے وقت فارغ کر دیتے تھے جس میں کثیر تعداد میں مرد وخواتین حاضر ہو کر فیضیاب ہوتے۔ اس کے علاوہ مجاہدین کی خوب اور بھرپور سرپرستی بھی فرماتے۔ طالبان کی حمایت اور امداد بھی کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں آپ نے ایک ادارہ ''الرشید ٹرسٹ'' بھی قائم فرمایا۔

زبدۃ الفقہاء

حضرت مولانا عبدالشکور ترمذیؒ

ولادت :۔ آپ کی ولادت باسعادت ریاست پٹیالہ مشرقی پنجاب میں ۱۱ رجب المرجب ۱۳۴۱ھ کو ہوئی۔

وفات:۔۵رشوال ۱۴۲۱ھ (یکم جنوری ۲۰۰۱ء) کو انتقال فرمایا۔

تعلیم:۔ابتدائی تعلیم دار العلوم اشرفیہ اور مظفر نگر کے ایک مدرسہ میں حاصل کی۔فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں اور بعض متوسط کتابیں ہدایہ، جلالین وغیرہ اپنے والد ماجد اور دوسرے مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ پھر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی میں داخلہ لیا۔اس کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد شعبان ۱۳۶۵ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ درمیان میں کچھ عرصہ مدینہ منورہ اور پانی پت میں تجوید کی بعض کتابیں بھی پڑھیں۔

مشہور اساتذہ:۔آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد متین خطیبؒ اور مولانا ظہور احمد دیوبندیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تدریس:۔فراغت کے بعد مدرسہ عربیہ پٹیالہ میں تدریسی خدمات انجام دینے پر مامور ہوئے۔اس کے بعد مدرسہ حقانیہ شاہ آباد میں تدریس کی۔قیام پاکستان کے بعد ساہیوال میں ایک مدرسہ قاسمیہ قائم کیا جہاں قرآن مجید کے علاوہ فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے زمانہ میں مدرسہ بند ہو گیا تھا۔پھر یکم ربیع الاول ۱۳۷۰ھ سے باقاعدہ مدرسہ کا افتتاح کیا گیا اور مدرسہ کا نام ''حقانیہ'' رکھا۔مدرسہ کے اہتمام کے علاوہ آپ مشکوٰۃ شریف وغیرہ پڑھاتے تھے۔

بیعت واجازت:۔آپ کو حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ان کی رحلت کے بعد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے تعلق قائم کیا۔۱۳۸۰ھ میں آپ کو اجازت بیعت سے نوازا گیا۔ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ سے بیعت ہوئے اور ۱۳۹۵ھ کو حضرت مفتی صاحب نے بھی اجازت بیعت وتلقین سے معزز فرمایا۔

تصانیف:۔آپ کے قلم سے ساٹھ سے زائد تصانیف وتالیف ہو چکی ہیں۔جن میں ہدیۃ الحیران فی جواہر القرآن، عقائد علماء دیوبند، السعی الشکور فی احکام العشور، مودودی کے نظریات پر ایک نظر، اسلام میں ارتداد کی سزا، دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت اور تذکرہ الظفر علمی شاہکار ہیں۔

مزید تفصیلی حالات کیلئے مولانا عبدالقدوس ترمذی کی کتاب ''حیات ترمذی'' پڑھیں۔

عظیم مصنف

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

ولادت:۔آپ مشہور صوبہ یوپی میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔۱۳؍رمضان ۱۴۲۲ھ (۲۸؍نومبر ۲۰۰۱ء) کو راہیٔ عالم بقاء ہوئے۔

تعلیم:۔قرآن مجید حفظ کر کے مولانا محمد صادق صاحب ہی سے فارسی اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں دو سال تک فقہ واصول فقہ، ادب اور منطق وغیرہ پڑھیں۔ پھر شوال ۱۳۵۸ھ کو مدرسہ خلافت علی گڑھ میں مختصر المعانی، سراجی، ہدایہ، حسامی، سلّم، شرح عقائد اور مقامات پڑھ کر مظاہر العلوم میں داخلہ لیا اور بقیہ علوم وفنون کی تکمیل کر کے ۱۳۶۳ھ میں فراغت حاصل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، مولانا عبداللطیفؒ اور مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ وغیرہ آپ کے ممتاز اساتذہ میں سے ہیں۔

تدریس:۔فراغت کے بعد مدرسہ آثار ولی اور پھر مدرسہ اسلامیہ میرٹھ میں مدرس مقرر ہوئے۔ پھر مدرسہ حافظ الاسلام فیروز پور میں ایک سال پڑھایا۔اس کے بعد ۱۳۷۳ھ میں کلکتہ چلے آئے اور تین سال تک متعدد مدارس میں تدریس کی۔ پھر ۱۳۸۱ھ کو مدرسہ حیات العلوم میں نائب ناظم کے عہدہ پر رہتے ہوئے بیضاوی شریف، مسلم شریف، ابوداؤد شریف وغیرہ کا درس دیتے رہے۔ پھر رمضان ۱۳۸۴ھ میں دارالعلوم کراچی چلے گئے اور تفسیر وحدیث کے ساتھ ساتھ دارالافتاء کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ پھر مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے اور آخری عمر تک وہیں علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

تصانیف:۔آپ نے بہت سی کتابیں بھی تالیف فرمائی۔جن کی تعداد تقریباً پچاس تک ہیں۔ مجانی الآثار من شرح معانی الآثار عربی، زاد الطالبین، الفوائد السنیہ، امت مسلمہ کی مائیں، صحابۂ کرام کی جانبازی، تذکرۂ اصحاب صفہ، پچاس قصے، چھ باتیں، مسنون دعائیں، آسان نماز، شرعی پردہ، گلشن حدیث، مرنے کے بعد کیا ہوگا، فضائل امت محمدیہ، آئینۂ نماز، وصایا امام اعظم، اسلامی نام وغیرہ۔آخری عمر میں قرآن کریم کی مفصل تفسیر ''انوار البیان'' کے نام سے تحریر فرمائی۔

تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ فرمائیں مولانا عبداللہ المدنی کی تصنیف ''یادگار اسلاف میرے والد ماجد''

مردِ درویش

حضرت مولانا مفتی محمد وجیہہ صاحبؒ

ولادت:۔ آپ ۳ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ کو رامپور میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔

تعلیم:۔ مدرسہ اسلامیہ ٹانڈہ میں اردو، حساب اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ پھر عربی کی ابتدائی کتابیں کافیہ تک مولانا محمد صابر امروہیؒ سے حاصل کی۔ اس کے بعد شوال ۱۳۵۱ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور تمام علوم وفنون کی تکمیل کی۔ ۱۳۲۳ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ پھر دو سال میں منطق وفلسفہ، اصول، علم حساب، علم ہیئت، اقلیدس اور ادب وغیرہ کی تکمیل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ، مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور مولانا اسعد اللہؒ صاحب وغیرہ خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد مدرسہ خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں مدرس مقرر ہوئے اور تقریباً ایک سال تدریس کی۔ پھر شوال ۱۳۶۸ھ میں مدرسہ اشرف المدارس پردوئی میں ایک سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر جلال آباد مفتاح العلوم میں مدرس مقرر ہوئے اور پانچ سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۷۴ھ کو دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں تشریف لائے اور تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ آپ طویل عرصے تک دارالعلوم اسلامیہ کے شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ ۱۷ سال تک افتاء کی خدمات بھی انجام دیں۔ آخر میں آپ نے حیدرآباد میں مظاہر العلوم کے نام سے ایک معیاری دینی ادارے کی بنیاد رکھی۔

بیعت واجازت:۔ آپ کو حضرت تھانویؒ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ پھر مفتی محمد شفیعؒ نے ۱۳۹۵ھ میں آپ کو خلافت واجازت سے نوازا ان کے علاوہ حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ

نے بھی اجازت بیعت مرحمت فرمادیں۔

مبلّغ اعظم

حضرت مولانا مفتی زین العابدین فیصل آبادیؒ

ولادت:۔ آپ جنوری ۱۹۱۷ء کو میانوالی میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ اور پھر لاہور ملتان کے علماء سے حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۸ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا عبدالرحمٰنؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا بدر عالم میرٹھیؒ جیسے اکابر علماء آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد اشرف المدارس امرتسر میں مدرس مقرر ہوئے تقریباً چار سال تک تدریس کی۔ ۱۹۵۶ء میں جامع مسجد فیصل آباد کے مفتی وخطیب مقرر ہوئے اور وہاں دارالعلوم اشرف المدارس قائم کیا۔

بیعت واجازت:۔ آپ نے حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے دستِ حق پر بیعت کی اور ۱۹۵۲ء میں خلافت حاصل کی۔

تبلیغ:۔ آپ نے دعوت وتبلیغ کے لیے بچاسیوں مرتبہ سعودی عرب، افریقہ، لندن، مشرق وسطیٰ، ملائیشیا، سنگاپور اور دیگر ممالک کے دورے کیے اور تبلیغ کا حق ادا کیا۔

بحرالعلوم

حضرت مولانا موسیٰ روحانی بازیؒ

ولادت:۔ آپ ۱۹۳۵ء کو ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم علاقہ کے علماء سے حاصل کی۔ پھر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں

دوسال تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں ۔ بعدازاں آپ نے مدرسہ قاسم العلوم ملتان شہر میں داخلہ لیا اور ۱۳۷۳ھ میں دورۂ حدیث سے سند فراغت حاصل کی۔ تفسیر قرآن کی سند دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی سے حاصل کی۔

تدریس :۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ قاسم العلوم میں تدریس وافتاء کا کام کیا۔ پھر مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ میں بطور صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ تین سال بعد وہاں سے منڈی بوریوالہ کے ایک مدرسہ میں ایک سال تدریس کی۔ پھر مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں بطور صدر مدرس تشریف لائے اور چند سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۷۰ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور بطور شیخ التفسیر تشریف لے گئے اور تادم حیات خدمات انجام دیتے رہے۔

تصانیف :۔ آپنے تقریباً ساٹھ ستر کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جو مختلف علوم وفنون پر مشتمل ہیں۔ اس علمی انحطاط کے دور میں بلاشبہ آپ اپنی مثال خود تھے۔

سحبان الامت

حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ

ولادت :۔ آپ کی ولادت ۱۳۴۵ھ میں ہوئی۔

وفات :۔ ۲۹/ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ کو رحلت فرمائی۔

تعلیم :۔ ۱۳۵۵ھ میں حفظ قرآن کے بعد فارسی کی تعلیم شروع کی۔ ۱۳۵۷ھ میں فارسی کی تعلیم مکمل کرکے درس نظامی کی کتابیں شروع کیں۔ ۱۳۶۴ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور موقوف علیہ تک یہیں پڑھا۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان ہجرت کی اور ۱۳۶۸ھ میں جامعہ خیر المدارس ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ، مفتی عبداللہؒ اور مولانا عبدالشکور کامل پوری سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

تدریس :۔ ۱۳۷۰ھ میں علامہ سید سلمان ندویؒ کے ایک مدرسہ میں بحیثیت صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد ذی قعدہ ۱۳۷۱ھ کو دارالعلوم کراچی میں بحیثیت عربی استاد تشریف لے گئے۔ پھر شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور تقریباً ۳۵ سال تک بخاری

شریف کا درس دیتے رہے، جس کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ آپ دورۂ تفسیر بھی پڑھاتے تھے۔ چند سال آپ دارالعلوم کراچی کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ انتہائی متقی اور باخدا شخص تھے۔ ''رجم'' پر ایک غیر مطبوعہ مقالہ بھی جامعہ دارالعلوم کراچی کی لائبریری میں موجود ہے۔

مشہور تلامذہ:۔ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور حضرت علامہ محمد تقی عثمانی اور دیگر اساتذہ دارالعلوم آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ بندہ کو بھی صحیح بخاری شریف مکمل آپ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہے۔

مزید تفصیلات کیلئے ''نقوش رفتگاں'' ملاحظہ فرمائیں۔

بانی جامعہ امدادیہ فیصل آباد

حضرت مولانا نذیر احمد فیصل آبادیؒ

ولادت:۔ فیصل آباد کے گاؤں ''روشن والا'' میں ۱۹۳۱ء کو پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۳ر جولائی ۲۰۰۴ء کو جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

تعلیم:۔ آپ نے دینی تعلیم جامعہ خیر المدارس ملتان میں حاصل کی اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ اور مولانا عبدالشکور کاملپوریؒ جیسی عظیم علمی شخصیات سے دورۂ حدیث پڑھا اور سند فراغت حاصل کی۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد آپ نے ایک عرصہ تک خیر المدارس ہی میں تدریس کی۔ پھر اپنے شیخ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفیؒ کی سرپرستی میں فیصل آباد میں رمضان ۱۴۰۳ھ کو جامعہ اسلامیہ امدادیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ کا اجراء کیا اور آخری عمر تک اسی جامعہ میں علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

بیعت و اجازت:۔ دوران تدریس آپ نے حضرت جالندھریؒ کی طرف سے مجاز بیعت ہونے کا شرف حاصل کیا۔ ان کی رحلت کے بعد حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفیؒ سے روحانی تعلق قائم کیا اور ان کے خلیفہ مجاز مقرر ہوئے۔

اہم کارنامے:۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کا قیام ہے

جو بہت قلیل مدت میں تعلیمی ترقی کر کے آج ایک بلند پایہ دینی وعلمی ادارہ بن چکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے مرکزی نائب صدر بھی رہے۔

شہید اسلام

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

ولادت:۔ آپ ۱۳۵۱ھ بمطابق ۱۹۳۲ء کو عیسیٰ پور لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۱۳ صفر ۱۴۲۱ھ بمطابق ۱۸ مئی ۲۰۰۰ء کو کراچی میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کر کے ۱۹۴۵ء میں مدرسہ محمودیہ لدھیانہ میں داخل ہوئے۔ پھر اگلے سال مدرسہ انواریہ میں داخلہ لیا اور دو سال یہاں مختلف اساتذہ سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ قیام پاکستان کے بعد ملتان میں قیام پذیر ہوئے اور تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر ایک سال مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی بہاول نگر میں متوسط کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ خیر المدارس گئے اور ۱۳۷۵ھ میں دورۂ حدیث سے سند فراغت حاصل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ اساتذہ میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا عبدالشکور کامل پوریؒ، مولانا مفتی عبداللہ ملتانیؒ اور مولانا محمد شریف کشمیریؒ جیسے اکابر شامل ہیں۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد تدریس کے لیے فیصل آباد گئے اور مشکوٰۃ تک کی تمام کتابیں پڑھائیں۔ پھر جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر لائل پور تشریف لے گئے جہاں دس سال قیام رہا۔ اس کے علاوہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاد حدیث بھی رہے۔

بیعت واجازت:۔ آپ نے مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے سلسلۂ اشرفیہ امدادیہ میں بیعت کی۔ ان کی رحلت کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے رجوع کیا اور خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے۔ بعد ازاں حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفیؒ نے بھی خلافت واجازت عطا فرمائی۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا مسعود ازہر کے ہاتھ پر بیعت علی الجہاد بھی فرمائی۔

تصانیف :۔ آپ نے متعدد کتب اور سینکڑوں مقالات لکھے جن میں، سیرت عمر بن عبدالعزیز، سوانح حیات حضرت شیخ الحدیث، اختلاف امت اور صراط مستقیم، شیعہ سنی اختلافات، قادیانیوں کو دعوت اسلام قادیانی مباہلہ، حیات عیسیٰ، خاتم النبیین اردو اور شخصیات وتاثرات وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اہم کارنامے :۔ آپ نے اسلام کے لیے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ ملکی وملی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۶۲ء میں ایوب خان کے دور حکومت میں جب ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس کے رفقاء نے اسلام پر تابڑتوڑ حملے شروع کیے تو حضرت بنوریؒ نے آپ کو کراچی طلب فرمایا تاکہ اس فتنہ کا سدباب کیا جاسکے۔ چنانچہ آپ نے ''فضل الرحمانی فتنہ'' کو کچلنے میں اہم کردار ادا کیا اور متعدد مضامین لکھے جو ماہنامہ ''بینات'' میں شائع ہوتے رہے۔ پھر حضرت بنوریؒ کے حکم پر آپ ماہنامہ ''بینات'' سے وابستہ ہوئے اور مدیر مسئول مقرر ہوئے۔ پھر تاحیات مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۷۴ء میں ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے ناظم مقرر ہوئے اور عمر بھر ختم نبوت کا پرچم بلند رکھا۔ ۱۹۸۱ء میں جنگ کا اسلامی صفحہ اقراء جاری ہوا تو اس میں آپ نے ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کا مستقل سلسلہ شروع فرمایا جس کے ذریعہ لاکھوں مسائل کے جوابات اور دینی کام انجام دینے لگے۔ اس کے علاوہ آپ نے جہادی تنظیم بالخصوص جیش محمد ﷺ اور مجاہدین کی سرپرستی بھی فرمائی اور ہمیشہ طالبان کی حمایت کرتے رہے۔ (شاید یہی وجہ تھی جس کی بناء پر آپ کو شہید کردیا گیا۔)

مزید تفصیلات جاننے کیلئے ماہنامہ بیّنات کا خصوصی نمبر ملاحظہ فرمائیں۔

خطیب ایشیاء

حضرت مولانا ضیاء القاسمیؒ

ولادت :۔ آپ ۱۹۳۷ء کو ریاست مالیہ کوٹلہ میں پیدا ہوئے۔

وفات :۔ آپ نے ۲؍شوال ۱۴۲۱ھ کو وفات پائی۔

تعلیم :۔ ابتدائی چار جماعت تک اسکول میں تعلیم حاصل کی پھر دینی تعلیم کے لئے مدرسہ اشاعت العلوم فیصل آباد میں داخل ہوئے اور درس نظامی کی تمام کتابیں نو سال تک اس

مدرسہ میں پڑھیں۔ پھر ایک سال جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں رہ کر تمام نصابی کتاب مکمل کیں۔ ۱۹۵۶ء کو مدرسہ قاسم العلوم میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

مشہور اساتذہ:۔ اساتذہ میں حضرت علامہ محمد شریف کشمیریؒ اور حضرت مفتی محمودؒ قابل ذکر ہیں۔

تدریس:۔ جامعہ قاسمیہ فیصل آباد میں اہتمام کے علاوہ تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔

بیعت واجازت:۔ آپ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے۔

تصانیف:۔ آپ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جن میں خطابت قاسمی علمی شاہکار ہے۔

اہم کارنامے:۔ فراغت کے بعد دینی وتبلیغی خدمات میں مصروف ہو گئے تھے۔ منکرین ختم نبوت، منکرین حدیث اور عائلی قوانین کے خلاف تحریکات میں آپ نے سرگرمی سے حصہ لیا اور ایوبی دورِ حکومت میں چھ ماہ نظر بند رہے۔ اسی طرح اہل بدعت کی طرف سے شرک و بدعت کا طوفان کھڑا کیا گیا تو اس کی سرکوبی کے لیے آپ نے ایک زبردست تحریک چلائی، اہل بدعت کو شکست فاش ہوئی اور آپ کی تحریک کامیاب رہی۔ چند سال جمعیت علماء اسلام سے بھی وابستہ رہے۔ اسی طرح تنظیم اہل سنت کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ پھر تحریک تحفظ ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ آخر میں سپاہ صحابہؓ کے سرپرست منتخب ہوئے اور سپریم کونسل سپاہ صحابہؓ کے چیئرمین بھی رہے پھر زندگی کے تمام لمحات تحفظ ناموس رسالت وصحابہؓ کے لیے وقف کر دیئے۔ آپ اپنے زمانے کے صاحب طرز اور بے مثال خطیب تھے۔

تفصیلی احوال وواقعات کیلئے ماہنامہ نورعلی نور کا خاص نمبر ''خطیب دین وملت'' پڑھیں۔

بانی تحریک خدام اہلسنت والجماعت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ

ولادت:۔ ۱۰رذی الحجہ ۱۳۳۳ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۱۴ء

وفات:۔ ۳رذی الحجہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۶رجنوری ۲۰۰۴ء

تعلیم :۔ ابتدائی تعلیم پنجاب کے مختلف مدارس عربیہ میں حاصل کی۔ پھر ۱۳۵۷ھ کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۸ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

مشہور اساتذہ :۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا اعزاز علی امروہیؒ، مولانا ابراہیم بلیاویؒ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا شمس الحق افغانیؒ جیسے اکابر علماء شامل ہیں۔

تدریس :۔ فراغت کے بعد وطن واپس آکر تعلیم و تدریسی خدمات میں مصروف ہو گئے پھر چکوال میں ایک مدرسہ ''اظہار الاسلام'' قائم فرمایا۔ جہاں تدریس کے ساتھ ساتھ مدرسہ کا نظم و نسق بھی احسن طریقے سے چلاتے رہے۔

بیعت و اجازت :۔ آپ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ ارشد ہیں۔

اہم کارنامے :۔ آخری عمر تک تحریک خدام اہلسنت پاکستان کے امیر کی حیثیت سے باطل نظریات کے خلاف جہاد میں مصروف رہے۔ چکوال اور اس کے اردگرد علاقے میں آپ کی خدمات کے واضح اثرات محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ ماہنامہ ''حق چار یارؓ'' کے علاوہ دیگر کئی کتب ردِ فتن کے موضع پر تحریر فرمائیں۔

فاتحِ قادیانیت

حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ

ولادت :۔

وفات :۔ ۸/ جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ

تعلیم :۔ آپ نے درس نظامی کی تعلیم خیر المدارس ملتان سے حاصل کی اور فارغ التحصیل ہوئے۔

تدریس :۔ آپ نے چنیوٹ میں ایک مدرسہ ''جامعہ عربیہ چنیوٹ'' قائم کیا جہاں تدریس کے ساتھ ساتھ دعوت و ارشاد کا کام بھی کرتے رہے۔

اہم کارنامے :۔ آپ نے ساری زندگی قادیانیت و مرزائیت کے خلاف جہاد میں گزار دی اور اس مقصد کے لیے شب و روز مصروف عمل رہے۔ ۱۹۶۰ء سے قادیانیوں کے فریب کا

پردہ چاک کرتے رہے۔ اس سلسلے میں آپ نے ایک ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد بھی قائم فرمایا جہاں سے عالمی سطح پر قادیانیت کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ چند سال پہلے آپ نے چنیوٹ میں انٹرنیشنل ختم نبوت یونیورسٹی قائم کی جس میں دنیا بھر کے مسلمان طلباء کو ختم نبوت پر تخصص کرایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اندرون ملک و بیرون ملک کے دینی طلباء کے لیے ردِقادیانیت کا ایک شارٹ کورس بھی تیار کیا جس کے مطابق تقریباً ملک بھر کے دینی اداروں میں طلبہ کو تیار کیا جاتا ہے۔ آپ نے بذات خود بھی دارالعلوم دیوبند، مدینہ یونیورسٹی اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں جا کر یہ کورس پڑھایا۔ آپ کئی بار صوبائی اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے اور اسمبلی میں بھی آپ نے اپنے اس عظیم مشن کو بارہا پیش کیا۔ ربوہ شہر کا نام تبدیل کروانے میں بھی آپ کا بہت بڑا کردار تھا۔

امام الزاہدین

مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رح

پیدائش:۔ آپ یکم فروری ۱۹۱۳ء کو شمس آباد ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۶ محرم ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۹۷ء بروز بدھ

تعلیم:۔ آپ نے عصری تعلیم ورنیکلر مڈل اسکول شمس آباد سے مڈل پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل II کیا۔ اور ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد اور چچا سے حاصل کی اور پھر حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی اور حضرت شیخ الہند کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی اور ایک سال مدرسہ عالیہ مظاہر العلوم سہارنپور میں تعلیم حاصل کی اور پھر دورۂ حدیث ازہر ہند دارالعلوم دیوبند سے کیا۔

اساتذہ:۔ مولانا سعد الدین، مولانا عبدالرحمٰن، مولانا ظہور الحق، مفتی جمیل احمد تھانوی، مولانا سراج احمد رشیدی، مولانا بدر عالم میرٹھی، مفتی عتیق الرحمٰن، حضرت مولانا اعزاز علی، مولانا رسول خان، مولانا ابراہیم، مولانا اصغر حسین اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔

بیعت وخلافت:۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ محمد ابراہیم موسیٰ زئی شریف سے بیعت ہوئے، خواجہ محمد قاسم صاحب مورثِ اعلیٰ موہڑہ شریف نے سلسلہ نقشبندیہ میں خلافت سے

نوازا سلسلہ چشتیہ میں حضرت مدنیؒ سے بیعت کی اور حضرت مدنی نے طالبین کیلئے تسبیحاتِ ستہ کی تلقین کی اجازت عطا فرمائی۔ سلسلہ قادریہ میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری سے بیعت کی۔ حضرت لاہوریؒ نے آپ کو سلاسل اربعہ میں بیعت کی اجازت عطا فرمائی۔

تصانیف:۔ درس قرآن مجید (۲۸ جلدیں)، آسان تفسیر تعلیم القرآن، تذکرۃ المفسرین، انوار الحدیث (۲۸ جلدیں)، تذکرہ دیار حبیب ا، رحمت کائنات ا، باحمہ باوقارا، چراغ محمہ، سات خوش نصیب، انوار الرشید فی بین حقوق المعبود والعبید، محسن اعظم ا، ظل رحمانی، نجات دارین، قواعد ترجمۃ القرآن، احسن الفوائد اردو ترجمہ شرح عقائد نسفی، درّہ زاہدیہ برفرقۂ احمدیہ وغیرہ۔

مصلح ملت

مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ

پیدائش:۔ آپ جولائی ۱۹۵۲ء کو سوات میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ مطابق ۳۰ مئی ۲۰۰۴ء بروز اتوار جام شہادت نوش فرما گئے۔

تعلیم:۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ مظہر العلوم مینگورہ سوات اور راولپنڈی کے مدارس میں حاصل کی پھر کراچی تشریف لے آئے۔ ابھی آپ تیسرے درجے میں تھے کہ آپ کے والد جناب حبیب الرحمٰن شامزئی وفات پا گئے۔ یوں آپ کی پرورش اور تعلیم و تعلم کی ذمہ داری آپ کے بڑے بھائی ڈاکٹر عزیز الدین شامزئی نے اٹھائی۔ آپ کے تعلیمی مراحل کی تکمیل جامعہ فاروقیہ کراچی سے ہوئی۔

اساتذہ:۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سوات، حضرت مولانا فیض علی شاہ، حضرت مولانا عنایت اللہ خان، حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ۔

تدریس:۔ جامعہ فاروقیہ سے فراغت کے بعد حضرت شیخ کے حکم سے جامعہ فاروقیہ میں ہی تدریس شروع کر دی اور تقریباً بیس سال تدریسی خدمات انجام دیتے رہے پھر حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کے حکم اور ان کی دعوت پر جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں استادِ

حدیث کی حیثیت سے کام شروع کردیا۔ آخری وقت میں جامعہ کے شیخ الحدیث اور شعبہ تخصص فی الفقہ کے نگران تھے۔

تصانیف:۔ شرح مقدمہ مسلم، عقیدہ ظہور مہدی احادیث کی روشنی میں، والدین کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، اور پی ایچ ڈی کا مقالہ شیوخ بخاری وغیرہ۔

مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمائیں ماہنامہ بینات کا خصوصی نمبر

پیکر اخلاص و اخلاق

حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ

ولادت:۔ ۱۹۵۳ء (بمطابق پاسپورٹ)، کراچی

شہادت:۔ ۹/ اکتوبر ۲۰۰۴ء

تعلیم:۔ تکمیل حفظ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، ابتدائی تعلیم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں حاصل کی، درمیان میں ایک سال کیلئے گوجرانوالہ حضرت مولانا مفتی خلیلؒ کے مدرسے جامعہ اشرفیہ میں حصول علم کے لئے تشریف لے گئے، بعدازاں تکمیل درس نظامی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے کی۔ تخصص فی الفقہ کا دوسالہ کورس مکمل کرکے مفتی بنے۔

ممتاز اساتذہ:۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، حضرت مولانا مفتی خلیلؒ، حضرت مولانا بدیع الزمانؒ، حضرت مولانا مصباح اللہ شاہؒ، حضرت مولانا محمد عبداللہ کاکا خیلؒ، حضرت مولانا محمد سواتیؒ، حضرت مولانا عبدالقیوم چترالی، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر۔ دورۂ تفسیر حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا۔

تدریس:۔ تعلیم سے فراغت کے بعد جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تدریسی خدمات سرانجام دیں اور اس کے ساتھ انتظامی امور میں بھی حصہ لیا۔

اہم کارنامے:۔ ۱۹۷۴ء، ۱۹۸۴ء کی تحریکات ختم نبوت اور اس کے بعد سے تمام تحریکات ختم نبوت میں بھرپور شرکت۔ سواد اعظم کی تحریک میں بھی حصہ لیا۔ سندھ میں قادیانی

وزیر کنور ادریس کی بطور وزیر تعیناتی کے خلاف تین ماہ تک زبردست جدوجہد کی۔ گیارہ سال کی عمر میں بدنام زمانہ فلم ''ڈان آف اسلام'' کے خلاف مسلم بچوں کے ہمراہ احتجاجی جلوس نکالا جس کی پاداش میں انہیں پولیس نے گرفتار کرلیا اور انہیں تھانے کے لاک اپ میں رہنا پڑا۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران تحریک میں گرم جوشی سے حصہ لینے کی پاداش میں آپ ۲۰، ۲۱ سال کی عمر میں پابند سلاسل ہوئے۔ امریکہ، برطانیہ، جرمنی، فرانس، جنوبی افریقہ سمیت دنیا کے مختلف ممالک کے تبلیغی دورے کیے اور وہاں مختلف مواقع پر لیکچرز دیئے اور دینی اجتماعات، کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کی۔ ختم نبوت کانفرنس برمنگھم آپ کے بغیر ادھوری سمجھی جاتی تھی۔ اس کانفرنس کی کامیابی کیلئے آپ نے بے مثال خدمات انجام دیں۔ آپ نے اقراء ایجوکیشنل سسٹم کی بنیاد رکھی۔ اقرأ روضۃ الاطفال کے آپ بانی اور نائب مدیر تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی اقرأ مدارس کے ذریعہ قرآن کریم کی تعلیم کے فروغ میں خرچ کی۔ ۱۹۷۸۔۷۹ء سے روزنامہ جنگ کراچی کے ہفتہ وار شائع ہونے والے اسلامی صفحہ اقرأ میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے معاون خصوصی کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے بعد اس صفحہ کے انچارج آپ تھے۔ گزشتہ دس سال سے آپ انگریزی روزنامہ دی نیوز کے اسلامی صفحہ کے انچارج تھے۔ ماہنامہ اقرأ ڈائجسٹ کے پبلشر تھے ہفت روزہ لولاک ملتان کے مدیر تھے ہفت روزہ ختم نبوت کراچی کی مجلس ادارت کے رکن تھے اس کے علاوہ دیگر بے شمار رسائل و جرائد کی مجلس ادارت و مشاورت کے بھی رکن رکین تھے۔ اندرون ملک اور بیرون ملک مختلف اسلامی کانفرنسوں، سیمیناروں اور پروگراموں کی رپورٹنگ کرتے تھے۔ صحیح معنی میں اخبارات کے ذریعہ اسلامی صحافت کے معمار تھے۔ افغانستان پر روسی حملے کے خلاف ہونے والے جہاد میں شرکت کی، مجاہدین کی سرپرستی کی طالبان حکومت کی اعانت و سرپرستی کی افغانستان پر حملے کے خلاف دینی قوتوں کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا، دنیا بھر میں جہاد کے حوالے سے بین الاقوامی خدمات انجام دیں۔

بیعت وخلافت:۔ مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ کے سب سے پہلے پیرومرشد حضرت اقدس حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا فقیر محمد پشاوریؒ ہیں جن سے آپ کو خلافت واجازت بھی حاصل ہوئی۔ حضرت پشاوریؒ کی وفات کے بعد آپ نے

دوسری بیعت حضرت پشاوریؒ اور حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد اشرفؒ سے کی۔ ان کی وفات کے بعد تیسری بیعت شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے کی جنہوں نے آپ کو بیعت کرنے کے فوراً بعد خلافت و اجازت سے نوازا۔ حضرت لدھیانویؒ کی شہادت کے بعد آپ نے قطب الاقطاب، خواجہ خواجگان حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد دامت برکاتہم العالیہ سے بیعت کی تجدید کی۔ اس کے علاوہ آپ کو محدث اعظم، شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل مدنی دامت برکاتہم (خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ۔ حال مقیم امریکہ) سے بھی خلافت و اجازت حاصل تھی۔

شہید ناموس صحابہؓ

حضرت مولانا محمد اعظم طارقؒ

ولادت:۔ ۲۸ مارچ ۱۹۶۱ء

شہادت:۔ ۹ شعبان ۱۴۲۴ھ بروز پیر

تعلیم:۔ حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہید چیچہ وطنی ضلع ساہیوال کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کیلئے دارالعلوم ربانیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں داخلہ لیا۔ فارسی اور مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ پھر پنجاب کے مختلف مدارس سے صرف، نحو، منطق، علم کلام، علم ادب، فقہ، حدیث اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔

۱۹۸۴ء میں تعلیمی مراحل کی تکمیل کیلئے کراچی کے مشہور و معروف دینی ادارے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں دورۂ حدیث شریف کیلئے داخلہ لیا اپنے وقت کے نامور اساتذہ حدیث حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی، حضرت مولانا سید مصباح اللہ شاہ، حضرت مولانا بدیع الزمان اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہم اللہ تعالیٰ سے سند حدیث حاصل کی۔ پھر ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات امتیازی نمبروں سے پاس کئے۔

تدریس و خطاب:۔ فراغت کے بعد جامع مسجد صدیق اکبر ناگن چورنگی کراچی سے خطابت اور جامعہ محمودیہ سے تدریس کا آغاز کیا، ۱۹۹۱ء میں کراچی سے ترک سکونت کر کے

جھنگ میں اقامت اختیار کی اور مرکزی جامع مسجد حق نواز شہید کے منبر و محراب کو زینت بخشی۔

مناصب:۔آپ کو ۱۰ ارجنوری ۱۹۹۰ء میں سپاہ صحابہ کا نائب صدر بنایا گیا اور ۱۷ ارجنوری ۱۹۹۶ء کو مورخ اسلام حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد جماعت کا سرپرست اعلیٰ بنا دیا گیا اور جھنگ سے متعدد مرتبہ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، ۱۹۹۷ء کے الیکشن میں آپ واحد مذہبی رہنما تھے کہ جس نے جیل میں رہتے ہوئے واضح برتری سے الیکشن جیتا۔اس کے علاوہ آپ کو حکومت کی طرف سے بارہا وزارتوں اور اعلیٰ مناصب کی پیشکش کی گئی مگر آپ نے نہ وزارتوں کو قبول کیا اور نہ ہی اپنے مشن سے دستبرداری اختیار کی۔

بیعت و خلافت:۔شہید اسلام حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو چاروں سلاسل میں خلافت سے سرفراز کیا۔

تصنیف و تالیف:۔آپ نے اپنے زمانہ اسارت کے حالات پر مبنی دو کتابیں لکھیں جو بہت مقبول ہوئیں ''زنجیر ٹوٹ گئی'' اور ''میرا جرم کیا ہے؟''

فقیہ اعظم

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

ولادت:۔آپ کی ولادت ۸ یا ۹ جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ کو گنگوہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔

وفات:۔

تعلیم:۔آپ کی بسم اللہ حضرت شیخ الہند نے کرائی، قرآن مجید حافظ کریم بخش اور حافظ عبدالکریم سے پڑھا۔ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا حامد حسن اور مولانا فخر الدین گنگوہی سے حاصل کی۔۱۳۴۱ھ سے درس نظامی کی ابتدائی کتب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھیں پھر ۱۳۴۸ھ سے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا ہدایہ، مشکوٰۃ اور بیضاوی، ابو داؤد، مسلم، بخاری، ترمذی وغیرہ پڑھیں بخاری، ترمذی حضرت مدنی سے پڑھیں۔۱۳۵۰ھ کے بعد آپ پھر مظاہر علوم تشریف لے گئے اور دوبارہ بخاری اور ابوداؤد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سے پڑھیں۔فن قرأت و تجوید کی تکمیل بھی مظاہر علوم سے کی۔

تدریس وافتاء:۔ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں آپ کا تقرر بحیثیت معین مفتی ہوا۔ ۱۳۵۳ھ میں نائب مفتی بنائے گئے، ۱۳۷۰ھ تک اسی عہدے پر رہے اس دوران آپ نے میزان الصرف قدوری، نورالانوار، کنزالدقائق، ہدایہ، جلالین وغیرہ کتب بھی پڑھائیں۔ محرم ۱۳۷۱ھ میں آپ جامع العلوم کانپور تشریف لے گئے، درس وتدریس فقہ وفتاویٰ کی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۳۷۵ھ میں آپ کو جامع العلوم میں شیخ الحدیث منتخب کیا گیا۔ پھر ۱۳۸۴ھ میں دارالعلوم دیوبند کے ارباب کے اصرار پر دارالعلوم تشریف لے گئے اور مسند افتاء پر متمکن ہوئے اس کے ساتھ بخاری جلد ثانی کا درس بھی دیتے رہے۔

بیعت وخلافت:۔ آپ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے بیعت کی اور حضرت نے آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا۔

تصنیف وتالیف:۔ آپ نے بہت گرانقدر کتب تصنیف کیں مثلاً مسئلہ تقلید اور جماعت اسلامی، مسئلہ تنقید اور جماعت اسلامی، گلدستہ سلام، نغمۂ توحید، وصف شیخ، اسباب غضب حدیث کی روشنی میں، حقوق مصطفیٰ، فتاویٰ محمودیہ۔

خطیب پاکستان

حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ

ولادت:۔ آپ جنوری ۱۹۳۲ء کو ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ ۸ / ربیع الاول ۱۴۳۲ھ بروز منگل مطابق ۲۱ / مئی ۲۰۰۲ء کو آپ کی وفات ہوئی۔

تعلیم:۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں ہی اپنے والد مولانا غلام ربانی سے حاصل کی بعدازاں دارالعلوم رحمانیہ ہری پور میں داخلہ لیا اور علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ ۱۹۵۲ء کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری، حضرت مولانا رسول خان ہزاروی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی جیسے جبال علم سے دورۂ حدیث پڑھا۔

تدریس:۔ ۱۹۵۳ء میں آپ نے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا تو مدرس ثالث کے طور پر مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور میں تقرر ہوا تین سال تک تدریس کی۔

خطابت:۔ تعلیم سے فراغت کے بعد عبدالکریم روڈ قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں مسجد کی تعمیر شروع کی۔ یہیں سے آپ نے درس قرآن اور خطابت کو آگے بڑھایا رفتہ رفتہ آپ کی خطابت کے چرچے ہر سو ہونے لگے اور پھر آپ کو دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ میں خطاب کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا جو بعد میں بھی کافی مقبول ہوا۔

مناصب:۔

تصنیف وتالیف:۔ آپ کی کئی اہم تصانیف منصۂ شہود پر آئی ہیں جن میں سے آداب القرآن، تدریس القرآن، آداب دعا، شراب خانہ خراب وغیرہ۔

تصوف:۔ سلوک وتصوف میں آپ نے سب سے پہلے شاہ عبدالقادر رائپوری اور پھر حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی اور حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب سے استفادہ کیا۔

عالم باعمل

حضرت مفتی عبدالقادرؒ

ولادت:۔ آپ تقریباً ۱۳۷۴ھ میں پیدا ہوئے۔

وفات:۔ آپ کی وفات ۱۲/ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ میں ہوئی۔

تعلیم:۔ آپ نے مکمل دینی تعلیم ملک کے مشہور ومعروف دینی ادارے دارالعلوم کبیر والہ میں حاصل کی۔ اور تخصص فی الفقہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں مفتی محمد شفیعؒ سے پڑھا اور خوب مہارت حاصل کی۔

تدریس وافتاء:۔ آپ نے تقریباً پانچ چھ سال جامعہ دارالعلوم کراچی میں تدریس و افتاء کی خدمت انجام دی پھر واپس اپنی مادر علمی دارالعلوم عیدگاہ کبیر والہ تشریف لے گئے اور حضرت مفتی علی محمد مہتمم دارالعلوم کبیر والا کے حکم پر بخاری شریف کا درس شروع کیا جو آخر وقت تک جاری رہا۔ آپ کی تدریسی خدمات تیس سال سے زائد عرصہ پر محیط ہیں۔

خطابت:۔ تدریس وافتاء کے ساتھ ساتھ آپ نے ملک بھر کے شہروں اور قصبوں میں تبلیغی اسفار کیئے۔ آپ کے اصلاحی بیانات علماء، طلباء، عوام وخواص سب میں یکساں مقبول تھے۔ آپ کے بیان کے دوران اکثر مجمع سے آہوں اور سسکیوں کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔

مناصب:۔ آخری وقت تک دار العلوم عید گاہ کبیر والا کے شیخ الحدیث اور مفتی رہے۔

بیعت وخلافت:۔ ویسے تو بہت سے اکابر علماء سے آپ کا اصلاحی تعلق رہا لیکن خلافت واجازت کا اعزاز شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب سے حاصل کیا۔ پھر فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی اور حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ مہاجر مدنی سے بھی خلافت حاصل کی۔

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نُور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلِ رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انھیں کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انھیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انھیں کا کام ہے دینی مَراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علماءِ دیوبندؒ

بلاشبہ فرشتے اور معصوم نہ تھے لیکن یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے انتہائی کٹھن حالات میں دین اسلام کی خدمت اور حفاظت کا فریضہ سر انجام دیا، بلاشبہ برصغیر پاک و ہند کی حد تک یہ بات سولہ آنے درست ہے کہ اگر اسباب کے درجے میں علماءِ دیوبند کا وجود نہ ہوتا تو ہندوستان کی سرزمین نجانے کب سے اندلسِ ثانی کا روپ دھار لیتی اور دہلی کی جامع مسجد آج اہل اسلام کے سجدوں سے آباد ہونے کے بجائے ''جامع قرطبہ'' کا منظر پیش کر رہی ہوتی اور دہلی، ممبئی اور کلکتہ، قرطبہ، غرناطہ اور اشبیلیہ کی طرح کسی مسلمان کے وجود کو ترس رہے ہوتے۔

اخلاص و تقویٰ، عجز و انکساری، خدمتِ خلق و تعلقِ حق، ذوقِ علم و کیف عشق اور خوفِ خدا و عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز دل گداز، سبق آموز اور نصیحت آمیز واقعات کا خوبصورت گلدستہ

''قیاس کن زگلستان من بہارِ مرا''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علماءِ دیوبندؒ کے

دلچسپ واقعات وحکایات

رب کے حضور میں

اکابرین دیوبند محض صاحب قال ہی نہیں بلکہ صاحب حال بھی تھے۔ ان کے دن اگر دین کی تعلیم وتبلیغ سے آباد تھے تو ان کی راتیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روشن تھیں۔ انہیں خشیت الٰہی کا وہ بلند مقام حاصل تھا جس کی وجہ سے انہیں بلا مبالغہ جنید وقت اور شبلی دوراں کہا جا سکتا ہے۔ پھر علماء دیوبند کا طرہ امتیاز محض عبادات ونوافل کی کثرت ہی نہ تھی بلکہ ان کی زندگیاں تقویٰ وورع کا ایسا چلتا پھرتا نمونہ تھیں کہ فی زمانہ ان کی مثال ڈھونڈ لانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ معاملات میں احتیاط کا پہلو، مشتبہ چیزوں سے پرہیز اور قدم قدم پر شریعت کی پاسداری جیسے پاکیزہ اوصاف ونقوش ان حضرات کے ہاں ہر سو بکھرے ملتے ہیں۔

کتاب کی طوالت کے پیش نظر ہم نے صرف چند ایسے واقعات کا انتخاب کیا ہے جو ان کی زندگیوں کی ایک جھلک پیش کر رہے ہیں۔ جو حضرات مزید واقعات کی جستجو رکھتے ہوں انہیں اکابر دیوبند کی مفصل سوانح حیات پر لکھی گئی کتب کے علاوہ ''ارواح ثلاثہ'' ''اکابر دیوبند، اتباع شریعت کی روشنی میں'' ''اکابر دیوبند کیا تھے؟'' ''روایات طیب'' اور ''آپ بیتی'' وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

مرض الموت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے متعلق تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ اپنے معاملہ میں

آپ کا تقویٰ احتیاط اس قدر تھا کہ مسئلہ مختلف فیہا (یعنی جس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہو) میں قول راجح پر اقرب الی الاحتیاط (یعنی جو احتیاط کے زیادہ قریب ہو) کو اختیار فرماتے تھے، باوجود ضرورت کے احتیاط کو ہرگز نہیں چھوڑتے تھے، آپ کی احتیاط کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے امراض میں کیسا ہی شدید مرض کیوں نہ ہو، کبھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ مرض الموت میں جب تک اس قدر حالت رہی کہ دو آدمیوں کے سہارے سے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے، اس وقت تک اس طرح پڑھی کہ دو تین آدمیوں نے بڑی مشکل سے اٹھایا، اور دونوں جانبوں سے کمر میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہو گئے اور قیام و رکوع و سجود انہیں کے سہارے سے نماز ادا کی۔ ہر چند خدام نے عرض کیا کہ حضرت بیٹھ کر نماز ادا کیجئے مگر نہ کچھ جواب دیا نہ قبول فرمایا۔

ایک روز مولوی محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر اس وقت میں بھی جائز نہیں تو وہ کونسا وقت اور کونسی حالت ہوگی جس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: قادر بقدرۃ الغیر تو قادر ہوتا ہے اور جب میرے دوست ایسے ہیں کہ مجھ کو اٹھا کر نماز پڑھاتے ہیں تو میں کیونکر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہوں۔ آخر جب نوبت ضعف اس قدر پہنچ گئی کہ دوسرے کے سہارے بھی کھڑے ہونے کی قدرت نہ رہی تو اس وقت چند وقت کی نمازیں آپ نے بیٹھ کر پڑھیں، گویا بتلا دیا کہ اتباع شرع اس کو کہتے ہیں۔ تقویٰ اس کا نام ہے، اختیار احوط اس طرح ہوتا ہے۔'' (تذکرۃ الرشید)

بینائی کی خاطر ایک سجدہ بھی تکیہ پر گوارہ نہیں

مفتی محمود صاحب نے بروایت اپنے والد صاحبؒ حضرت قطب العالم مولانا گنگوہی کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ نزول آب کے بعد حضرت سے آنکھ بنوانے کیلئے عرض کیا گیا تو آپ نے انکار فرما دیا۔ ایک ڈاکٹر صاحب نے وعدہ کیا کہ حضرت کی کوئی نماز قضا نہ ہونے دوں گا۔ فجر اوّل وقت اور ظہر آخر وقت میں پڑھ لیں۔ البتہ چند روز تک سجدہ زمین پر نہ فرمائیں اور نماز میں تکیہ رکھ کر اس پر کر لیں۔

اس پر ارشاد فرمایا کہ چند دن کی نمازیں تو بہت ہوتی ہیں۔ ایک سجدہ بھی اس طرح گوارہ نہیں۔ کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت درس حدیث دیتے تھے۔ اب یہ فیض بند ہو گیا ہے، آنکھ بنوانے سے پھر یہ فیض جاری ہو جائے گا۔ اس پر ارشاد فرمایا: اس میں میرے کسی عمل کو کیا

دخل ہے؟ جب تک قدرت نے چاہا جاری رہا، جب چاہا بند ہو گیا۔ پھر کسی نے عرض کیا کہ حضرت اس میں حرج ہی کیا ہے؟ فرمایا: حدیث شریف میں بصارت سلب ہونے پر جنت کی بشارت ہے، مجھ کو یہ نعمت ملی ہے میں اس کو کیوں ضائع کروں۔ چنانچہ آخر تک آنکھ نہ بنوائی۔

قبول ہدیہ میں تقویٰ کا خیال

ایک بار سفر بہاولپور میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے اس احقر (حکیم الامت حضرت تھانویؒ) سے ارشاد فرمایا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول ہدایہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے سے اشراف نفس (یعنی ذہنی طور پر انتظار) نہ ہو مگر سفر میں اکثر داعی کی عادت ہوتی ہے کہ مدعو کو کچھ ہدیہ دیتے ہیں اس عادت کے سبب اکثر خطور (خیالات) بھی ایسے ہدایا کا ذہن میں ہو جاتا ہے تو کیا خطور بھی اشراف نفس و انتظار میں داخل ہے، جس کے بعد ہدیہ لینا خلاف سنت ہے۔ اس حقیر میں کیا قابلیت تھی کہ ایسے عظیم الشان عالم اور عارف کے استفسار کا جواب دے سکوں۔ لیکن لہجہ چونکہ استفسار بالجواب پر دال تھا اس لیے الامر فوق الادب (حکم، ادب سے بلند ہے) کی بناء پر جواب عرض کرنا ضروری تھا، چنانچہ میں نے عرض کیا کہ میرے خیال میں اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اس احتمال کے بعد دیکھا جاوے کہ اگر وہ احتمال واقع نہ ہو تو آیا نفس میں کچھ ناگواری پیدا ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر ناگواری ہو تو اس احتمال کا خطور اشراف نفس ہے اگر ناگواری نہ ہو تو اشرف نفس نہیں ہے خالی خطرہ ہے جو احکام میں مؤثر نہیں، اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور دعا دی۔ یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد حضرت حکیم الامت ارشاد فرماتے ہیں کہ اس واقعہ میں جو مولانا رحمہ اللہ کے چند کمالات ثابت ہوتے ہیں۔ ایک تواضع جس کے سلسلے میں واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے دقیق تقویٰ کہ اکثر اشراف کے احتمال بعید تک نظر پہنچی اور اس پر عمل کا اہتمام ہوا، تیسرے اتباع سنت جیسا کہ ظاہر ہے۔ چوتھے اپنے معاملے میں اپنے نفس کو متہم سمجھنا کہ اپنی رائے پر وثوق نہیں فرمایا ورنہ جس کی نظر اتنی دقیق ہو، کیا اس فلسفہ تک وہ نظر نہیں پہنچ سکتی تھی؟

سخت ترین گرمی میں روزے رکھتے رہے

آپ بیتی میں ہے کہ مفتی محمود صاحبؒ نے ایک واقعہ بروایت مولوی منفعت علی صاحب

وکیل بیان فرمایا کہ سخت ترین گرمی اور لو کا زمانہ تھا رمضان المبارک کا مہینہ تھا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ کی طبیعت ناساز چل رہی تھی پیچش کی شدید تکلیف تھی، حضرت نے کئی روز تک دوا سے افطار پر قناعت کی، کوئی غذا نہیں کھائی جمعہ کا دن تھا۔ مولوی عبداللہ جان وکیل بھی مدرسہ میں جمعہ پڑھنے آئے انہوں نے دیکھا کہ چہرہ نہایت پژمردہ ہے اور ضعف ونقاہت کے آثار نمایاں ہیں وہ تو یہ حالت دیکھ کر ستون کے پیچھے ہو کر رونے لگے اور مولانا حافظ عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر العلوم نے عرض کیا کہ حضرت کا کئی روز سے فاقہ ہے تکلیف زیادہ ہے، روزہ قضا فرمادیتے آخر فقہاء نے رخصت لکھی ہے اور مولوی عبداللہ جان تو رو رہے ہیں۔ حضرت کا چہرہ فوراً متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ حافظ صاحب کیسی بات کہتے ہیں ارے روزہ! اور پھر رمضان کا روزہ اور پھر فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہیں کہ مولوی عبداللہ جان جیسا کوہ وقار انسان بھی متاثر ہو جائے“

دولہا کا لباس بدلوادیا

آپ (مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ) کسی تقریب نکاح میں میرٹھ تشریف لائے، لڑکے والوں نے درخواست کی کہ تبرکاً دولہا کو کپڑے حضرت پہنائیں۔ آپ وہاں تشریف لے گئے جہاں دولہا غسل کے بعد کپڑے پہننے کا منتظر تھا، بندہ بھی (حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ) ساتھ تھا، کرتا پاجامہ تو آپ نے اٹھا کر دے دیا، اچکن کا نمبر آیا تو آپ نے کہا: دیکھنا کیا ریشم کی ہے۔ میں نے غور سے دیکھ کر عرض کیا جی حضرت ریشم ہی معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے اس کو رکھ دیا اور فرمایا کہ اس کا پہننا اور پہنانا حرام ہے۔ پھر ٹوپی دیکھی تو وہ بھی مفرق (جس پر چاندی کا کام ہوا ہو)۔ اس پر حضرت نے تیز لہجہ میں فرمایا: یہ بھی حرام ہے۔

لڑکے والے کچھ محتاط نہ تھے۔ انہوں نے حضرت کے انکار کی پرواہ نہ کی، خود اٹھا کر دولہا کو پہنا دیا۔ حضرت کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا مگر تحمل فرمایا اور مجھ سے یہ کہہ کر چلو، وہاں سے واپس ہو گئے، آپ قیام گاہ پر تشریف نہیں لائے بلکہ رنج وقلق کے ساتھ حاجی وجیہہ الدین صاحب مرحوم کے مکان پر تشریف لے گئے، فرمایا یہ کیا تعلق ہے؟ معصیت میں شریک کرنے کو بلاتے ہیں۔ اس نکاح میں شریک ہونے والے سب گنہگار ہوں گے جہاں دولہا حرام لباس پہنے بیٹھا ہو کہ کوئی عامل ہو کوئی اس پر راضی۔ یہ سن کر سب میں ہلچل مچ گئی کہ

برادری کا قصہ تھا اور حضرت کے ساتھ لوگوں کا تعلق تھا، نہ حضرت کو چھوڑ سکے نہ برادری کو، دوڑے ہوئے گئے کہ کسی طرح دولہا کے کپڑے بدلوا دیں مگر بہتیرے تھے جن کو نہ حضرت سے تعلق تھا نہ اتباع شریعت کا اہتمام۔ اس لیے وہ تبدیل لباس کو نحوست اور بدشگون سمجھتے اور کہتے تھے کہ جو دلہن کے یہاں سے جوڑا آیا ہے وہی پہننا ضروری ہے مگر یہ دوڑ دھوپ کرنے والے سربرآوردہ اور مرید تھے۔ آخر کامیاب ہوئے اور حاجی وجیہہ الدین صاحب مصری کپڑے کی بیش قیمت اپنی اچکن نکال کر جلدی سے پہنچے کہ اس سے بہتر اچکن تو دولہا کو پورے ہندوستان میں نصیب نہ ہوگی۔ وہ پہن کر اور ٹوپی کی جگہ عمامہ بندھوا کر حضرت کے سامنے لے آئے کہ حضرت اب تو تشریف لے چلیں، اس وقت آپ اٹھے اور شریک عقد ہوئے، ایسا ہی ایک قصہ دہلی میں پیش آیا تو اس میں بھی حضرت نے دولہا کا لباس حرام ہونے کی وجہ سے نکاح میں شرکت نہیں فرمائی۔

نیت دوست سے ملنے کی تھی

حضرت اقدس شیخ المشائخ مولانا الحاج احمد علی صاحب محدث سہارنپوری، بخاری ترمذی کتب حدیث کے محشی اور مشہور عالم محدث ہیں، جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے چندہ کے سلسلہ میں کلکتہ تشریف لے گئے کہ وہاں مولانا کا اکثر قیام رہا ہے اور وہاں کے لوگوں سے وسیع تعلقات تھے تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کے آمد و رفت کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا تو وہ رجسٹر میں (حضرت شیخ الحدیثؒ) نے خود پڑھا، اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا اگرچہ وہاں چندہ خوب ہوا لیکن میرے سفر کی نیت دوست سے ملنے کی تھی اس لیے وہاں کی آمد و رفت کا اتنا کرایہ آمد و رفت سے وضع کر لیا جائے۔

ذاتی ملاقات کا حساب رکھتے

حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہ (جو گویا مظاہر علوم کے بانی ہیں) کا یہ معمول میری جوانی میں (یعنی حضرت شیخ الحدیث صاحب) عام مشہور اور لوگوں کو معلوم تھا کہ مدرسہ کے اوقات میں جب مولانا قدس سرہ کا کوئی عزیز ذاتی ملاقات کے لئے آتا تو اس سے

باتیں شروع کرتے وقت گھڑی دیکھ لیتے اور واپسی پر گھڑی دیکھ کر حضرت کی کتاب میں ایک پرچہ رکھا رہتا تھا، اس پر تاریخ اور منٹوں کا اندراج فرما لیتے تھے اور ماہ کے ختم پر ان کو جمع فرما کر اگر نصف یوم سے کم ہوتا تو آدھ روز کی رخصت اور اگر نصف یوم سے زائد ہوتا تو ایک یوم کی رخصت مدرسہ میں لکھوا دیتے، البتہ اگر کوئی فتویٰ وغیرہ پوچھنے آتا تو اس کا اندراج نہیں فرماتے تھے۔

مدرسہ کی آگ سے فائدہ اٹھایا ہے

میرے والد صاحب کے زمانہ میں مدرسہ کا مطبخ جاری نہیں ہوا تھا، نہ مدرسہ کے قریب کسی طباخ کا مکان تھا۔ گھر والوں کے نہ ہونے کے زمانہ میں جامع مسجد کے قریب ایک طباخ کی دوکان تھی جس کا نام اسماعیل تھا اس کے یہاں سے کھانا آیا کرتا تھا، سردی کے زمانہ میں وہاں سے کھانا آتے آتے خصوصاً شام کو ٹھنڈا ہو جاتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسہ کے حمام کے سامنے اندر نہیں بلکہ باہر رکھوا دیتے تھے اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تھا تو یہ فرما کر دو تین روپے ہر ماہ چندہ کے اندر داخل فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے انتفاع (نفع حاصل کرنا) ہوا ہے، تنخواہ تو میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے سات سالہ قیام مدرسہ میں کبھی لی ہی نہیں۔

مدرسہ کا قلمدان الگ

حضرت مولانا الحاج عنایت الٰہی صاحب مہتمم مدرسہ، اللہ ان کو بہت ہی بلند درجات عطا فرمائے، مدرسہ کے مہتمم بھی تھے منشی بھی تھے اور عدالتی تمام کارروائیاں ان ہی کے ذمہ تھیں اور اس معنی کر محصل چندہ شہر بھی تھے کہ محصل چندہ شہر جب کسی کے متعلق یہ کہتا کہ فلاں صاحب نے چندہ نہیں دیا دو مرتبہ جا چکا ہوں، تو حضرت مہتمم صاحب اپنے گھر آتے یا جاتے اس کے گھر جاتے اور خوشامد فرماتے کہ تمہارا چندہ نہیں آیا، ان کی خوبیوں کا بیان تو اس مختصر تحریر میں نہیں آ سکتا لیکن دفتر کے اندر ان کے پاس دو قلمدان رہتے تھے، ایک ذاتی اور دوسرا مدرسہ کا۔ ذاتی قلمدان میں کچھ ذاتی کاغذ رہتے، اپنے گھر کوئی ضروری پرچہ بھیجنا ہوتا تو اپنے قلمدان سے لکھتے، مدرسہ کے قلمدان سے کبھی نہیں لکھتے تھے، گرمیوں میں سات بجے کے قریب اور سردیوں میں آٹھ بجے کے قریب آتے اور عصر کے بعد تشریف لے جاتے،

سارے دوپہر کام کرتے اور آتے ہوئے اہل چندہ کے گھر ہوتے ہوئے آتے، لیکن حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ نے ایک مرتبہ دوسرے ملازمین کی ترقی کے ساتھ یہ کہہ کران کی ترقی روک دی تھی کہ مدرسہ کے اندر دیر سے تشریف لاتے ہیں، میں نے ہر چند عرض کیا کہ حضرت چھ گھنٹہ سے زیادہ کام کرتے ہیں، بار بار سفارش اور اصرار بھی کیا لیکن حضرت فرماتے رہے کہ مدرسہ کے اوقات کی پابندی ملازم کیلئے ضروری ہے۔

فقہ میرے لئے ہی پڑھا تھا

ایک مرتبہ آپ مدرسہ کے ڈھائی سو روپے لے کر مدرسہ کی روئیداد طبع کرانے دہلی تشریف لے گئے۔ اتفاق سے روپے چوری ہو گئے، مولوی صاحب نے اس چوری کی کسی کو اطلاع نہیں کی اور اپنے مکان آ کر اپنی کوئی زمین وغیرہ بیع (بیچ دی) کی اور ڈھائی سو روپے لے کر دہلی پہنچے اور کیفیت مدرسہ چھپوا کر گھر لے آئے، کچھ دنوں کے بعد اس کی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوئی، انہوں نے مولانا گنگوہی ؒ کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی (زیادتی) کے ضائع ہوا ہے اس لیے ان پر ضمان نہیں۔ اہل مدرسہ نے مولانا محمد منیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجئے اور مولانا کا فتویٰ دکھایا، مولوی صاحب نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا کہ میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لیے پڑھا تھا اور کیا یہ مسائل میرے ہی لیے ہیں، ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے؟ جاؤ لے جاؤ اس فتویٰ کو۔ میں ہرگز دو پیسے بھی نہ لوں گا۔ (ارواح ثلاثہ)

ایک سال تک ورثاء کی تحقیق کرتے رہے

افاضات یومیہ میں لکھا ہے کہ والد صاحب مرحوم نے چار نکاح کیے اس وقت عام دستور تھا، معافی مہر کا، اس لیے اس طرف کبھی التفات نہ ہوا مگر ایک بار دفعۃً تنبہ ہوا اور اس عام عادت پر قناعت نہ ہوئی۔ اس بناء پر میرے حصہ پر شرعی مسئلہ کی رو سے جو رقم بیٹھتی تھی اس کو تقسیم کرنے کا انتظام کیا اس لیے کہ وہ جائیداد تو والد صاحب کی ہی ہم لوگوں کو پہنچی۔ اسی ترکہ میں وہ دین مہر بھی ہونا چاہئے۔ اس لیے وہ فرائض نکلوائی صرف مناسخہ کی اجرت میں مجھ

کو چودہ روپے دینے پڑے اور تقریباً سال بھر کے عرصہ میں ورثاء کی تحقیق کی، کوئی مکہ معظمہ میں ہے کوئی مدینہ منورہ میں، کوئی بمبئی میں کوئی کلکتہ میں کوئی لاہور میں۔ غرض الحمدللہ بعد تحقیق کے سب کو رقمیں پہنچادی گئیں، غالباً آٹھ سو روپے سے کچھ کم زیادہ میرے حصہ پر رقم بیٹھی جس میں سے صرف دو جگہ باقی ہیں جہاں ابھی تک رقمیں نہیں پہنچیں بمبئی اور مکہ معظمہ (جو بعد میں وہاں بھی پہنچ گئیں) بعض بیچاروں کے حصہ پر ایک ہی پیسہ آیا۔ بعض کے حصہ پر دو ہی پیسے آئے، کاندھلہ میں بڑے بڑے معزز اور متمول لوگ ہیں بعض کے حصہ میں قلیل پیسے آئے مگر میری درخواست پر کسی نے قبول کرنے سے انکار نہیں کیا۔ مجھ کو بڑی ہی مسرت ہوئی کہ انہوں نے قبول فرمالیا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے حصہ میں بھی دو پیسے آئے۔

بیت المال کی رقم واپس کردی

ریاست بہاولپور کی طرف سے کسی موقع پر دوسرے علماء کے ساتھ حضرت تھانویؒ کو بھی ڈیڑھ سو روپے بعنوان خلعت اور پچیس روپے بنام دعوت عطا کیے گئے اس وقت تو حضرت والا نے دوسرے علماء کے ساتھ اس رقم کو بخیال احترام رئیس قبول فرمائی۔ مگر بعد کو خلوت میں وزیر صاحب سے عذر کیا کہ یہ رقم بیت المال میں سے دی گئی ہے جس کا میں مصرف نہیں، اس لیے واپس لے لی جائے، انہوں نے کہا کہ اب تو کاغذات میں اندراج بھی ہوگیا۔ واپسی کی کوئی صورت نہیں، حضرت والا نے فرمایا کہ خیر اگر خزانہ میں واپس نہیں ہوسکتی تو اس رقم کو مقامی علماء وطلباء میں صرف کردیا جائے کیونکہ شرعاً بیت المال کے وہی مصرف قریب ہیں۔

گنے کا محصول، آگے کیا ہوگا؟

ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ سہارنپور سے کانپور تشریف لے جارہے تھے کچھ گنے ساتھ تھے جن کو محصول ادا کرنے کی غرض سے اسٹیشن پر تلوانا چاہا، لیکن کسی نے نہ تولا بلکہ ازراہ عقیدت ریلوے کے غیر مسلم ملازمین نے بھی کہہ دیا کہ آپ یوں ہی لے جایئے ہم گارڈ سے کہہ دیں گے، حضرت نے کہا گارڈ کہاں تک جائے گا؟ کہا غازی آباد تک، فرمایا غازی آباد سے آگے کیا ہوگا؟ کہا گیا کہ یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہدیگا، حضرت نے فرمایا، پھر آگے کیا ہوگا؟ کہا بس وہ کانپور تک لے جائے گا اور وہاں آپ کا سفر ختم ہوجائے گا، فرمایا: نہیں وہاں

سفر ختم نہ ہوگا۔ آگے ایک اور سفر آخرت کا ہے وہاں کیا انتظام ہوگا، یہ سن کر سب دنگ رہ گئے اور بے حد متأثر ہوئے۔

اسٹیشن کی لالٹین سے احتراز

ایک سفر میں کسی چھوٹے اسٹیشن پر بارش کی وجہ سے اسٹیشن ماسٹر نے حضرت تھانویؒ کو گودام میں ٹھہرادیا۔ جب رات ہوئی تو ریلوے کے کسی ملازم کواس میں لالٹین جلانے کا حکم بھی دیدیا۔ حضرت کوشبہ ہوا کہ کہیں یہ ریلوے کمپنی کی لالٹین نہ ہو، لیکن اس خیال سے منع فرمانے میں بھی تأمل ہوا کہ یہ ہندو ہے دل میں کہے گا کہ اسلام میں ایسی تنگی اور سختی ہے، اسی کشمکش میں دل ہی دل میں دعا شروع فرمائی کہ اے اللہ! آپ ہی اس سے بچائیں اس کے بعد ہی بابو نے ملازم سے پکار کر کہا دیکھو اسٹیشن کی نہیں ہماری لالٹین جلانا۔ حضرت نے اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیااور فرمایا کہ اسٹیشن کی لالٹین تھوڑے ہی جلنے دیتا، اندھیرے میں ہی بیٹھا رہتا۔

واقعی مجھ سے غلطی ہوئی

حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اساتذہ کے اساتذہ کا معمول سنا ہے کہ سبق پڑھانے کے دوران اگر کوئی طالب علم ایسا اشکال کرتا جس کا جواب سمجھ میں نہیں آیا تو دوران سبق میں اپنے استاد سے جاکر پوچھ آتے اور آکر تقریر فرماتے، حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ترجیح الراجح کا سلسلہ اسی لیے قائم کیا ہے کہ جس کو میری تصانیف میں غلطی معلوم ہو مجھے متنبہ کردے تاکہ مجھے اگراپنی غلطی کا اطمینان ہوجائے تو بالاعلان رجوع کرلوں چنانچہ مجھ سے جہاں کہیں لغزش ہوئی ہے اس کا دل کھول کر بہت فراخدلی سے اقرار کیا ہے اور جہاں مجھے شرح صدر اپنی غلطی کا نہیں ہوا، وہاں دوسرے کا قول بھی نقل کردیا ہے تاکہ جوقول جس کے جی کو لگے وہ اسی کو اختیار کرلے۔ میں نے ہمیشہ یہی کیا ہے، خواہ مخواہ اپنی بات کو نبھایا نہیں۔ یہ برکت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ کی ہے ویسے تو یہ خصلت اپنے سبھی اکابر میں تھی لیکن جیسارنگ (مولانا محمد یعقوب صاحب) میں اس صفت کا نمایاں تھااور حضرات میں ایسا نہ تھا۔ دوران درس میں جہاں کسی مقام پر شرح صدر نہ ہوا جھٹ اپنے کسی ماتحت مدرس کے پاس کتاب لیے جاپہنچے اور بے تکلف کہا کہ مولانا

یہ مقام میری سمجھ میں نہیں آیا ذرا اس کی تقریر تو کر دیجئے۔ چنانچہ بعد تقریر کے واپس آ کر طلبہ کے سامنے اس کو دہراتے اور فرماتے کہ مولانا نے اس مقام کی یہ تقریر کی ہے اور اسی طرح اگر کوئی طالب علم کسی مقام کی مولانا کی تقریر کے معارض تقریر کرتا اور وہ صحیح ہوتی تو اپنی تقریر سے فوراً درس میں ہی رجوع فرما لیتے اور صاف لفظوں میں فرماتے کہ مجھ سے غلطی ہوئی اور صرف ایک بار ہی نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد رہ رہ کر جوش اٹھتا اور بار بار فرماتے، ہاں واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے، مولانا کو ایسی باتوں سے ذرا عار نہ آتی تھی۔

خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ ایسا وظیفہ بتلا دیجئے کہ خواب میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا: آپ کا بڑا حوصلہ ہے، ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضہ شریف کے گنبد شریف ہی کی زیارت ہو جائے۔ اللہ اکبر کس قدر تواضع اور شکستگی کا غلبہ تھا۔ اس پر حضرت والا (حکیم الامت حضرت تھانویؒ) نے فرمایا: یہ سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں۔

یہی تو وقت تھا بیان کا

ایک بار احقر (حضرت حکیم الامت) کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کانپور کے جلسہ دستار بندی میں حضرت شیخ الہندؒ رونق افروز ہوئے اور احقر کے بے حد اصرار پر وعظ فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ جامع مسجد میں وعظ شروع ہوا۔ جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی بھی کانپور تشریف لائے ہوئے تھے، میرے عرض کرنے پر جلسہ میں تشریف لائے، اسوقت ایک بہت بڑا عالی مضمون بیان ہو رہا تھا جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا، ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کی نسبت معقولات میں مہارت کم ہونے کا شبہ آج جاتا رہے گا اور سب دیکھ لیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں۔ مولانا (شیخ الہندؒ) کی جوں ہی مولانا علی گڑھی پر نظر پڑی فوراً وعظ بیچ میں سے قطع کر کے بیٹھ گئے، مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی بوجہ ہمدرد ہونے کے بے تکلف تھے، انہوں نے دوسرے وقت عرض کیا کہ یہ کیا کیا؟ یہی تو وقت تھا بیان کا، فرمایا کہ ہاں یہی خیال مجھ کو آیا تھا اس لیے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہار علم کیلئے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے۔“

بارگاہِ رسالت میں

تاریخ اسلام کا یہ عجیب ترین واقعہ ہے کہ جس طبقہ علماء نے رحمت مجسم، فخر دو عالم، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ اور آپ کے عطا کردہ آفاقی پیغام کی سب سے زیادہ حفاظت کی، ان کو کچھ ناعاقبت اندیش لوگوں کے ہاں سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ قرار دیا گیا۔

اگر انسان انصاف کی نظر سے دیکھنا چاہتا ہو تو وہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نعتیہ اشعار ''قصیدہ بہاریہ'' اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی وجد آفرین کتاب ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم'' اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے سدابہار رسالے ''فضائل درود شریف'' پڑھنے کے بعد کسی طرح بھی یہ باور نہیں کر سکتا کہ علماء دیوبند بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام شناس نہ تھے۔

البتہ یہ بات درست ہے کہ انہوں نے اپنے عشق کو بے راہ ہونے کے بجائے عقل سلیم کے کھونٹے کے ساتھ باندھے رکھا، انہوں نے اپنے جذبات کی رو میں بہہ جانے کے بجائے ہر قدم پر انہیں شریعت کی کسوٹی پر پرکھا۔ انہوں نے اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو بعض ناواقفان حال اور بعض وارفتگان بدعت نے انہیں عشق خام کا طعنہ دیا۔

اس سلسلے میں اکابرین دیوبند کے حالات اتنے زیادہ ہیں کہ ان سے ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن ہم صرف چند واقعات کو نقل کر رہے ہیں۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہؒ

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اور حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے پیر و مرشد تھے۔ آپ کو اپنے ان دونوں مریدوں پر بڑا فخر تھا، ان کی بلند استعداد اور خلوص و علو مرتبہ کا برملا اظہار فرماتے اور لوگوں کو ان بزرگوں سے فیض حاصل کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ ضیاء القلوب میں فرماتے ہیں:

''جو شخص مجھ سے محبت و عقیدت رکھے وہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کو (جو کمالات ظاہری و باطنی کے جامع ہیں) میری جگہ بلکہ مجھ سے بلند مرتبہ سمجھے

اگر چہ ظاہر میں معاملہ برعکس ہے کہ میں ان کی جگہ پر اور وہ میری جگہ پر ہیں اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھئے کہ ان جیسے لوگ اس زمانہ میں نہیں پائے جاتے ہیں اور ان کی بابرکت خدمت سے فیض حاصل کرے اور سلوک کے طریقے (جو اس کتاب میں ہیں) ان کے سامنے حاصل کرے۔ انشاء اللہ بے بہرہ نہ رہے گا۔ خدا ان کی عمر میں برکت دے اور معرفت کی تمام نعمتوں اور اپنی قربت کے کمالات سے مشرف فرمائے اور بلند رتبوں تک پہنچائے اور ان کے نور ہدایت سے دنیا کو روشن کرے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں قیامت تک ان کا فیض جاری رکھے۔" (ضیاء القلوب، دیوبند ص ۲۶)

حضرت حاجی صاحبؒ کو خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا ہاتھ لے کر ایک بزرگ کے حوالے کر دیا، آپ بیدار ہوئے تو حیرت میں پڑ گئے کہ کن بزرگ کے حوالے کیا گیا ہوں، کئی سال تک پریشان پھرتے رہے اور ان بزرگ کا پتہ نہ ملا، آخر اپنے استاد مولانا محمد قلندرؒ محدث جلال آبادی کے حکم پر حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جب حضرت میاں جی پر نظر پڑی تو فوراً پہچان گئے کہ یہی وہ بزرگ ہیں جن کے حوالے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ میاں جی نور محمد صاحب سے بیعت ہوئے اور فیوض و برکات سے مالا مال ہو کر اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ (ملخصاً کرامات امدادیہ ص ۲۰، ۲۱)

آپ نے ۱۲۶۰ھ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فرمایا کہ "تم ہمارے پاس آؤ" بیدار ہوئے تو دل زیارت مدینہ کیلئے بے قرار تھا، مگر اسباب سفر مفقود تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کر کے چل پڑے تو اللہ تعالیٰ نے اسباب بھی پیدا فرما دیئے اور منزل مقصود کو پہنچ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی۔ زیارت حرمین شریفین سے سرفراز ہو کر واپس آئے۔ یہ آپ کا پہلا حج تھا جو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاوے پر نصیب ہوا تھا، اسی موقع پر آپ کے دل میں قیام بیت اللہ کی تڑپ پیدا ہوئی اور ۱۲۷۶ھ میں ہندوستان سے ہجرت کر کے حجاز مقدس تشریف لے گئے اور مکہ شریف میں مستقل قیام کیا۔

آپؒ کی ایک مشہور نعت ہے:

کہے ہے شوق نبی سے آ کر چلو مدینے چلو مدینے
میں ہوں گا دل سے تمہارا رہبر چلو مدینے چلو مدینے

صبا بھی لانے لگی ہے اب تو نسیم طیبہ
کہے ہے شوق آب وہوا میں اڑ کر چلو مدینے
خدا کے گھر میں تو رہ چکے بس عمر بھی آخر ہوئی ہے آخر
مریں گے اب تو نبی کے در پر چلو مدینے چلو مدینے
شہر شہر کیوں پھرے ہے مارا جو دونوں عالم کی چاہے دولت
تو سر قدم ہو کے درد یہ کر چلو مدینے چلو مدینے
یہ جذب عشق محمدی ہیں دلوں کو امت کے کھینچتے ہیں
کہے ہے ہر دل جو ہو کے مضطر چلو مدینے چلو مدینے
جو کفر وظلم وفساد وعصیاں ہر اک شہر میں ہوئے نمایاں
تو دین اسلام اٹھے یہ کہہ کر چلو مدینے چلو مدینے
رجب کے ہوتے ہیں جب مہینے بھرے ہیں شوق نبی سے سینے
صدا یہ مکے میں کو بہ کو ہے چلو مدینے چلو مدینے
ہلاکت امداد اب تو آئی جو فوج عصیاں نے کی چڑھائی
نجات چاہو تو اے برادر چلو مدینے چلو مدینے

(گلزار معرفت ص ۵)

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ

جناب رسول اللہ ﷺ کے قبہ مبارک کا رنگ سبز ہے۔اس لیے حضرت نانوتویؒ نے اپنی ساری عمر میں سبز رنگ کا جوتا نہیں پہنا۔حالانکہ کیمخت کا جوتا بہت پسند کیا جاتا تھا اور عقیدت مند لوگ شوق ومحبت سے ایسے جوتے بنوا کر کبھی آپ کی خدمت میں پیش بھی کر دیا کرتے تھے لیکن آپ پھر بھی نہ پہنتے تھے۔اس عاشقانہ ادا کو بھی حضرت مدنیؒ نے الشہاب الثاقب میں بیان فرمایا ہے۔

آپ نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی زیر قیادت ۱۸۵۷ء انگریزوں سے جہاد کیا تھا،اور شاملی کی مشہور لڑائی میں آپ کی یہ کرامت بھی ظاہر ہوئی تھی کہ

آپ کو کنپٹی پر گولی لگی اور سر کو پار کر گئی۔ کپڑے خون سے تر ہو گئے۔ حضرت گنگوہیؒ نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھا۔ پھر دیکھا گیا تو زخم کا کہیں نشان نہ ملا۔ جب مجاہد علماء کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو آپ کی گرفتاری کے بھی وارنٹ جاری ہوئے۔ خدام اور متوسلین کے بہت زیادہ اصرار پر آپ ایک مکان میں روپوش ہوئے اور تین دن کے بعد پھر کھلے بندوں چلنے پھرنے لگے۔ لوگوں نے پھر روپوشی کے لئے بمنت عرض کیا تو آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ تین دن سے زیادہ روپوش ہونا سنت سے ثابت نہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ ہجرت کے وقت غار ثور میں تین دن ہی روپوش رہے ہیں۔ (سوانح قاسمی جلد دوم ص ۱۷۳)

آپ حج کو جاتے ہوئے پنجلاسہ (ضلع انبالہ) کے ایک باکمال بزرگ راؤ عبداللہ شاہؒ کو ملنے کیلئے تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ "حضرت میرے لیے دعا فرمایئے"۔ اس پر راؤ عبداللہ شاہؒ نے فرمایا "بھائی میں تمہارے لیے کیا دعا کروں؟ میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دونوں جہان کے بادشاہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بخاری پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (ارواح ثلثہ ص ۱۹۳)

آپ نے جناب رسول اللہ ﷺ کے عشق و محبت میں چند قصیدے بھی لکھے ہیں جو قصائد قاسمی میں چھپے ہوئے موجود ہیں۔ ان کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمایئے:

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اس کی
کہ جس پر ایسا تیری ذات خاص کا ہو پیار
جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
گرفت ہو تو ترے ایک بندہ ہونے میں
جو ہو سکے تو خدائی کا اک تری انکار
بجز خدائی نہیں چھوٹا تجھ سے کوئی کمال
بغیر بندگی کیا ہے لگے جو تجھ کو عار
جو انبیاء ہیں وہ آگے تری نبوت کے
کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبی اقرار

لگا تا ہاتھ نہ پتلے کو ابوالبشر کے خدا

اگر ظہور نہ ہوتا تمہارا آخر کار

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ

کہ ہوسگان مدینہ میں میرا نام شمار

جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں

مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مرغ و مار

جو یہ نصیب نہ ہوا اور کہاں نصیب میرے

فقیہ النفس امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے یہاں تبرکات میں حجرہ مطہرہ نبوی کے غلاف کا ایک سبز ٹکڑا بھی تھا بروز جمعہ کبھی حاضرین و خدام کو جب ان تبرکات کی زیارت خود کرایا کرتے تھے تو صندوقچہ خود اپنے دست مبارک سے کھولتے اور غلاف کو نکال کر اول اپنی آنکھوں سے لگاتے اور منہ سے چومتے تھے پھر اوروں کی آنکھوں سے لگاتے اور ان کے سروں پر رکھتے۔ (الشہاب الثاقب ص ۵۲)

مدینہ منورہ کی کھجوریں آتیں تو نہایت عظمت و حفاظت سے رکھی جاتیں اور اوقات مبارکہ متعددہ میں خود بھی استعمال فرماتے اور حاضرین بارگاہ مخلصین کو بھی نہایت تعظیم اور ادب سے اس طرح تقسیم فرماتے کہ گویا نعمت غیر مترقبہ اور اثمار جنت ہاتھ آ گئے ہیں۔
(الشہاب الثاقب ص ۵۲)

مدینہ منورہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں نہایت حفاظت سے رکھتے لوگوں کو پھینکنے نہ دیتے اور نہ خود پھینکتے تھے۔ ان کو ہاون دستہ میں کٹوا کر نوش فرماتے۔ مثل چھالیوں کے کتروا کر لوگوں کو استعمال کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ (الشہاب الثاقب ص ۵۲)

حضرت مدنیؒ لکھتے ہیں کہ احقر ماہ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ میں بہمراہی بھائی صدیق صاحب جب حاضر خدمت ہوا تھا تو بھائی صاحب سے پہلی حاضری میں ہی حضرت قدس اللہ سرہ العزیز نے دریافت فرمایا کہ حجرہ شریف علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی خاک بھی لائے ہو یا

نہیں۔ چونکہ وہ احقر کے پاس موجود تھی اس لئے باادب۔ پیش کش خدمت اقدس کی تو نہایت وقعت اور عظمت سے قبول فرما کر سرمہ میں ڈلوائی اور روزانہ بعد عشاء خواب استراحت فرماتے وقت اتباعاً للسنۃ اس سرمہ کو آخر عمر تک استعمال فرماتے رہے۔

(الشہاب الثاقب ص ۵۲)

بعض مخلصین نے کچھ کپڑے مدینہ منورہ سے خدمت اقدس میں تبرکاً ارسال کیے۔ حضرت نے نہایت تعظیم اور وقعت کی نظر سے ان کو دیکھا اور شرف قبولیت سے ممتاز فرمایا۔ بعض طلبہ حضار مجلس نے عرض بھی کیا کہ حضرت اس کپڑے میں کیا برکت حاصل ہوئی۔ یورپ کا بنا ہوا ہے۔ تاجر مدینہ میں لائے وہاں سے دوسرے لوگ خرید لائے اس میں تو کوئی وجہ تبرک ہونے کی نہیں معلوم ہوتی۔ حضرت نے شبہ کو رد فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کی اس کو ہوا تو لگی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو یہ اعزاز اور برکت حاصل ہوئی ہے۔

(الشہاب الثاقب ص ۵۳)

حضرت مدنی فرماتے ہیں کہ خود احقر کا مشاہدہ ہے کہ تین دانے ان کھجوروں کے جو صحن خاص مسجد نبوی میں نصب ہیں اسی سال لاکر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں پیش کیے تھے۔ اس کی حضرت نے اس قدر وقعت فرمائی کہ نہایت اہتمام سے ان کے ستر سے کچھ زائد حصے فرما کر اپنے اقرباو مخلصین ومحبین میں تقسیم فرمائے اور اپنا بھی ان میں ایک حصہ قرار دیا۔

(الشہاب الثاقب ص ۵۳)

وہاں سے حضرتؒ کے بعض مخلصین نے حجرہ مطہرہ نبویہ کا جلا ہوا زیتون کا تیل ارسال کیا تھا۔ حضرت نے باوجود نزاکت طبعی کے جس کی حالت عام لوگوں پر ظاہر ہے اس کو پی ڈالا۔ حالانکہ اولاً زیتون کا تیل خود بے مزہ ہوتا ہے۔ ثانیاً بعد جلنے کے اس میں اور بھی تغیر ہو جاتا ہے۔ (الشہاب الثاقب ص ۵۳)

جن الفاظ میں ایہام گستاخی و بے ادبی ہوتا تھا ان کو بھی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے باعث ایذا جناب رسالت مآب علیہ السلام ذکر کیا اور آخر میں فرمایا کہ بس ان کلمات کفر کے بکنے والے کو منع کرنا شدید چاہیے۔ اگر مقدور ہو اور اگر باز نہ آئے قتل کرنا چاہیے کہ موذی وگستاخ شان جناب کبریا تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

(الشہاب الثاقب ص ۵۳)

آپ فرماتے ہیں کہ جو الفاظ موہم تحقیر حضور سرور کائنات علیہ السلام ہوں اگرچہ کہنے والے نے نیت حقارت نہ کی ہو۔ مگر ان سے بھی کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ (الشہاب الثاقب ص ۵۴)

حرم نبوی میں حاضری کے آداب لکھتے ہوئے زبدۃ المناسک میں فرماتے ہیں کہ جب مدینہ منورہ کو چلے تو کثرت درود شریف کی راہ میں بہت کرتا رہے۔ پھر جب درخت وہاں کے نظر پڑیں تو اور زیادہ کثرت رہے۔ جب عمارت وہاں کی نظر آئے تو درود پڑھ کر کہے:

اللهم هذا حرم نبيک فجعله وقاية لی من النار وامانا من العذاب وسوء الحساب

اور مستحب ہے کہ غسل کرے یا وضو اور کپڑا صاف اچھا لباس پہنے اور نئے کپڑے ہوں تو بہتر اور خوشبو لگائے اور پہلے سے پیادہ ہو لے اور خشوع اور خضوع جس قدر ہو سکے فرو گزاشت نہ کرے اور عظمت مکان کا خیال کیے ہوئے درود شریف، پڑھتا ہوا چلے، جب مدینہ مطہرہ میں داخل ہو تو کہے: رب ادخلنی الخ اور ادب اور حضور قلب کے ساتھ دعا اور درود شریف بہت پڑھے۔ وہاں جا بجا موقع قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ مدینہ منورہ میں سوار نہیں ہوتے تھے فرماتے تھے کہ مجھ کو حیا آتی ہے کہ سواری کے کھروں سے اس سرزمین کو پامال کروں کہ جس میں حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے پھرے ہوں اور بعد تحیۃ المسجد کے سجدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس کے نصیب کی۔ پھر روضہ کے پاس حاضر ہو اور باادب تمام اور خشوع کھڑا ہو اور زیادہ قریب نہ ہو اور دیوار کو ہاتھ نہ لگائے کہ محل ادب اور ہیبت ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لحد شریف میں قبلہ کی طرف چہرہ مبارک کیے ہوئے تصور کرے اور کہے السلام علیک یارسول اللہ اور بہت پکار کر نہ بولے، آہستہ خضوع اور ادب سے بہ نرمی عرض کرے۔ (الشہاب الثاقب ص ۴۹۔۵۰)

محدث جلیل حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ

حضرت علامۃ العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری صاحب کشمیریؒ کے معمولات اور طرز گفتگو کو دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ ہم شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ عام عادات، اطوار، رفتار میں سر سے پیر تک سنت معلوم ہوتے تھے۔ (مکتوب مولانا محمد

یوسف بنوریؒ)

آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت واطاعت میں ایسے فنا تھے کہ آپ کا چلنا بھی بالکل حضور علیہ السلام کی طرح ''کانہ ینحدب'' کے مصداق تھا۔فرمایا کرتے تھے کہ عمر بھر کی محنت اور کوشش سے بھی یہ بات سمجھ میں آ جائے کہ فلاں ارشاد سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد ہے بہت بڑی سعادت ہے۔آپ حدیث شریف کے کسی لفظ کو بھی غلط پڑھنے سے انتہائی طور پر منقبض ہوتے تھے اور حدیث شریف کے الفاظ میں معمولی غلطی سے بھی ڈراتے تھے کہ کہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق باعث جہنم نہ ہو جائے۔ارشاد یہ ہے:

من كذب علي متعمدا فليتبوء مقعده من النار

جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

آپ کو سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کا اتنا ادب ملحوظ تھا کہ باوجود بڑی عمر اور باوجود مرض بواسیر کے آپ روزانہ پانچ سو صفحات کا مطالعہ فرماتے اور یہ سارا مطالعہ اکڑو بیٹھ کر فرمایا کرتے تھے۔مجال کیا کہ آپ ٹیک لگا کر یا کسی اور طرح بیٹھ یا لیٹ کر مطالعہ کرتے۔اگرچہ یہ ناجائز نہ تھا مگر ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے۔حضرت علامہ پر حدیث کا ادب غالب تھا۔(تحریر مولانا غلام غوث ہزارویؒ)

ریاست بہاولپور کی ایک مسلمان خاتون نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ اس کا شوہر مرزائیت قبول کر کے اسلام سے خارج ہو گیا اس لیے اس کا نکاح باقی نہیں رہا۔یہ صرف ایک خاتون کی آبرو کا معاملہ نہ تھا بلکہ اس مسئلہ کا تعلق اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت سے تھا اور خود سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا سوال درپیش تھا۔اس لیے مقدمہ کو بے پناہ شہرت واہمیت حاصل ہوئی،نواب آف بہاولپور نے مقدمہ ایک جج کے حوالے کر کے شرعی فیصلہ کرنے کا حکم صادر کیا۔قادیان کی پوری قوت حرکت میں آ گئی اور مسلمانوں نے بھی ملک کے چوٹی کے علماء کو بیانات کیلئے مدعو کیا۔علامۃ العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کو دیوبند میں جب پہلی پیشی کی اطلاع ملی تو آپ بہت کمزور تھے۔مرض بڑی شدت پر تھا اور موسم سخت گرم تھا،مدرسہ دیوبند کے بڑے بڑے علماء نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ''آپ اس کمزوری اور تکلیف میں سفر نہ فرمائیں،ہم میں سے جن کو آپ حکم دیں ہم اس خدمت کیلئے

تیار ہیں۔" مگر آپ نہ مانے، خود بہاولپور پہنچے۔ جب واپس گئے تو ان علماء سے فرمایا" آپ حضرات ناراض نہ ہونا کہ میں نے آپ کی بات نہ مانی۔ میں خود اس لیے گیا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن میری شفاعت سے انکار نہ فرمادیں کہ جب میری عزت کا سوال تھا تو نے خود سفر کیوں نہ کیا۔" (تحریر مولانا محمد علی صاحب جالندھری)

بہاولپور کی ایک مجلس میں فرمایا تھا کہ" شاید یہ بات مغفرت کا سبب بن جائے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جانبدار ہو کر بہاولپور آیا تھا۔" (بینات کراچی جمادی الاولیٰ ۸۳ھ)

آپ کے عشق رسالت کا اس سے اندازہ کریں کہ آپ نے انتہائی کمزوری اور نقاہت کے باوجود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت اور اس کے ضمن میں پیش آنے والے مسائل پر کئی دن مسلسل پانچ پانچ گھنٹے عدالت میں بیان دے کر علم وعرفان کے دریا بہائے اور مرزائیوں کو ہر مسئلہ میں لاجواب کیا۔ آپ کے بیانات نے مقدمہ کی کایا پلٹ دی۔ آپ نے وفات سے کچھ دن پہلے خدام کو فرمایا کہ میری چارپائی اٹھا کر مدرسہ میں لے چلو۔ وہاں پہنچ کر اپنے سب علماء کو جمع کیا اور فرمایا:" بہت کمزور ہوں، اٹھ نہیں سکتا ایک بات کہنے آیا ہوں، جس کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی آرزو ہو وہ آپ کی عزت وحرمت کی حفاظت کرے اور فتنہ مرزائیت کے مٹانے اور اس سے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرتا رہے۔" (تحریر مولانا محمد علی صاحب جالندھری)

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ اگر مقدمہ بہاولپور کے فیصلہ سے پہلے میری زندگی پوری ہوجائے تو میری قبر پر فیصلہ سنا دیا جائے۔ ۱۹۳۳ء میں آپ کا وصال ہوا اور ۱۹۳۵ء میں جج صاحب نے اس تاریخی مقدمہ کا فیصلہ کیا جس میں مدعا علیہ کے ارتداد کی تاریخ سے نکاح کو منسوخ اور مرزائیوں کو کافر قرار دیا۔ حضرت مولانا محمد صادق مرحوم بہاولپور سے دیوبند گئے اور حضرت کی وصیت کے مطابق مزار پر حاضر ہو کر جج صاحب کا فیصلہ بلند آواز سے سنایا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں آپ نے بہت سے عربی اور فارسی قصیدے لکھے ہیں اور آپ کے ابتدائی زمانہ کے اردو کے نعتیہ اشعار بھی ملے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

شاہ جانباز اگر ہمارا ہے
کیا ہے غم جب کہ وہ سہارا ہے

گر وہ نہیں تو کچھ نہیں میرا
وہ اگر ہے تو میرا سارا ہے
وصف تیرن زباں کی زینت ہے
بزم کو اس نے کیا سنوارا ہے
دونوں جگ میں ہے وہ بآسانی
جس کے اوپر تیری مدارا ہے
اپنے در سے نہ کھید انور کو
حلقہ در گوش جب تمہارا

(ماہنامہ قائد مراد آباد ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ)

آپ کا ایک شعر ہے:

قہوہ حمد راسزد انور دار چینی ز نعت پیغمبر

جب یہ شعر ایک مجلس میں حضرت امیر شریعتؒ کے سامنے پڑھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''اس سے معلوم ہوا حمدِ خدا پوری ہی نہیں ہوتی جب تک نعت رسول نہ کہی جائے۔ (انوار انوری ص ۱۰۲)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

آپ کی کتاب ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ا'' سیرت نبوی پر ایک عجیب عاشقانہ و عارفانہ کتاب ہے۔ اس کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

''طاعون کا ایک متبرک علاج، من جملہ اور علاجوں کے ذکر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی ہے اور یہ علاج تجربے میں آیا ہے۔ میں نے ایک کتاب ''نشر الطیب'' لکھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں۔ اس کے لکھنے کے زمانے میں خود اس قصبے (تھانہ بھون) میں طاعون تھا۔ میں نے یہ تجربہ کیا کہ جس روز اس کا کچھ حصہ لکھا جاتا تھا اس روز کوئی حادثہ نہیں سنا جاتا تھا اور جس روز ناغہ ہو جاتا تھا، اس روز دو چار اموات سننے میں آتی تھیں۔ ابتداء میں تو میں نے اس کو اتفاق پر محمول کیا۔ لیکن جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو مجھے خیال ہوا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی برکت ہے۔ آخر میں نے یہ التزام کیا کہ روزانہ اس کا کچھ حصہ

ضرور لکھ لیتا تھا۔

آج کل بھی لوگوں نے مجھے طاعون کے متعلق اطراف وجوانب سے لکھا ہے تو میں نے ان کو بھی جواب میں یہی لکھا ہے کہ ''نشر الطیب'' پڑھا کرو مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجلس منعقد کی جائے اور اس میں مٹھائی منگوائی جائے اور ایک شخص بیٹھ کر پڑھے اور سب سنیں..... مطلب یہ ہے کہ دوسرے وظائف کی طرح سے روزمرہ اس کا بھی وظیفہ مقرر کرلیا جائے۔ یہ نہیں کہ سال بھر میں ایک دو دفعہ مقرر تاریخوں پر کرلیا اہل محرم کی طرح اور پھر سال بھر کروٹ بھی نہ لی۔'' (مواعظ میلاد النبی ا ص ۱۳۲)

ماہ ربیع الاوّل کے بارے میں آپ ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

''ماہ ربیع الاوّل شریف کو شریف اس لئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ماہ میں ولادت ہوئی ہے اور جس زمانے میں آپ کی ولادت ہوئی وہ ماہ ایسا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے اس میں شرف نہ آئے جیسے کہ ولادت شریف کا مکان اسی وجہ سے معظم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت ہے چنانچہ وہ موضع شریف محفوظ ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔'' (وعظ ''الظہور'' ص ۲۰)

ایک موقع پر بڑی صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

''پس ہم پر یہ خالص تہمت اور محض افتراء اور نرا بہتان ہے کہ توبہ، توبہ، نعوذ باللہ! ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف یا اس پر خوش ہونے سے روکتے ہیں۔ حاشا وکلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تو ہمارا جزو ایمان ہے۔ ہاں جو شے خلاف ان قوانین کے ہوگی جن کی پابندی کا ہم کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے اس سے البتہ ہم روکیں گے۔'' (وعظ ''السرور'' ص ۵۹)

ایک طرف ترک مسلمان اسلام اور آزادی کی خاطر جانیں لڑا رہے تھے اور اپنی گردنیں کٹوا رہے تھے تو دوسری طرف ہندوستان کے مسلمان غفلت کے اندھیروں میں کھوئے ہوئے تھے۔ حکیم الامتؒ نے انہی دنوں وعظ فرمایا اور غافل وخوابیدہ دلوں کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دے کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا:

''اب ربیع الاوّل کا مہینہ ہے۔ اس میں بہت جگہ مولود ہوا ہوگا۔ ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تم نے اپنے حظ (مزہ) کو محفوظ رکھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام پر جو اس

وقت سخت مصیبت آ رہی ہے اور ڈانواں ڈول ہو رہا ہے اس کی تم نے کیا مدد کی؟ اس کو کیا سہارا پہنچایا؟ افسوس ہے کہ امسال بجائے اس مہم ''امداد اسلام'' کے بعض مقامات پر محض عید میلادالنبی کے منانے کو مٹھائی کے واسطے چھ سو روپے کا چندہ ہوا۔ ایک وہ مسلمان ہیں کہ اسلام کی خدمت کیلئے اپنی گردنیں کٹا رہے ہیں اور ایک یہ ہیں کہ ان کو مٹھائی کھانے کو سوجھ رہی ہے......''

''ان سے قسم دے کر پوچھا جائے کہ اگر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا جاتا کہ یہ چھ سو روپے ہم مٹھائی میں خرچ کردیں یا آپ کے جانبازوں پر لگا دیں تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ رائے دیتے کہ مٹھائی میں صرف کردو۔ صاحب! کسی دردمند کو ایسے وقت میں مٹھائی کا کھانا بھلا معلوم ہو سکتا ہے؟ ہائے کس منہ سے ایسی حالت میں بھی لوگوں سے مٹھائی کھائی جاتی ہوگی۔ کیسی بے حسی ہے! کتنا بڑا ظلم ہے! اور پھر غضب یہ ہے کہ یہ لوگ دعویٰ محبت کرتے ہیں۔ کیوں صاحب! آپ نے تو مولود شریف کیا اور ترکوں نے اپنی جان لڑائی تو کون شخص محبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوا؟'' (وعظ ''النور'' ص ۱۳۰)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے والد ماجد حضرت سید حبیب اللہؒ نہایت پاک باز بزرگ تھے۔ اس زمانہ کے مشہور بزرگ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ اپنے شیخ سے والہانہ عقیدت ومحبت تھی اور شیخ ہی کی بارگاہ میں بارگاہ رسالت کا عشق رگ و ریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا تھا۔ شیخ کا وصال ہوا تو آپ کو بے پناہ صدمہ ہوا۔ ہر وقت بے چین رہتے اور ان کی یاد میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

حالِ من ز ہجر حضرت کم تر از یعقوب نیست
اُو پسر گم کردہ بود، من پدر گم کردہ ام

(حضرت کی جدائی میں میرا حال یعقوب علیہ السلام سے کچھ کم نہیں۔ ان کا بیٹا بچھڑ گیا تھا، میں نے والد کو کھو دیا ہے)

اور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ فرما لیا۔ حضرت مدنیؒ

۱۳۱۶ھ میں دارالعلوم دیوبند میں علوم دینیہ کی تکمیل کر کے فارغ ہونے تو آپ کے والد حضرت حبیب اللہ رحمہ اللہ نے ہجرت کی تیاری مکمل کر لی اور اپنے خاندان سمیت ترک وطن کر کے دیار حبیب میں جا آباد ہوئے۔

حضرت مدنیؒ نے اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد کے مطابق مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اور پر انوار فضاؤں میں تدریس کا آغاز کیا۔ آپ کا حلقہ درس بہت جلدی مقبول ہو گیا، اور ممالک اسلامیہ کے طلباء آپ کے پاس کھنچے کھنچے آنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کو شیخ الحرمین کے بلند خطاب سے یاد کیا جانے لگا۔ مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب لکھتے ہیں کہ آپ نے ۱۸ برس حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بیٹھ کر اور خود صاحب کتاب وسنت (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اور ان کے زیر نظر رہ کر درس کتاب وسنت دیا۔ جس سے مشرق ومغرب کے ہزار ہا عوام وخواص اور علماء وفضلاء مستفید ہوئے اور حجاز وشام، مصر وعراق اور ترک وتاتار وغیرہ تک آپ کے کمالات کا شہرہ پہنچ گیا۔ قیام مدینہ کی انتہاء اس پر ہوئی کہ آپ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی اسارت مالٹا کے موقع پر اپنے استاد کی معیت میں تین برس سے زائد اسارت خانہ میں رہے۔ گویا حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر حرم شیخ میں مکرر داخل ہوئے۔ (مقدمہ مکتوبات شیخ الاسلام)

تدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے پیر ومرشد حضرت گنگوہیؒ کی ہدایات کے مطابق پوری مستعدی اور ہمت سے ذکر وشغل بھی جاری رکھا اور مدینہ کی مقدس وادیوں میں سلوک وطریقت کی مشکل ترین گھاٹیاں بھی عبور کر ڈالیں۔ روزانہ بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ وسلام پیش کر کے وہیں مسجد شریف میں ہی ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ بدن میں غیر اختیاری حرکت پیدا ہو جاتی تو اٹھ کر جنگل میں تشریف لے جاتے۔ کبھی مسجد الاجابہ کے قریب کھجوروں کے جھنڈ میں بیٹھ کر اللہ کے نام کی ضربیں لگاتے اور کبھی کسی دوسری وادی میں جا کر اوراد وظائف پورے کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت کی برکت سے مبشرات اور رویاء صالحہ کا سلسلہ شروع ہوا تو معاملہ یہاں تک پہنچا کہ بلا حجاب زیارت اور ''وعلیکم السلام یا ولدی'' کے مبارک جواب سے سرفراز ہوئے۔

ایک دن آپ اردو شعروں کی کتاب پڑھ رہے تھے کہ آپ کے سامنے یہ مصرع آیا۔

ہاں اے حبیب رخ سے ہٹا دو نقاب کو

یہ آپ کو بہت بھلا معلوم ہوا۔ روضہ اطہر کے قریب پہنچ کر صلوٰۃ وسلام کے بعد نہایت بے قراری کے عالم میں یہ مصرعہ پڑھنا اور شوق دیدار میں رونا شروع کیا۔ کچھ دیر کے بعد آپ کو اسی بیداری میں نظر آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں، آپ کا چہرہ مبارک سامنے ہے اور بہت چمک رہا ہے۔ (ملخصاً نقش حیات جلد اول ص ۹۲)

مشہور عالم اور بزرگ مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی مرحوم نے بیان فرمایا کہ ایک بار زیارت بیت اللہ سے فراغت کے بعد دربار رسالت میں حاضری ہوئی تو مدینہ طیبہ کے دوران قیام مشائخ وقت سے یہ تذکرہ سنا کہ امسال روضہ اطہر سے عجیب کرامت کا ظہور ہوا ہے ایک ہندی نوجوان نے جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا تو دربار رسالت سے ''وعلیکم السلام یا ولدی'' کے پیارے الفاظ سے اس کو جواب ملا۔ اس واقعہ کو سن کر قلب پر ایک خاص اثر ہوا۔ مزید خوشی کا سبب یہ بھی تھا کہ یہ سعادت ہندی نوجوان کو نصیب ہوئی ہے۔ دل تڑپ اٹھا اور اس ہندی نوجوان کی جستجو شروع کی تا کہ اس محبوب بارگاہ رسالت کی زیارت سے مشرف ہو سکوں اور خود اس واقعہ کی بھی تصدیق کرلوں۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ وہ ہندی نوجوان سید حبیب اللہ مہاجر مدنی رحمہ اللہ کا فرزند ارجمند ہے۔ گھر پہنچا ملاقات کی۔ تنہائی پا کر اپنی طلب وجستجو کا راز بتایا۔ ابتداً خاموشی اختیار کی۔ لیکن اصرار کے بعد کہا: ''بیشک جو آپ نے سنا وہ صحیح ہے۔'' یہ نوجوان تھے مولانا حسین احمد مدنیؒ۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص ۴۹)

آپ آخری بار ۱۳۷۲ھ میں جب زیارت بیت اللہ شریف وزیارت روضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تشریف لے گئے تو بحری جہاز میں آپ نے ایک تقریر فرمائی جس میں ایک ایک جملہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت سے لبریز ہے۔ اس تقریر میں دربار رسالت میں حاضری کے متعلق ارشاد فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ کا عشق لے کر جا رہے ہو تو جس قدر ممکن ہو عجز وانکسار اختیار کرو۔ جملہ عاشقوں کے سردار آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قدر ممکن ہو درود شریف پڑھتے ہوئے، تلاوت کر کے ہدیہ کیجئے۔ اس راہ عشق کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لیے میرے نزدیک اور علماء کے ایک گروہ کے نزدیک پہلے مدینہ منورہ جانا افضل ہے۔

ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام امت کیلئے رحمت ہیں۔ آپ کے پاس حاضری دے کر عرض کرو، یا رسول اللہ ہم حاضر ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے حج کی

قبولیت کی دعا فرمائیے۔ شفاعت فرمائیے۔ پھر جناب باری سبحانہ کے گھر کی طرف لوٹا جائے تاکہ آپ کے وسیلہ سے اللہ پاک حج کی اس عاشقانہ عبادت کو قبول فرمائے۔"

(ارشادات ص ۴۰)

اپنے ایک مرید کو خط کے جواب میں لکھتے ہیں، بارگاہ نبوت سے استفادہ کرنا سوءادب کیوں ہوگا؟ بارگاہ میں حاضر ہوکر بعد ادائے صیغہ صلوٰۃ وسلام مذکورہ درود شریف کی کثرت بصیغہ خطاب زیادہ مفید ہے۔ اس کے علاوہ استفادہ کی عمدہ صورت یہ ہے کہ مراقبہ ذات الہیہ میں مشغول رہیں جو کچھ فیوض پہنچنے والے ہیں وہ پہنچیں گے۔ اس کے قصد یا سوال کی ضرورت نہیں۔ حاضری روضہ مبارک کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو وہاں جلوہ افروز، سننے والی، جاننے والی، غایت جمال وجلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہ عالم کے دربار کی حاضری خیال کی جائے اور جملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جائے، جو لوگ مقصر آداب وسنن ہوں ان کی تحقیر وتوہین کی طرف خیال نہ کیا جائے اور نہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف بلاضرورت شدیدہ توجہ کی جائے۔ فضول باتوں اور لوگوں کی مجالس میں بلاضرورت حاضری سے گریز کیا جائے اوقات کو درود شریف، ذکر، مراقبہ، قرأت قرآن، نوافل سے معمور رکھا جائے۔ (ارشادات ص ۸۵)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے اکابر کے نظریات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں، ہمارے حضرات اکابر کے اقوال عقائد کو ملاحظہ فرمائیے، یہ جملہ حضرات ذات حضور پر نور علیہ السلام کو ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک واسطہ فیوضات الہیہ ومیزاب رحمت غیر متناہیہ اعتقاد کیے ہوئے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل سے ابد تک جو جو رحمتیں عالم پر ہوئی ہیں اور ہوں گی عام ہے کہ وہ نعمت وجودکی ہو یا اور کسی قسم کی، ان سب میں آپ کی ذات پاک اس طرح پر واقع ہوئی ہے کہ جیسے آفتاب سے نور چاند میں آیا ہو اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں، غرض کہ حقیقت محمدیہ صاحبہا الف تحیہ والصلوٰۃ والسلام واسطہ جملہ کمالات عالم وعالمیاں ہے۔

(الشہاب الثاقب ص ۴۷)

یہ جملہ حضرات ذات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باوجود افضل الخلائق وخاتم النبیین ماننے کے آپ کو جملہ کمالات کیلئے اہل عالم کے واسطہ مانتے ہیں۔ یعنی جملہ کمالات خلائق علمی ہوں یا عملی، نبوت ہو یا رسالت، صدیقیت ہو یا شہادت، سخاوت ہو یا شجاعت، علم

ہو یا مروت، فتوت ہو یا وقار، وغیرہ وغیرہ سب کے ساتھ اولاً بالذات آپ کی ذات والا صفات جناب باری عز شانہٗ کی جانب سے متصف کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے جملہ کائنات کو فیض پہنچا۔ (الشہاب الثاقب ص ۵۴)

ایک مرتبہ درس بخاری میں ارشاد فرمایا کہ ایک حاجی صاحب مدینہ منورہ پہنچے اور یہ کہہ دیا کہ مدینہ منورہ کا دہی کھٹا ہوتا ہے، رات کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ جب مدینہ شریف کا دہی کھٹا ہے تو آپ یہاں کیوں تشریف لائے؟ یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ صاحب بیدار ہوئے تو بہت گھبرائے لوگوں سے پوچھتے پھرتے تھے کہ اب کیا کروں؟ کسی صاحب نے فرمایا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر جا کر دعا کرو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر رحم فرمائے۔ چنانچہ یہ صاحب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر گئے اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں۔ رات کو حضرت حمزہ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: مدینہ منورہ سے چلے جاؤ، ورنہ ایمان کا خطرہ ہے۔ اس کے بعد حضرت مدنیؒ نے ارشاد فرمایا: مدینہ منورہ کی چیزوں میں ہرگز عیب نہ نکالنا چاہئے، بلکہ وہاں کی مصیبتوں کو خوشی سے برداشت کرنا چاہئے، مدینہ منورہ کے باشندوں کا احترام کرنا چاہئے اگر ان کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو ہنسی خوشی برداشت کرنا چاہئے۔ (انفاس قدسیہ ص ۲۵۹)

ختم بخاری شریف کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ اصلاح نفس کیلئے اشتغال بالحدیث سب سے اقرب ذریعہ ہے اور اس کے بعد فیوض الحرمین میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا مشاہدہ بیان فرمایا کہ شاہ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس (زادہ اللہ شرفا) پر حاضر ہو کر مشاہدہ کیا کہ جو لوگ اشتغال بالحدیث رکھنے والے ہیں ان کے قلب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک تک نورانی دھاگوں کا سلسلہ جاری ہے۔ (انفاس قدسیہ ص ۲۴۹)

شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ حج کو تشریف لے گئے تو مکہ شریف سے مدینہ طیبہ کو جاتے ہوئے آخری منزل پر بدو سے کہہ دیا کہ جب وہ جگہ آئے جہاں سے سبز گنبد نظر آتا ہے تو فوراً بتا دے، اس نے بتا دیا، وہاں سے اتر کر پیدل چلتے رہے، رفقاء کو

پہلے ہی تاکید فرمادی تھی کہ درود شریف کی کثرت رکھیں، خاموش رہیں اور بہت ادب واحترام کے ساتھ حاضری دیں۔(سوانح حضرت رائے پوریؒ ص ۲۲۰)

آپ کبھی کبھی ذوق اور محبت سے نعتیہ کلام سنا کرتے تھے۔کوئی پنجابی زبان کا شاعر بھی آجاتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف میں کلام سنانے کا حکم ہوتا۔بعض اشعار سے آپ پر گریہ طاری ہوجاتا اور دیر تک طبیعت پر اثر رہتا، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی طرف منسوب قصیدہ اکثر پڑھوا کر سنا کرتے جس کا مطلع ہے:

صباء بسوئے مدینہ روکن زیں دعا گوسلام برخواں
بگرد شاہ مدینہ گردو بصد تضرع پیام برخواں
دلم زندہ شد از وصال محمد
جہاں روشن است ازجمال محمد

مرض وفات میں مدینہ طیبہ کا ذکر سن کر بے اختیار رقت طاری ہوجاتی اور بعض اوقات بلند آواز سے رونے لگتے،مولانا محمد صاحب انوری عمرہ کیلئے روانہ ہورہے تھے حضرت سے رخصت ہونے کیلئے آئے، مدینہ طیبہ کا ذکر ہوا تو حضرت دھاڑیں مار مار کر روئے،مولانا محمد صاحب فرماتے ہیں کہ"میں نے کبھی حضرت اقدس کو اس سے بلند آواز سے روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔" بابو عبدالعزیز صاحب آئے تو ان سے فرمایا کہ دیکھو یہ مدینہ جارہے ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت کی چیخیں نکل گئیں۔(سوانح حضرت رائے پوریؒ ص ۲۲۱)

ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک نور ومعرفت کا گنجینہ تھا،صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی صحبت،محبت کے ساتھ کی،اس محبت کی خاصیت ظاہر ہوئی اور جتنی جتنی کسی کی محبت تھی اسی قدر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سینہ مبارک کی دولت اس محب کے سینے میں آگئی پھر صحابہ کی صحبت تابعین نے اٹھائی اور تابعین کی تبع تابعین نے۔اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی نور یقین ومعرفت سینہ بسینہ منتقل ہوتا رہا۔پھر اس سے آگے مشائخ کے سلسلے چلے۔(سوانح حضرت رائے پوریؒ ص ۳۰۰)

شیخ التفسیر امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے متعلق آپ کے صاحبزادے

وجانشین اور جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کے سابق امیر مولانا عبید اللہ انور صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ انگریزوں نے حضرت کو دہلی سے گرفتار کر کے مختلف جیلوں میں رکھا اور آخر میں لاہور میں پابند ضمانت کیا۔ آپ نے ایک چھوٹی سی مسجد میں درس قرآن شروع کیا تو بعض لوگوں نے آپ کو جناب رسول اللہ کا گستاخ اور بے ادب مشہور کر دیا اور آپ کو شہید کر دینے کی سازش کی۔

مشہور نشانہ باز بابو رحمت اللہ کو تیار کیا گیا کہ حضرت رات کو جب مسجد سے مکان کو اکیلے جاتے ہیں اس وقت آپ کو شہید کر دیا جائے۔ بابو رحمت اللہ صبح کے درس میں آئے کہ اچھی طرح دیکھ لوں تاکہ رات کو مغالطہ نہ ہو۔ اتفاق سے حضرت رحمہ اللہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان فرما رہے تھے۔ انداز ایسا انوکھا اور عاشقانہ تھا کہ وہ سن کر حضرت کے گرویدہ ہو گئے۔ اپنے ارادہ سے توبہ کی اور اپنے ساتھیوں کو جا کر کہا ''تم لوگ مجھ سے ایسے شخص کو قتل کروانا چاہتے ہو جو سچا عاشق رسول ہے۔ میں نے تو آپ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعریف سنی وہ اس سے پہلے کسی سے نہیں سنی تھی۔'' ان لوگوں کے سروں پر شیطان سوار تھا وہ نہ مانے تو بابو صاحب نے کہا کہ جو حضرت کو شہید کرے گا وہ پہلے میرا سر اتارے گا پھر حضرت تک پہنچے گا۔''

بارگاہ رسالت سے آپ کے لگاؤ اور عشق کو علامہ انور صابری نے اپنے اس شعر میں خوب ادا کیا ہے ۔

تو رہا لاہور میں دل مدینے میں رہا
بن کے اک موتی محمد کے خزینے میں رہا

حضرت کی حیات میں فیض باغ لاہور کے عبدالقادر راج نے خواب میں دیکھا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم خدام الدین کے دفتر میں تشریف فرما ہیں اور حضرت لاہوری آپ کے سامنے دوزانو بیٹھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے ایک ساتھی کو پیش کیا جو مسلک کے بارے میں ان سے جھگڑا کرتا تھا اور دریافت کیا کہ امت کے موجودہ فرقوں میں سے کونسا فرقہ حق پر ہے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لاہوری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ''یہ جو کچھ کہتے ہیں حق ہے۔''

(خدام الدین ۲۳ فروری ۱۹۶۳ء)

حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

۱۹۲۷ء میں جب لاہور ہائی کورٹ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سے لبریز کتاب کے ناشر راجپال کو چھوڑ دیا تو مسلمانوں میں اضطراب اور ہیجان پیدا ہوا۔ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور آپ کے رفقاء لاہور میں اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے بیٹھے اور مسلمان عوام بھی انہی حضرات سے تحفظ ناموس رسالت کی امیدیں وابستہ کیے ہوئے جوق در جوق نشست گاہ کے سامنے اکٹھے ہوگئے۔ مشاورت میں غور وفکر، بحث واستدلال نے طول پکڑا اور سہ پہر ہوگئی۔ حضرت امیر شریعتؒ اٹھے اور دوسرے کمرے میں جا کر دو رکعت نماز نفل ادا کی اور دیر تک سجدہ میں رہے۔ جب سجدہ سے اٹھے تو ان کی آنکھیں اشکبار تھیں اور زبان پر یہ الفاظ تھے:

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد
کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم

آپ پھر مجلس میں داخل ہوئے اور فرمایا ''آج ہمارا طریق کار صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ ہر مصلحت سے آنکھیں بند کر کے ناموس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر وہ اقدام کیا جائے جس کی ضرورت ہو۔'' سب نے آپ کے ارشاد کو تسلیم کیا اور فیصلہ ہوا کہ دہلی دروازہ کے باہر جلسہ کی فوری منادی کرادی جائے۔ حکومت نے فوراً جلسہ کی ممانعت کردی اور دفعہ ۱۴۴ نافذ ہوگیا۔ رات کو احاطہ عبدالرحیم میں جلسہ ہوا۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے صدارت کی، حضرت امیر شریعت نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''اے مسلمانان لاہور! آج جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو تمہارے شہر کے ہر ہر دروازے پر دستک دے رہی ہے، آج ناموس محمدی کی حفاظت کا سوال درپیش ہے اور یہ سانحہ سقوط بغداد سے بھی زیادہ غمناک ہے، زوال بغداد سے ایک سلطنت پارہ پارہ ہوگئی تھی مگر توہین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ سے آسمانوں کی بادشاہت متزلزل ہورہی ہے۔'' (شاہ جی ص ۱۱۴)

آج آپ لوگ جناب فخر رسل عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کو برقرار رکھنے کیلئے جمع ہوئے ہیں۔ جنس انسان کو عزت بخشنے والے کی عزت خطرے میں ہے۔ آج اس

جلیل القدر ہستی کا ناموس معرض خطر میں ہے۔ جس کی دی ہوئی عزت پر تمام موجودات کو ناز ہے۔ آج مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید کے دروازے پر ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا آئیں اور فرمایا کہ ہم تمہاری مائیں ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں؟ ارے دیکھو تو! ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا دروازے پر تو کھڑی نہیں؟ (سن کر حاضرین میں کہرام مچ گیا اور مسلمان دھاڑیں مار مار کر رونے لگے) تمہاری محبت کا تو یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو۔ لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج سبز گنبد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تڑپ رہے ہیں۔ آج خدیجہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا پریشان ہیں۔ بتاؤ تمہارے دلوں میں امہات المؤمنین کی کیا وقعت ہے؟ آج ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ وہی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت مسواک چبا کر دی تھی۔ اگر تم خدیجہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے ناموس کی خاطر جانیں دے دو تو کچھ کم فخر کی بات نہیں ہے۔ یاد رکھو جس دن یہ موت آئے گی پیام حیات لے کر آئے گی۔'' (زمیندار، جولائی ۱۹۲۷ء)

مشور ادیب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''اس روز پانی اور آگ سے یعنی سرد آہوں اور گرم آنسوؤں کے ملاپ سے ان کی تقریر ڈھل رہی تھی۔''

اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ اسی ایک رات میں ہزاروں مسلمانوں نے ناموس رسالت کے تحفظ کیلئے گرفتاریاں پیش کیں اور پردہ نشین خواتین نے اپنے بچے حضرت امیر شریعتؒ کے قدموں میں ڈال دیئے تھے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر قربان کر دو۔

حضرت امیر شریعتؒ خود بھی گرفتار ہو کر جیل بھیج دیئے گئے۔ آپ کی گرفتاری سے تحریک نے طوفان کی شکل اختیار کر لی اور گورنمنٹ برطانیہ کو مجبور ہو کر داعیان مذہب کی عزت کی حفاظت کا قانون بنانا پڑا۔

حضرت امیر شریعتؒ کی مجاہدانہ اور عاشقانہ تقریروں سے جن مسلمانوں کے دلوں میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت کی آگ بھڑکی تھی ان میں سے تین سرفروشوں نے راجپال پر یکے بعد دیگرے حملے کیے۔ خدا بخش اور عبدالعزیز کے وار خطا گئے۔ اور یہ سعادت غازی علم الدین شہید کے حصہ میں آئی کہ اس کے ہاتھ سے راجپال جہنم

رسید ہوا اور علم الدین نے تختہ دار پر لٹک کر گوہر مقصود کو پالیا۔ اس کی موت آئی اور حیات جاوداں کا پیغام لے کر آئی۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

تقسیم ملک کے بعد حضرت امیر شریعتؒ سیاسیات سے الگ ہوکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی حفاظت پر ہی کمربستہ ہو گئے۔ ملک بھر کے دورے کیے اور ناموس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کیلئے مسلمانوں کو بیدار کیا۔ جس کے نتیجے میں ۱۹۵۳ء کی تحریک نبوت چلی۔ عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کے لئے بے شمار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور ہزاروں نے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اسی زمانہ کی بات ہے کہ حضرت حافظ الحدیث، مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی مدینہ طیبہ گئے وہاں خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حضرت امیر شریعت کے نام سلام اور اپنے کام پر لگے رہنے کا پیغام دیا تھا۔ آپ کے اس دور کے چند خطابت پارے ملاحظہ فرمائیے:

ختم نبوت کی حفاظت میرا جزو ایمان ہے جو شخص اس ردا (چادر) کو چوری کرے گا، جی نہیں، چوری کا حوصلہ کرے گا، میں اسکے گریبان کی دھجیاں پھاڑ دوں گا۔ میں میاں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ بعض اوقات جوش محبت میں میاں کہا کرتے تھے) کے سوا کسی کا نہیں۔ نہ اپنا نہ پرایا، میں انہی کا ہوں، وہی میرے ہیں۔ جس کے حسن وجمال کو خود رب کعبہ نے قسمیں کھا کھا کر آراستہ کیا ہو، میں انکے حسن وجمال پر نہ مرمٹوں تو لعنت ہے مجھ پر اور لعنت ہے ان پر جوان کا نام لیتے ہیں، لیکن سارقوں کی خیرہ چشمی کا تماشہ دیکھتے ہیں۔ (چٹان سالنامہ ۶۲ء)

آج مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں روح صدیق رضی اللہ عنہ پیدا کرو۔ آج محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس پر کٹ مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ آج محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر کمینے اور ذلیل قسم کے انسان حملہ آور ہیں۔ یاد رکھو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو خدا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو قرآن ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو دین۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ (خطبات امیر شریعتؒ ص ۱۰۸)

ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی کرنے والی کسی تحریر کو دیکھ نہیں سکتے۔ ہم یقیناً ہر اس اخبار کو جلائیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حملہ کرے گا۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر دشمن ہمارا بدترین دشمن ہے۔ (خطبات امیر شریعت ص ۱۱۲)

میری گردن تو آج بھی تحفظ ناموس مصطفیٰ کی خاطر پھانسی لگنے کو تڑپتی ہے۔ میں تمام مسلمانوں سے مخاطب ہوں کہ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کی حفاظت کرو تو میں تمہارے کتے بھی پالنے کو تیار ہوں اور اگر تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کی تو پھر میں تمہارا باغی ہوں۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کٹ مرنے کیلئے تیار ہوں۔ (خطبات امیر شریعت ص ۱۲۳)

آپ کی عشق رسالت میں ڈوبی ہوئی خطابت ہی سے متاثر ہو کر مولانا ظفر علی خان مرحوم نے کہا تھا ؎

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

علامہ اقبال نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ ''شاہ جی اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہیں۔''

۱۹۲۱ء میں جب تحریک خلافت شباب پر تھی اور انگریزوں کے خلاف جہاد آزادی میں بھرپور حصہ لینے کی وجہ سے حضرت امیر شریعت ؒ کو تین سال کیلئے جیل بھیج دیا گیا تو علامہ اقبال مرحوم نے آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا تھا:

ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام وقفس سے بہرہ مند

آپ اپنی تقریروں میں سردار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر مزے لے لے کر پڑھا کرتے تھے اور اپنے مجموعہ کلام ''سواطع الالہام'' کو انہی شعروں کے توسط سے ان کی روح کے نام منسوب کیا ہے:

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبراء من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

''یارسول اللہ! میری آنکھ نے آپ سے زیادہ حسین کوئی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ خوبصورت کسی عورت نے جنا ہی نہیں۔ آپ ہر قسم کے عیبوں سے پاک پیدا کیے گئے ہیں گویا کہ جیسے آپ نے چاہا ایسے ہی آپ پیدا کیے گئے۔''

یا رب صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ

آپ نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں تقریباً نصف صدی تک حدیث پاک کا درس اس طرح دیا کہ آپ کو بڑے بڑے مناصب اور تنخواہوں کی پیشکشیں آتی رہیں لیکن آپ نے شغل حدیث کے بدلے دنیا کی کسی بڑی سے بڑی حیثیت کو بھی قبول نہیں کیا۔ آپ کا یہ درس کیسا والہانہ تھا اور آپ کے نزدیک حدیث شریف پڑھنے پڑھانے کا مقصد کیا تھا؟ خود سبق میں فرماتے تھے:

''میرے نزدیک علم حدیث کی ایک جداگانہ غرض ہے، وہ یہ ہے کہ اگر علم حدیث پڑھنے پڑھانے سے خواہ کوئی بھی فائدہ نہ ہوا اور خواہ کوئی بھی ثواب نہ ملے تب بھی اس کے پڑھنے کیلئے ایک غرض یہ کافی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ ہم محب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کے دعویدار ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو محض اس لئے پڑھنا چاہئے کہ ایک محبوب کا کلام ہے اور جب اس کو محبت کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک قسم کی لذت، حلاوت اور رغبت پیدا ہوگی۔'' (تقریر بخاری شریف ص ۲۷)

زبانی درس کے علاوہ آپ نے خدمت حدیث کا جو تحریری سرمایہ چھوڑا ہے وہ بذات خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے کمال تعلق کی دلیل ہے۔ ''بذل المجہود فی حل سنن ابی داؤد'' جو آپ کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی تصنیف ہے، آپ اس میں برابر کے شریک رہے۔ حدیث شریف کی بلند پایہ کتاب مؤطا امام مالکؒ کی پندرہ جلدوں میں شرح ''اوجز المسالک الی مؤطا مالک'' تصنیف فرمائی جس نے فقہ مالکی کے علماء سے بھی

زبردست خراجِ تحسین وصول کیا۔ اس کے علاوہ ''لامع الدراری'' ''الکوکب الدرّی'' اور ''الفیض السمائی علی النسائی'' آپ کے حدیث پاک سے تعلق کی زندہ جاوید مثالیں ہیں۔

آپ اتباعِ سنت کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور بہت سی ایسی چیزیں جنہیں آج ہم غیر اہم سمجھ کر چھوڑے ہوئے ہیں، آپ بڑے اہتمام سے ان پر عمل کرتے۔ خود تحریر فرماتے ہیں:

''اصل چیز اتباعِ سنت ہے اور جس کو پرکھنا ہو اسی معیار پر پرکھا جائے گا۔ جو شخص اتباعِ سنت کا جتنا زیادہ اہتمام کرے گا اتنا ہی اللہ کے نزدیک محبوب و مقرب ہوگا۔ روشن دماغی چاہے اس کے پاس بھی نہ آئی ہو۔ اور جو شخص اتباعِ سنت سے جتنا دور ہے، اللہ تعالیٰ سے بھی اتنا ہی دور ہے۔ چاہے وہ مفکرِ اسلام، مفکرِ دنیا اور مفکرِ ملّت بن جائے۔'' (اکابر علماء، دیوبند)

آپ کے خلیفہ مجاز مولانا محمد یوسف متالا زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

''تیسرے سال حضرتؒ نے جو پسوا کر روزانہ دوپہر کو جو کی روٹی کھانا شروع کی۔ بلا ناغہ کئی ماہ تک یہ معمول مسلسل چلتا رہا کہ بڑے عشق کے ساتھ اور مزے لے کر حضرت وہی جو کی روٹی اتباعِ سنت کی نیت سے کھاتے رہے اور مہمانوں کیلئے جو گیہوں کی روٹیاں بھی پکتی تھیں اس میں بھی تھوڑا سا جو کا آٹا ملانے کا اہتمام فرمایا تھا۔''

آپ کے دوسرے خلیفہ مجاز حضرت اقدس صوفی محمد اقبال صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ رحمہ اللہ کی کئی پشتوں سے وجاہت، مرجعیت، خاندانی ریاست اور ذرائع آمدنی کے علاوہ حضرت کے یہاں مہمانوں کی کثرت، اپنے گھر کے افراد اور کنبہ کی وسعت وغیرہ بہت سے امور کا تقاضہ تھا کہ حضرت کا مکان بڑا اور عالی شان ہوتا۔ مگر سنتِ نبوی کے اس عاشقِ صادق کا گھر کم سے کم ضرورت اور مجبوری کا تھا جو پہلے کچی اینٹوں کی ایک کوٹھڑی تھی، اس لئے اب تک اس کا نام ہی کچا گھر مشہور ہے۔''

عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جب پہلی بار حضرت کے یہاں مہمان ہوئے اور اسی کچی کوٹھڑی میں معہ سامان تشریف لا کر وہاں بچھے ہوئے بوریئے پر بیٹھ گئے تو مکان کو اوپر سے نیچے دیکھ کر اپنی ظریفانہ عادت شریفہ کے مطابق مکان کی تعریف شروع کر دی۔ فرمایا کہ:

''اس کو دیکھ کر نانا ابا صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کی یاد تازہ ہوگئی۔''

اور حضرت شیخؒ سے فرمایا کہ:

''حضرت! کیا عرض کروں کتنی مسرت اس مکان کو دیکھ کر ہوئی، اسلاف کا دور آنکھوں کے سامنے پھر گیا'' (حضرت شیخؒ کا اتباع سنت اور عشق رسول ا ص ۶۹)

آپؒ کی وصیت کے یہ الفاظ بہت مشہور معروف ہیں:

''میں ہمیشہ اپنے دوستوں کو وصیت کرتا ہوں کہ دل سے موت کو یاد رکھیں اور زبان سے کثرت سے درود شریف پڑھتے رہیں۔''

آپ کی کتاب ''فضائل درود شریف'' بارگاہ رسالت سے آپ کے عاشقانہ تعلق کی کھلی ہوئی دلیل اور اب تک لاکھوں انسان اس کتاب کو پڑھ کر متبع سنت اور محبِّ رسول بن چکے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ میرے ایک رفیق درس حسن احمد مرحوم تھے، والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے دورہ حدیث میں میرے اور مرحوم کے دو اہتمام تھے۔ ایک یہ کہ کوئی حدیث ایسی نہ ہو کہ جو استاد کے سامنے پڑھنے سے رہ جائے، دوسرے یہ کہ بے وضو کوئی حدیث نہ پڑھی جائے۔ میرا اور مرحوم کا دستور یہ تھا کہ ہم میں سے جس کو وضو کی ضرورت پیش آجاتی وہ دوسرے کو کہنی مار کر یکدم اٹھ جاتا اور دوسرا ساتھی فوراً ایا جان پر کوئی اشکال کر دیتا۔ اگرچہ اس کی نوبت تو بہت کم آتی تھی، مہینے دو مہینے میں اس کی نوبت آتی تھی اس لیے کہ صحت اچھی تھی۔ اس سیہ کار کا تو اس زمانے میں ظہر کے وضو سے عشاء پڑھنے کا معمول سالہا سال رہا پھر بھی کبھی نہ کبھی ضرورت پیش آجاتی تھی۔ والد صاحب پہلی مرتبہ ہی سمجھ گئے تھے کہ یکدم ایک ساتھی اٹھا ایک منٹ میں آستین اتارتا ہوا بھاگا آرہا ہے اس سے ان کو اندازہ بھی ہو گیا تھا اور اس چیز سے ان کو مسرت بھی تھی۔ ایک مرتبہ حسن احمد مرحوم اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی بلند درجے عطا فرمائے، میرے کہنی مار کر اٹھا اور اس کے اٹھتے ہی میں نے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے عرض کیا کہ حضرت فتح القدیر میں یوں لکھا ہے اور بالکل بے سوچے کہا۔ اس فقرہ پر والد صاحب بے ساختہ ہنس پڑے اور کتاب میں نشان رکھ کر اس کو بند کر کے مجھ سے فرمایا کہ جب تک حسن احمد آئے میں تمہیں ایک قصہ سنا دوں۔ میں تمہاری فتح القدیر سے کہاں لڑتا پھروں گا۔ چنانچہ ایک قصہ سنا دیا (اور وہ مرحوم واپس آگئے) ہم دونوں کے وضو میں آدھے منٹ سے زائد وقت نہ لگتا تھا۔

ایک حج میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے معلم سید مکی کی موٹر حضرت کو حرم لانے لے جانے

کیلئے مقرر تھی۔ ایک دفعہ نماز کے بعد حضرت حرم شریف سے باہر نکل آئے لیکن موٹر نہیں آئی کہ ڈرائیور کو کہیں دیر ہوگئی تھی۔ خدام نے دوسری موٹر لانے کیلئے عرض کیا مگر منظور نہیں فرمایا اور فرمایا کہ بعد میں وہ بیچارہ آئے گا ہم انتظار کر لیتے ہیں۔ مگر حضرت کو معذوری کی وجہ سے کھڑا ہونا دشوار تھا، وہیں زمین پر بیٹھنے کا ارادہ فرمایا تو خدام نے فوراً اپنے مصلے بچھانے چاہے مگر حضرت نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ بے تکلف زمین پر بیٹھ گئے، خدام نے جب اصرار کیا تو فرمایا کہ تم اپنے لیے بچھالو، میں تو یہاں کا کتا ہوں زمین پر ہی بیٹھوں گا۔

مسجد نبوی میں روزانہ کئی کئی گھنٹے بیٹھنا ہوتا ہے، حضرت چونکہ معذوری کی وجہ سے صرف چارزانوں ہی بیٹھ سکتے ہیں پاؤں پر کمبل ہوتا ہے لیکن حضرت کو اس بات کی کوشش اور اہتمام ہوتا ہے کہ ان کے پاؤں کا رخ روضہ شریف کی طرف نہ ہو حالانکہ چارزانو نشست میں سامنے کے پاؤں سیدھے نہیں ہوتے۔ جس کو عرف میں پاؤں سامنے کرنا کہا جائے صرف انگلیوں کا رخ ہوتا ہے مگر حضرت اس کو بھی نہیں ہونے دیتے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے فضائل حج میں تحریر فرمایا ہے کہ مسجد نبوی میں سب سے افضل جگہ مصلے شریف کی ہے جس کے ساتھ استوانہ حنانہ ہے اگر ممکن ہو تو زائر کو یہاں پہلے دو نفل پڑھنا چاہئے۔ مگر ۴۴ھ میں حضرت کا قیام یہاں سال بھر رہا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے سال بھر میں کبھی بھی وہاں کھڑے ہونے کی جرأت نہیں ہوئی اور اس کے بعد جب سے برابر حاضری ہونا شروع ہوئی تو بندہ نے دیکھا کہ صرف پہلی دفعہ ایک بار ۸۴ھ میں مواجہہ شریفہ پر حاضری دی اس کے بعد اقدام عالیہ کی طرف دیوار کے ساتھ جہاں عام طور پر فقراء بیٹھتے ہیں وہیں سے کئی گھنٹے صلوٰۃ وسلام پڑھتے رہتے تھے اور عشاء کے بعد واپسی پر ریاض الجنۃ میں دو نفل پڑھتے تھے۔ دوسرے روز بندہ کو خیال آیا کہ شاید ہجوم کی وجہ سے مواجہہ شریفہ پر نہیں جاتے اس لیے عشاء کے بعد عرض کیا کہ اب وہاں ہجوم نہیں ہے حاضری دے لیں۔ فرمایا کل حاضری دے دی تھی، بندہ نے تیسرے روز پھر عرض کیا تو فرمایا کہ بھائی سامنے جانے کی مجھ میں ہمت نہیں کس منہ سے جاؤں، پہلی دفعہ تو مولوی سید اسعد صاحب کے ساتھ حاضر ہو گیا تھا تم ضرور حاضری دے کر آؤ۔ اس کے بعد اب تک سامنے نہیں آئے۔

آج مورخہ ۱۸ محرم ۹۷ھ کو ایک خط کے جواب میں لکھوایا کہ زیارت کی تمنا تو مبارک ہے مگر یہ وہبی چیز ہے اور بندہ سے فرمایا کہ مجھے خواب میں تو کئی دفعہ زیارت ہوئی لیکن خود اس

کی تمنا کبھی نہیں ہوئی کیونکہ خیال ہوتا ہے کہ کس منہ سے سامنے جاؤں۔

یہ دنیا کیا ہے، کچھ نہیں

محترم قاری عبدالعزیز جلالی صاحب (راولپنڈی) اپنے جلال کی داستان بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''میں وزیراعلیٰ مولانا مفتی محمود کے کمرے میں پہنچا تو رات کا ایک بجا تھا۔ اس وقت سرحد کے وزیراعلیٰ کی آنکھیں سرخ، بال بکھرے ہوئے اور چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ کاغذوں کے انبار میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے انداز و اطوار سے سخت غصے اور اضطراب اور اندرونی کرب کا اظہار ہو رہا تھا لیکن میں ان سے کہیں زیادہ غصے اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا تھا۔ مجھے آخر غصہ کیوں نہ آتا۔ میں نے صرف تین روز پہلے راولپنڈی میں ان سے ملاقات کا باقاعدہ وقت لیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا دو روز چھوڑ کر تیسرے روز صبح نو بجے آ جانا۔ میں مقررہ وقت پر پہنچ گیا لیکن ملاقات کیلئے پندرہ گھنٹے کا طویل اور جان لیوا انتظار، صبح آ کر بیٹھا، دوپہر ہوئی، شام ہوئی، رات آ گئی اور اب رات کے پچھلے پہر میں ان کے آدمیوں کو زبردستی دھکیلتا ہوا اندر چلا گیا۔ وہاں اس وقت بھی ہجوم تھا۔ میں اپنے علاقے کے ظالم خوانین کے مظالم کی داستان لے کر آیا تھا لیکن اس وقت وزیراعلیٰ ہاؤس میں جو ہجوم تھا اس میں خوانین کے دو تین تنخواہ دار ملازم بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ گویا مفتی صاحبؒ کا انہوں نے پہلے ہی گھیراؤ کر رکھا تھا۔

مفتی صاحبؒ نے فرمایا: 'کہئے جلالی صاحب!' یہ سننا تھا کہ میں آپے سے باہر ہو گیا۔ میں نے اتنی زور سے بات شروع کی کہ باہر کھڑے لوگ بھی ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے اندر آ گئے۔ میں نے کہا: آپ نے مجھے صبح نو بجے کا وقت دیا تھا۔ اب رات کا ڈیڑھ بج چکا ہے۔ آپ کی حالت یہ ہے کہ آنکھوں میں نیند، چہرے پر اضطراب، میں آپ سے کیا کہوں۔ آپ کے کارندے شریف لوگوں کو اندر نہیں آنے دیتے۔ آپ شریف لوگوں کو وقت دیتے اور پھر اسی وقت میں کسی اور سے ملتے ہیں۔ میں جن لوگوں کے ظلم کی داستان سنانے آیا ہوں وہ آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کو ظالم مظلوم کا فرق ہی معلوم نہیں۔ مومن اپنی فراست ایمانی سے جان لیتا ہے اور معلوم ہوتا ہے آپ نے اب تک عشاء کی نماز بھی ادا نہیں کی ہوگی اس لئے آپ اپنی ایمانی فراست سے معلوم نہیں کر سکتے کہ آپ کے پاس وہ

لوگ بیٹھے ہیں جو آستینوں میں سانپ اور ڈاب میں خنجر رکھتے ہیں، جن کے ہاتھ غریبوں کے خون سے رنگین ہیں۔ آپ فرماتے ہیں میں بات کروں، میں کیا بات کروں، یہ کوئی بات کرنے کا وقت ہے؟ میں جا رہا ہوں، قیامت کے روز اس شخص کا گریبان پکڑ کر خدا کے روبرو بات کروں گا جو صبح سے شام تک لوگوں کو دروازے پر بٹھائے رکھتا تھا۔ یہ کہہ کر میں دروازے کی طرف بڑھا اور آناً فاناً باہر نکل گیا۔

باہر آتے ہی وہاں موجود لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔ سرکاری ملازمین بھی میری طرف بڑھنے لگے۔ معاً میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کسی نے مجھے پیچھے موڑنے کی کوشش کی۔ میں نے دیکھا کہ یہ خود حضرت مفتی صاحبؒ تھے۔ فرمانے لگے: ''صرف سنانا ہی مردانگی نہیں، سنا کر سننا بھی مردانگی ہے، میں نے ابھی جواب ہی نہیں دیا کہ آپ چل دیئے'' غصہ تو میں پہلے ہی نکال چکا تھا، اب جو مفتی صاحبؒ نے مجھے باہر آ کر خود روکا تو رہا سہا غصہ بھی جاتا رہا۔ بہرحال میں ان کے کہنے پر دوبارہ کمرے میں چلا گیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا: ''قاری صاحب! آپ نے بہت کچھ کہا ہے، آپ کی بہت سی باتوں کا میں جواب دینا چاہتا ہوں۔ میں اگر اس وقت آپ کو واپس نہ لاتا تو کوئی بات نہیں تھی۔ آپ میرے بیٹے ہیں، بیٹے ناراض ہوتے ہیں، پھر خود ہی گھر واپس آ جاتے ہیں۔ آج آپ جاتے تو کل پھر واپس آتے۔ میں نے اس لئے آپ کو روکا ہے کہ ان لوگوں کے سامنے آپ کی باتوں کا جواب دوں جن کا میں نوکر ہوں۔''

''نوکر ہیں؟ آپ نوکر ہیں، کیا مطلب؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ ''جی ہاں! میں نوکر ہوں۔ یہ لوگ جو یہاں موجود ہیں، میں ان کا وزیر اعلیٰ ہوں، وزیر اعلیٰ نوکر ہی ہوتا ہے۔ آپ کو شکایت ہے کہ میں نے آپ کو صبح نو بجے کا وقت دیا تھا۔ میں آٹھ بجے آیا ہوں۔ مجھے آپ کی آمد کی اطلاع نہیں ملی۔'' میں نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا جو میری چٹ لے کر اندر آیا تھا، اس نے شرم سے سر جھکا لیا۔ اس نے مفتی صاحبؒ تک میری آمد کی اطلاع نہیں پہنچائی تھی۔ مفتی صاحبؒ کے پوچھنے پر اس نے اقرار کیا کہ میں وہ چٹ نہیں پہنچا سکا کیونکہ وہ اس سے گم ہو گئی تھی۔ میں نے بتایا کہ میں نے دوسری بار بھی اسے اپنا نام لکھ کر دیا تھا۔ اب وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ مفتی صاحبؒ نے حکم دیا کہ وہ فوراً وہاں سے چلا جائے اور کل سے اس کی ڈیوٹی یہاں نہیں ہوگی۔

پھر مفتی صاحبؒ نے مزید کہا: ''آپ کا یہ فرمان تو درست ثابت نہیں ہوا کہ میں شریف لوگوں کو وقت دے کر دوسرے لوگوں سے ملتا ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر بھی اپنے آپ کو شریف اور دوسرے لوگوں کو 'بدمعاش' تصور کرنا کوئی شریفانہ سوچ نہیں۔ یہ لوگ گواہ ہیں کہ میں نے عشاء کی نماز یہیں ادا کی ہے۔ آپ کا یہ خیال درست نہیں کہ میں نے ابھی تک نماز ادا نہیں کی۔ جہاں تک ایمانی فراست کی بات ہے تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں بہت گنہگار آدمی ہوں۔ اگر بفرض محال میری جگہ کوئی اور آدمی یہاں بیٹھا ہو اور وہ آپ کی طرح صاحب فراست بزرگ ہو، وہ اپنی فراست سے کسی کے بارے میں معلوم بھی کر لے کہ فلاں ظالم ہے، اس نے آپ کے ساتھ ظلم کیا ہے تو وہ اپنی فراست کو بنیاد بنا کر اسے سزا نہیں دے گا۔ اس کو سزا دلوانے کیلئے آپ کو دلائل سے اس کا ظالم ہونا ثابت کرنا ہوگا۔ جب تک آپ اس کو برسر عام ظالم ثابت نہیں کر دیں گے اس پر سزا جاری نہیں ہو سکتی۔ یہ مسئلہ تو ابتدائی دینی کتابیں پڑھنے والے طالب علم بھی جانتے ہیں۔

آپ تو ماشاءاللہ قاری ہیں، عالم ہیں، آپ کی اس مسئلے کے بارے میں اتنی ناقص اور ادھوری معلومات ہیں۔ اگر آپ صوبہ سرحد میں کسی سرکاری محکمے کے ملازم ہوتے اور آپ کے ذمے دینی امور ہوتے تو میں آپ کو اسی وقت اس ذمہ داری سے معزول کر دیتا کیونکہ آپ کی دینی معلومات ناکافی ہیں اور آپ کی آخری بات کہ آپ قیامت کے روز میرا گریبان پکڑیں گے، اتنی دیر انتظار کی ضرورت نہیں، یہ لیجئے میرا گریبان حاضر ہے۔'' یہ کہہ کر وہ میرے کچھ اور قریب آ گئے۔

میں شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا۔ میں نے غصے میں اتنا کچھ کہہ دیا تھا کہ اب مجھے خود بھی یاد نہیں تھا لیکن مفتی صاحبؒ کے چہرے پر اب بھی ناگواری کے اثرات نہیں تھے۔ وہ معمول کے مطابق دھیمے انداز میں تمام باتیں کر رہے تھے اور میں زمین میں گڑا جا رہا تھا۔ میں نے ہمت کر کے کہا: ''مفتی صاحب! خدا کیلئے مجھے مزید شرمندہ نہ کیجئے۔ آخر میں بھی انسان ہوں، کئی گھنٹے کے انتظار کے بعد غصہ آنا قدرتی بات ہے اور غصے کا اظہار بھی تو اسی لئے ہو گیا ہے کہ ہم آپ کو اپنا سربراہ ہی نہیں، باپ بھی سمجھتے ہیں۔ اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو نہ اس کی ملاقات کیلئے اتنا انتظار ہوتا اور نہ اس سے شکوہ و شکایت کرنے کی گنجائش ہوتی، یہ شکوے اور شکایات بھی ہماری آپ سے دلی محبت کی دلیل ہے۔''

میری بات سن کر حضرت مفتی صاحبؒ آبدیدہ ہوگئے اور پھر ارشاد فرمایا: ''قاری صاحب! یہ دنیا کیا ہے، کچھ بھی نہیں، لوگ اس کی طرف پاگلوں کی طرح بھاگتے ہیں، جب کوئی مولوی میرے پاس دنیاوی کام لے کر آتا ہے تو میرا دل چاہتا ہے میں اسے اپنے ہاتھ سے مسل دوں۔ یہ دنیا کی لعنت دنیاوالوں کیلئے ہی رہنے دیں تو اچھا ہے اور جب کوئی مولوی لوگوں کے مسائل لے کر آتا ہے تو مجھے اتنی خوشی ہوتی ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ آپ علاقائی مسائل لے کر آئے ہیں تو مجھے خوشی ہے، فرمایئے میں ابھی سنوں گا اور میرے بس میں جو کچھ ہوا وہ ضرور کروں گا۔ میں قیامت کے دن سے ڈرتا ہوں، وہاں کی باز پرس میں کون کامیاب ہوسکتا ہے؟ کوئی نہیں، اللہ اپنا کرم کردے تو خیر ورنہ ہمارے پاس کیا ہے جو لے کر جائیں گے؟''

میں نے لاکھ چاہا کہ صبح بات کی جائے لیکن حضرت مفتی صاحبؒ کا کہنا تھا کہ صبح تک زندگی کی کیا ضمانت ہے؟ میں کم ازکم آج کی بات آج ہی سنوں گا اور اسکے بعد جو خدا کو منظور ہوگا وہ ہوگا۔ بہرحال میں نے انہیں اپنے مسائل سے آگاہ کیا۔ رات کٹ گئی۔ صبح تک باتوں میں مشغول رہے۔ ہمارے مسائل جوان کے دائرہ کار میں تھے وہ اس حد تک تو درست ہوئے کہ مقامی انتظامیہ سیدھے منہ بات کرنے لگی لیکن ایک بگڑے ہوئے ڈھانچہ کو راتوں رات ٹھیک کرنا تو حضرت مفتی صاحبؒ کے بس کی بات نہیں تھی۔'' (قومی ڈائجسٹ، ص ۱۷۰)

قربان جاؤں میرے آقا

مولانا عبدالقیوم حقانی تحریر فرماتے ہیں کہ روزانہ کی ڈاک میں ملک و بیرون ملک سے خطوط آتے اور جب مدینہ منورہ سے آیا ہوا خط کھولا جاتا تو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ (اکوڑہ خٹک) لفافہ اور مکتوب دونوں میرے ہاتھ سے بڑی تواضع اور ادب واحترام سے لے لیتے، دونوں کو سرآنکھوں پر رکھتے، بوسہ دیتے، حسرت اور محبت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھتے رہتے اور بار بار فرماتے کہ یہ مبارک خطوط مدینہ منورہ کی ہواؤں کو چھو کر آئے ہیں، یہ بڑے متبرک خطوط ہیں یہ صرف ایک دو روز کا معاملہ نہ تھا ہفتہ میں یومیہ نہ سہی تو تین چار روز کی ڈاک میں ضرور مدینہ منورہ سے آئے ہوئے خطوط کا جواب لکھواتے تو وہاں کے احباب کے نام تاکیداً یہ بھی لکھوا دیتے کہ ''جب کبھی روضہ رسول ﷺ پر حاضری ہو تو ناچیز و گنہگار

عبدالحق کی طرف سے بھی صلوٰۃ وسلام عرض کر دینا۔

خشیت ورقت، عشق ومحبت اور فنافی الرسول ﷺ کی کیفیات کا یہ عالم تھا کہ جب نماز کھڑی ہوجاتی اور مکبر تکبیر شروع کر دیتا تو حضرت ادب واحترام سے قدرے جھک جاتے چہرہ اقدس اور اعضاء واندام میں تواضع وانکسار کی جھلک نمایاں ہوجاتی تھی اور جب مکبر تکبیر پڑھتے ہوئے کلمہ شہادت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتا تو حضرت ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پڑھ کر بے اختیار گویا ہوجاتے ''قربان جاؤں میرے آقا ﷺ'' یہ فرماتے جاتے اور اس کے ساتھ ساتھ وجود اقدسؒ پر اضطرار واضطراب شکستہ دلی اور شکستگی کی خاص کیفیت پیدا ہوجاتی تھی۔

احقر کو بارہا یہ رقت خیز اور عبرت انگیز منظر دیکھنے کی سعادت حاصل ہوتی رہی، کلمہ تشہد میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی آتا تو اس وقت رقت کا بڑا غلبہ ہوتا تھا دائیں بائیں ساتھ والے نمازی حضرتؒ کی اس سرگرمی، وارفتگی محبوب میں بے اختیار مشغولی اور دردو محبت کی اس کیفیت کو محسوس کرتے اور ان کی عظمت وتاثیر کے دل وجان سے قائل اور گرویدہ ہوجاتے تھے۔ (میرے حضرت میرے شیخ ص ۷۷)

وہ قلی کون تھا؟

استاذی حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ سردیوں کی ایک رات میں والد صاحبؒ بذریعہ ریل تھانہ بھون اسٹیشن پر اترے، برانچ لائن پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا اسٹیشن بھی بہت چھوٹا اور آبادی سے کافی دور ہے۔ راستہ میں کھیت اور غیر آباد زمینیں ہیں وہاں اس زمانے میں بجلی تو تھی ہی نہیں، رات کے وقت قلی یا سواری ملنے کا بھی امکان نہ تھا کیونکہ اس وقت اکا دکا ہی کوئی مسافر آتا جاتا تھا۔ گاڑی دو تین منٹ رک کر روانہ ہوگئی۔ اب اسٹیشن پر ہو کا عالم تھا، ہر طرف جنگل، اندھیری رات اور سناٹا۔ اسٹیشن سے قیام گاہ تک آمد ورفت عموماً پیادہ پا ہوتی تھی، والد صاحبؒ تنہا تھے، سامان بھی ساتھ نہ تھا اس لئے کوئی فکر نہ تھی، اچانک آواز آئی ''قلی، قلی'' یہ آواز بار بار آرہی تھی اور اب اس میں گھبراہٹ بھی شامل ہوگئی، کوئی صاحب مع اہل وعیال اسی گاڑی سے اترے تھے، قلی نہیں مل رہا تھا جو آبادی تک سامان پہنچادے، یہ والد صاحبؒ کے ایک واقف کار تھے اور عقیدت مندانہ ملتے تھے۔ والد صاحبؒ سے اپنا بوجھ اٹھوانے پر ہرگز راضی نہ ہوتے یا عمر بھر ندامت کے بوجھ میں دبے رہتے۔

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جلدی سے سر پر رومال لپیٹ کر اوپر سے چادر ڈالی اور مزدورانہ ہیئت میں تیزی سے پہنچ کر کہا "سامان رکھواؤں کہاں جانا ہے؟" انہوں نے پتہ مختصراً بتاتے ہوئے میرے سر پر سامان لادنا شروع کر دیا، پہلا بکس ہی اتنی بھاری تھا کہ میں نے کبھی نہ اٹھایا تھا، اس پر دوسرا بکس رکھا، تیسرا عدد میرے ہاتھ اور بغل میں تھمانا چاہتے تھے میں نے دونوں ہاتھوں سے بمشکل ان بکسوں کو سنبھالتے ہوئے کہا کہ "حضور میں کمزور آدمی ہوں زیادہ نہیں اٹھا سکتا" یہ (تیسرا عدد) آپ سنبھال لیں۔

یہ مختصر قافلہ روانہ ہوا، بوجھ سے پاؤں ڈگمگا رہے تھے مگر میری اس کمزوری کو میری ٹارچ نے چھپا لیا تھا جو انہیں راستہ دکھا رہی تھی اور میری طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ دیتی تھی۔ ان کی قیام گاہ پر سامان اتارا، وہ یہ کہہ کر ذرا اندر گئے کہ "ابھی آ کر پیسے دیتے ہیں" میں موقع پا کر وہاں سے غائب ہو گیا۔ اگلے دن وہ صاحب خانقاہ میں حسب سابق بڑی تعظیم سے ملے، مگر انہیں کیا معلوم وہ ایک "قلی" سے مل رہے ہیں۔

یہ واقعہ والد صاحبؒ نے ہمیشہ راز میں رکھا، حتیٰ کہ جن صاحب کا سامان اٹھایا تھا انہیں بھی عمر بھر معلوم نہ ہو سکا کہ وہ فرشتہ صفت "قلی" کون تھا؟ تقریباً بیس سال بعد ہم سب بھائیوں کے سامنے یہ راز کھلا۔ (حیات مفتی اعظمؒ، ص ۵۰)

ذکر جاری ہو گیا

مولانا عبدالحمید سواتی مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جمعرات کے دن گوجرانوالہ سے چند اصحاب کے ساتھ حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوریؒ کی زیارت و ملاقات اور مجلس ذکر میں شرکت کی غرض سے حاضر خدمت ہوا مغرب کی نماز کے بعد حسب دستور مجلس ذکر ہوئی، پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دستور کے مطابق وعظ و نصیحت فرمائی اور عشاء کی نماز ادا کی، حضرت سے ملاقات کی درخواست کی تو فرمایا جس نے ملاقات کرنی ہے وہ ٹھہر جائے کچھ دیر انتظار کرتے رہے جب حضرت کا ملاقات کیلئے باہر آنے کا وقت قریب ہوا تو بے ساختہ خود بخود میرا قلب جاری ہو گیا اور اللہ اللہ کا ذکر کافی دیر تک جاری رہا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت اقدس کی کرامت ہے۔

(خدام الدین امام الاولیاء نمبر ص ۳۲۹، شیخ التفسیر کے حیرت انگیز واقعات، ص ۱۲۹)

پھول توڑنے کی اجازت نہیں

دارالعلوم کے فاضل و مدرس حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب راوی ہیں کہ زمانہ طالب علمی میں میرا ایک ساتھی تھا، وہ بھی دارالعلوم میں پڑھتا تھا۔ اس نے ایک روز اتفاق سے دارالعلوم کی کیاریوں میں لگے ہوئے پھولوں سے ایک پھول توڑ لیا، بعد میں سوچا کہ میں نے دارالعلوم کا پھول توڑا ہے حالانکہ پھول توڑنے کیلئے نہیں بلکہ دارالعلوم کے حسن و جمال اور رونق و بہار کے لئے لگائے گئے ہیں اور اگر مجھے توڑنا ہی تھا تو اس کی مجھے کسی سے اجازت لینی چاہئے تھی۔ چنانچہ اس نے دل میں اپنے آپ سے کہا اب جاؤ اور حضرت مہتمم شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ سے اس کی اجازت لے لو۔ چنانچہ وہ طالب علم دفتر اہتمام میں آیا اور حضرت شیخ الحدیثؒ سے پھول توڑنے کے بعد اجازت اور جرم کی معافی چاہی تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے بڑی شفقت و محبت اور حد درجہ نرم لہجہ میں فرمایا: ''عزیزم! اس پھول کا مالک میں نہیں ہوں، خدا سے اجازت بھی مانگو اور معافی بھی! جب خود مجھے پھول توڑنے کی اجازت نہیں ہے تو دوسرے کو کس طرح اجازت دے سکتا ہوں۔'' (میرے حضرت میرے شیخ ص ۸۹)

کپڑے استری کرنے کی اجازت نہیں

مولانا عبدالقیوم حقانی لکھتے ہیں کہ یہ بات آج ہی کے چشم دید واقعہ کی طرح یاد ہے کہ جب استاذ محترم شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالحلیم دیروی مدظلہ نے محدث کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ سے دارالعلوم ہی کی بجلی سے اپنے گھر میں کپڑے استری کرنے کی اجازت لینی چاہی جبکہ بعض اساتذہ اور طلبہ استری کر لیا کرتے تھے مگر دفتر اہتمام کی جانب سے اس کی باقاعدہ اور باضابطہ اجازت نہ تھی۔ خود حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی اس سلسلہ میں دارالعلوم کی انتظامی کمیٹی اور شوریٰ کی مجاز کونسل سے بات نہیں کی تھی اس لئے مولانا دیروی مدظلہ کے بار بار سوال اور اصرار پر حضرت شیخ الحدیثؒ یہی کچھ ارشاد فرماتے رہے کہ ''بجلی کی اجازت مطالعہ کتب، کمرہ میں روشنی اور تعلیمی و مطالعاتی کام میں سہولت کیلئے ہے، اس سے زیادہ کا مجھے علم نہیں۔'' حضرتؒ نے صراحتاً انکار بھی نہ فرمایا کہ انداز سخت نہ ہو اور درجہ علیا کی کتب کے ایک استاد اور اپنے وقت کے عظیم شیخ کی کبیدہ خاطری نہ ہونے پائے اور اجازت بھی نہ دی کہ

اجازت کی باضابطہ کاروائی نہیں ہوئی تھی ۔خود حضرت دیروی مدظلہٗ نے بعد میں ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث کا کتنا پیارا اور معصومانہ انداز ہے۔اس کے بعد حضرت دیروی کا معمول یہ رہا کہ اپنے اور اپنے خاندان کے کپڑے گھر میں دارالعلوم کی بجلی استعمال کرنے کے بجائے ہی میں اپنے دوستوں کے ہاں بھیج دیا کرتے تھے اور وہیں سے استری ہو کر آیا کرتے تھے۔

(میرے حضرت میرے شیخ ص۹۰)

حکیمانہ طرز عمل

حافظ نور احمد صاحب فرماتے ہیں کہ

''ایک مرتبہ قاسم العلوم کے طلبہ نے حضرت مفتی محمود صاحبؒ کی عدم موجودگی میں ماہانہ وظیفے کے اضافے کا مطالبہ کر دیا۔ یہ بات یاد رہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی موجودگی میں حضرتؒ سے شرم کے مارے کسی طالب کو کسی مطالبہ کی جرأت نہ ہوتی تھی بلکہ اس کی نوبت ہی نہ آتی تھی ۔اس لئے مطالبات کے جتنے بھی واقعات آپ دیکھیں یا سنیں گے وہ سب حضرتؒ کی مدرسہ میں عدم موجودگی ہی کے ہوں گے۔ بہرحال طلبہ کے اس مطالبہ کو مدرسہ کی انتظامیہ نے حضرت مفتی صاحبؒ کی مدرسہ میں تشریف آوری پر حضرتؒ کے سامنے پیش کر دیا۔ حضرتؒ نے تمام طلبہ کا دارالحدیث میں اجلاس بلایا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ کا مطالبہ موجودہ مہنگائی کے لحاظ سے بالکل بجا ہے۔طلبہ اور اساتذہ کا باہمی تعلق ایسا ہوتا ہے جیسا کہ باپ اور بیٹے کا آپس میں ہوتا ہے۔ بیٹا باپ سے مطالبہ کرتا ہے تو باپ اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھتا ہے۔اگر جیب اس کی اجازت دیتی ہے تو وہ اس کا مطالبہ پورا کر دیتا ہے ورنہ اس سے عذر کر دیتا ہے اور دوسرے وقت کا وعدہ کرتا ہے۔اب آپ حضرات کے مطالبہ پر میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا ہے یعنی مدرسہ کے خزانہ میں تو اس وقت آپ کا مطالبہ پورا کرنے میں قدرے دقت ہوگی البتہ اس کے بعد جونہی یہ عذر رفع ہو جائے گا آپ کا مطالبہ پورا کر دیا جائے گا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی اس مشفقانہ تقریر کو سن کر طلبہ نہایت متاثر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارا اب کوئی مطالبہ نہیں، آپ جب مناسب سمجھیں اور جیسے مناسب ہو ویسے ہی فرما دیں۔اس کے بعد حضرتؒ نے اساتذہ کے اجلاس میں فرمایا کہ وظیفہ میں اب ہی اضافہ کر دیا جاتا مگر شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے وہ عزیز طلبہ کے ذہن

میں یہ بات ڈالنے کی کوشش کرے گا کہ دیکھا تم نے اساتذہ سے اپنا مطالبہ قوت کے بل بوتے پر تسلیم کرالیا۔ اگر یہ بات طلبہ کے ذہن میں آ گئی تو ان کے مستقبل کو مخدوش کر کے رکھ دے گی اور ان کیلئے نہایت نقصان دہ ثابت ہوگی۔ لہٰذا میں عشرہ ڈیڑھ عشرہ کے بعد جب دوسری مرتبہ آؤں گا تو ان کے وظیفہ میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ (ترجمان اسلام ص ۳۱۷)

پیچھے ہٹ جایئے

۱۹۶۲ء کے الیکشن میں کامیابی کے بعد ملک میں پہلی بار عام لوگوں نے بھی حضرت مفتی صاحبؒ کا نام سنا۔ اس وقت تک جمعیت کے حلقوں سے باہر انہیں بہت کم لوگ جانتے تھے۔ تصویر بھی کسی نے نہیں دیکھی تھی۔ قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کیلئے اسلام آباد جانے لگے تو ملتان ریلوے اسٹیشن پر بڑی دلچسپ صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ گاڑی میں ان کی سیٹ ریزرو تھی لیکن جب ساتھیوں کے ہمراہ ڈبے میں داخل ہونے لگے تو ڈیوٹی پر موجود پولیس کے ایک سپاہی نے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ ڈبہ قومی اسمبلی کے ممبر مولانا مفتی محمود کے لئے ریزرو ہے، آپ یہاں نہیں بیٹھ سکتے، کسی دوسرے ڈبے کا رخ کریں۔ ساتھیوں نے کسی نہ کسی طرح اندر گھس کر ان کا سامان تو ڈبے میں رکھ دیا لیکن سپاہی نے مولانا مفتی محمودؒ کو ڈبے میں نہ گھسنے دیا۔ بار بار یہی کہتا کہ "یہ ڈبہ قومی اسمبلی کے ممبر مولانا مفتی محمود کیلئے ریزرو ہے، یہاں کوئی نہیں بیٹھ سکتا، کسی دوسرے ڈبے میں چلے جائیں، وہ آپ کو یہاں نہیں بیٹھنے دے گا، سامان بھی آپ کو اٹھانا پڑے گا، مجھے ڈانٹ پڑے گی، آپ بھی ناحق پریشان ہوں گے، اس لئے پہلے سے اپنے لئے کسی سیٹ کا بندوبست کرلیں" اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ درمیانے قد اور دہرے جسم کا مالک جس نے سر پر ریشمی رومال لپیٹ رکھا ہے اور کھدر کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں ملبوس ہے، قومی اسمبلی کا ممبر بھی ہوسکتا ہے۔ اس نے سوچا کوئی دیہاتی مولوی ہے جو اپنی لاعلمی یا کسی مغالطے کی وجہ سے اس ڈبے کی طرف چلا آیا ہے۔

مولانا مفتی محمودؒ سپاہی کی ڈانٹ ڈپٹ سن کر خاصے محظوظ ہوئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو منع کر دیا کہ وہ سپاہی سے ان کے متعلق کچھ نہ کہیں۔ ساتھی بھی سپاہی کا غضب اور غصہ دیکھ کر دل ہی دل میں ہنس رہے تھے۔ سپاہی کو دوسری طرف متوجہ پا کر جونہی حضرت مفتی صاحبؒ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ڈبے کی طرف بڑھتے، سپاہی تیزی سے آگے بڑھ کر

ان کا راستہ روک لیتا۔ گاڑی چلنے میں چند منٹ رہ گئے تو حضرت مفتی صاحبؒ نے سوچا اب اس ڈرامے کو ختم کرنا چاہئے۔ وہ آخری بار اپنے ڈبے کی طرف بڑھے۔ سپاہی کو غصہ آ گیا چیخ کر بولا: مولوی صاحب! کیوں میرے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑ گئے ہو، سمجھتے کیوں نہیں، یہ ڈبہ ریزرو ہے، مولانا مفتی محمود کے سوا یہاں اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا، چلو ہٹو پیچھے، اب مفتی صاحب آنے ہی والے ہوں گے، کسی اور ڈبے میں چل کر بیٹھو۔ مولانا مفتی محمودؒ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی چند لمحے خاموش کھڑے اسے دیکھتے رہے، پھر کندھے پر رومال ٹھیک کرتے ہوئے کہا: اللہ کے بندے! دوسرے ڈبے میں چل کر کیسے بیٹھوں، میری سیٹ اس ڈبے میں ریزرو ہے، میں ہی تو مفتی محمود ہوں، قومی اسمبلی کا ممبر۔ یہ انکشاف کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔ سپاہی کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو، چہرے پر ایک رنگ آتا ایک جاتا۔ پھر وہ تیزی سے ہٹ کر ایک طرف مؤدب کھڑا ہوگیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور آگے بڑھ کر ڈبے میں داخل ہوگئے۔ (قومی ڈائجسٹ ص ۳۸)

طویل آپریشن

استاذی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب رقم طراز ہیں:

''حضرت مفتی صاحبؒ کا یہ حیرت انگیز کمال بھی علم میں آیا کہ ان کے انگوٹھے کا کئی انچ گہرا آپریشن اس طرح ہوا کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے بے ہوش یا سُن کرنے والی دوا استعمال کرنے سے انکار کردیا تھا۔ ڈاکٹروں نے اصرار بھی کیا کہ یہ خاصا طویل آپریشن ہے اور سُن کئے بغیر سخت تکلیف ہوگی لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نہ مانے اور بالآخر سُن کئے بغیر ہی یہ آپریشن کیا گیا۔ ان کے خصوصی معالج (غالباً کرنل مرتضٰی صاحب) ایک مرتبہ میرے سامنے موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ مفتی صاحبؒ کی قوت برداشت حیرت انگیز ہے اور میں نے اس سے پہلے ایسا آپریشن کرانے والا نہیں دیکھا۔ احقر نے حضرت مفتی صاحبؒ سے حیرت کے ساتھ اس کی وجہ پوچھی تو شروع میں طرح دے گئے، پھر فرمایا کہ:

''اگرچہ ضرورۃً نشہ آور دوا کا استعمال جائز ہے لیکن میں نے سوچا اس سے جتنا بچ سکوں بچ جاؤں۔''

احقر نے سوچا کہ احتیاط وتقویٰ کا یہ مقام اس دور میں خال خال ہی کسی کو نصیب ہوتا

ہے۔ احقر نے اس موقع پر حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کا حوالہ دیا کہ انہوں نے سُن کرائے بغیر اپنی پوری ٹانگ ران پر سے کٹوائی تھی۔ ان کے بارے میں سنا ہے کہ وہ سرجن کو آپریشن کی اجازت دے کر ذکر اللہ میں مشغول ہو گئے تھے۔ اس طرح آپریشن کا پورا وقت گزر گیا اور وہ اطمینان کے ساتھ اپنے ذکر میں محو رہے۔ احقر نے حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ سے عرض کیا کہ کیا آپ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ ہنس کر فرمانے لگے نہیں بھائی یہ تو بڑوں کی باتیں ہیں، ہمارا یہ مقام کہاں۔'' (ترجمان اسلام نمبر، ص ۱۷۳)

وزیراعظم سے کہہ دو

حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے بارے میں درج ذیل واقعہ ان کے ایک شاگرد رشید نے سنایا کہ جب بھٹو صاحب وزیراعظم تھے اور حضرت مفتی صاحبؒ قائد حزب اختلاف۔ دونوں میں آئینی جنگ جاری تھی۔ ان دنوں وزیراعظم بھٹو نے اپنے ایک مرکزی وزیر جناب فیض اللہ خان کنڈی مرحوم کو کمشنر ڈیرہ اسماعیل خان جناب جہانزیب خان کے ہمراہ حضرت مفتی صاحبؒ کے گاؤں عبدالخلیل بھیجا۔ دونوں نے عبدالخلیل پہنچ کر حضرت مفتی صاحبؒ سے ملاقات کی اور ساتھ ہی مدرسہ قاسم العلوم ملتان کی مالی مدد کے نام پر کروڑوں روپے کی آفر کی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ آفر ٹھکرا دی۔ وزیر موصوف فیض اللہ خان کنڈی نے جب دیکھا کہ دال گلتی نظر نہیں آتی تو اپنی پیشکش ایک کروڑ سے دو کروڑ کر دی۔ آخر میں ایک سادہ چیک یہ کہہ کر پیش کیا کہ مجھے وزیراعظم بھٹو کا حکم ہے آپ خود اس میں جتنی رقم درج کرنا چاہیں درج کر دیں۔ ہم ادائیگی کر دیں گے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے تیور بدل گئے اور کہا فیض اللہ خان! تم میرے مہمان ہو، میرے پڑوسی ہو (فیض اللہ خان گل امام کے رہنے والے تھے، گل امام اور عبدالخلیل میں صرف چند کلو میٹر کا فاصلہ ہے) تم مجھے خوب پہچانتے ہو۔ یہ کمشنر صاحب شاید مجھے نہ جانتے ہوں، تمہارے لئے بہت افسوس کی بات ہے کہ میرے پاس گندگی کے ٹوکرے اٹھا کر لے آئے ہو۔ کبھی چھوٹا ٹوکرا آگے کرتے ہو، کبھی بڑا۔ فیض اللہ خان! گندگی تو گندگی ہوتی ہے، چھوٹی ہو یا بڑی۔ اسے اٹھا لو اور وزیراعظم بھٹو سے کہہ دو ہم لوگ اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جن کے سامنے دنیا جیسی حقیر و ذلیل چیز کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ (سوانح قائد ملت ۱۱۲)

حفاظتِ الٰہی کا عجیب واقعہ

ایامِ طفولیت میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بخار میں مبتلا ہوئے اور مرض اس قدر لمبا ہوا کہ کامل ایک سال تک بخار نے پیچھا نہ چھوڑا۔ ایامِ مرض اور اثناء معالجہ میں طبیب نے صرف مونگ کو غذا بنا دیا اور تمام اشیاء سے پرہیز کرا رکھا تھا۔ چنانچہ حضرت نے اس طویل مدت تک مونگ ہی پر اکتفا فرمایا اور متواتر چار سال مونگ کی دال اور مونگ کی روٹی یا مونگ کی کھچڑی تناول فرمائی نہ کبھی اکتائے نہ کبھی گھبرائے نہ شکایت کی نہ رونی صورت بنائی نہ دوسری چیز کی خواہش کی اور نہ اس ایک قسم کے کھانے سے جی پر میل لائے قصہ تو معمولی ہے مگر آپ کی استقامت و پختگی اور زہد و قناعت صبر و تحمل اور استقلال کے ان بیش قیمت جواہرات کا پتہ لگتا ہے جو حق سبحانہ نے آپ کے اس جسم خاکی میں رکھ چھوڑے تھے۔

ساڑھے چھ سال آپ کی عمر تھی یعنی ساتواں سال کم و بیش آدھا گزر چکا تھا کہ ایک عجیب قصہ پیش آیا جس میں استقلال و توکل کی کرامت معنویہ کے ساتھ بچپن کے زمانہ کی کرامت حسیہ اور مقبولیت بارگاہ احدیت کا پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابتدائے عمر میں نماز کے شوقین اور اس درجہ پابند تھے کہ کیسے ہی کھیل یا بچپن کے کسی تفریحی مشغلہ میں کیوں نہ مشغول ہوں نماز کے وقت فوراً گھر آتے اور مسجد میں آ کر اکثر باجماعت نماز پڑھتے تھے گویا آپ لہو ولعب کے موسم ہی میں یہ مضمون سمجھ چکے کہ فکرِ فردا روزِ اوّل ہی سے رکھنا چاہئے پیش و پس جس شخص نے سمجھا وہ آخر بین ہوا۔

آپ قصبہ سے باہر ٹہلتے ٹہلتے جنگل کی جانب تشریف لے گئے شام کا سہانا وقت تھا کہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے دل کی بند کلیاں کھلا رہے تھے، یہاں تک کہ عالم کو منور کرنے والے آفتاب نے افق مغرب کے قریب پہنچ کر حق تعالیٰ کو سجدہ کرنے والے بندوں کے دروازہ دل پر دستک دی اور کہا کہ چلو مسجد کی جانب لپکو کیونکہ مغرب کا وقت قریب ہے۔ حضرت مولانا گو طفل شش سالہ تھے مگر اپنے مولیٰ کی یاد میں شیخ عبادت گزار تھے اس لئے فوراً گھر کی جانب ملٹے عباسی کے پھولوں کی دو چھڑیاں ہاتھ میں تھیں اور مسجد کی جانب جلد جلد قدم اٹھا رہے تھے اوّل گھر پہنچے اور ماں سے یہ کہہ کر ''اماں جلدی لو ان چھڑیوں کو رکھو میں نماز پڑھنے جاتا ہوں'' جھپٹے ہوئے مسجد میں آ داخل ہوئے باوجود اس عجلت کے یہاں جماعت کھڑی ہو چکی تھی وضو

کے لئے پانی لینے کنوئیں پر آئے تو لوٹے خالی پائے وضو میں دیر ہوئی غرض گھبرا کر پانی کھینچنے کیلئے ڈول کنوئیں میں ڈالا دل نماز میں تھا اور ہاتھ ڈول کی رسی پر دھیان شرکت جماعت میں تھا اور نگاہیں کنوئیں کی من پر، ایک پریشانی کی حالت تھی جس میں ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے کہ رسی پاؤں میں الجھی اور حضرت مولانا دھم سے کنویں میں گر گئے۔

کنویں کے من کے اوپر سے گہرے کنویں میں گرنے کا دھیان کیجئے اور حق تعالیٰ کی حفاظت ونگہبانی کو دیکھئے کہ اس یوسفِ ثانی کا بال بھی بیکا نہ ہوا کیونکہ آپ کنویں میں جس وقت گرے ہیں پانی نے اپنی گود پھیلا کر آپ کو لیا اور آہستہ سے جھکولا دے کر نیب کی اس جز پر بٹھا دیا تھا جو تہ میں جمی اور سطح پر ابھری ہوئی تھی۔

حضرت کے ماموں محمد شفیع صاحب کا یہ بیان ہے کہ چونکہ ڈول کی رسی آپ کے ساتھ ہی کنویں میں گئی تھی اس لئے قدرت نے ڈول کو الٹا کر کے اس پر آپ کو بٹھا دیا اور آپ آرام سے اس طرح تیرتے رہے جس طرح کسی چھوٹی سے ڈونگی کے ملائم گدے پر کوئی شخص بیٹھ کر پانی کی سیر کرے بہرحال اختلاف روایت ہمارے اصل مطلب کیلئے مضر نہیں ہے کیونکہ نتیجہ ہر دو صورت میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے قدرتی حفاظت کے گہوارہ میں آپ کو جگہ دی اور ظاہری اسباب کے توسط کے بغیر آپ کے بدن پر مطلق آنچ نہ آنے دی جس وقت آپ کے گرنے کی آواز اور دھماکہ ہوا تو مغرب کی ایک رکعت ہو چکی تھی نمازیوں کو دو رکعت کو پورا کرنا دشوار ہو گیا آخر سلام پھیر کر لوگ کنویں کی جانب لپکے اور حضرت کی دادی صاحبہ کے بھائی سید فیض علی صاحب نے کہا کہ "یہ گرنے والا تو رشید احمد معلوم ہوتا ہے۔" نماز کے بعد کنویں کی من پر ایک بھیڑ لگ گئی اور مجمع ہو گیا لیکن سب ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے اور پریشان حال ہکا بکا کھڑے کنویں میں جھانک رہے تھے کہ اندر سے آواز آئی "گھبراؤ نہیں میں بہت آرام سے بیٹھا ہوں" غرض پیڑ ہا ڈال کر جس وقت آپ کو باہر نکالا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ پاؤں کی چھوٹی انگلی میں خفیف سی خراش کے علاوہ کسی حصہ بدن پر مطلق چوٹ نہیں آئی۔ اس قصہ سے استقامت واستقلال اور مصیبت سے نہ گھبرانا اور اطمینان سے بیٹھا رہنا جماعت کے ختم ہونے اور نمازیوں کے سلام پھیرنے کا منتظر رہنا کشائش وفرج من اللہ کا کلمۂ شکایت زبان پر نہ آئے وغیرہ وغیرہ امور آفتاب روشن کی طرح ظاہر ہو رہے ہیں جن کا علیحدہ علیحدہ پایا جانا بھی مستقل خوش قسمتی پر دال ہے یہ ہیں معنی ہونہار بروے کے چکنے چکنے

پات کے اور یہ مطلب ہے ''پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آنے کا۔'' (مثالی بچپن ص ۱۵۵)

حرام کے ایک لقمے کا نتیجہ

استاذی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدھم فرماتے ہیں کہ دارالعلوم دیو بند کے صدر مدرس اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک شخص کی دعوت پر اس کے گھر کھانا کھانے چلا گیا، ابھی صرف ایک لقمہ ہی کھایا تھا کہ یہ احساس ہوگیا کہ کھانے میں کچھ گڑ بڑ ہے، شاید یہ حلال کی آمدنی نہیں ہے، جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ واقعتہً حلال کی آمدنی نہیں تھی، لیکن وہ حرام آمدنی کا لقمہ نادانستہ طور پر حلق کے اندر چلا گیا۔ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ میں نے اس پر توبہ استغفار کی، لیکن اس کے باوجود دو مہینے تک اس حرام لقمے کی ظلمت محسوس ہوتی رہی اور دو ماہ تک بار بار یہ خیال اور وسوسہ آتا رہا کہ فلاں گناہ کر! اور فلاں گناہ کرلو! اور گناہ کے تقاضے دل میں پیدا ہوتے رہے، اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے دلوں کو مجلی اور مزکی فرماتے ہیں، انہیں ان گناہوں کی ظلمت کا احساس ہوتا ہے۔ ہم لوگ چونکہ ان گناہوں سے مانوس ہوگئے ہیں، اس لئے ہمیں معلوم نہیں ہوتا۔

خدا کی قدرت کا تماشا

فیروز پور میں مرزائیوں کے ساتھ ایک مناظرہ طے پایا اور عام مسلمانوں نے جو فن مناظرہ سے ناواقف تھے۔ مرزائیوں کے ساتھ بعض ایسی شرائط پر مناظرہ طے کرلیا جو مسلمان مناظرین کے لئے خاصی پریشان کن ہوسکتی تھیں۔ دارالعلوم دیوبند کے اس وقت کے صدر مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ صاحب کے مشورہ سے مناظرہ کیلئے حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری، حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی تجویز ہوئے۔ یہ حضرات جب فیروز پور پہنچے تو مرزائیوں کی شرائط کا علم ہوا کہ انہوں نے کس طرح دجل سے من مانی شرائط سے مسلمانوں کو جکڑ لیا ہے۔ اب دو ہی صورتیں تھے کہ یا تو ان شرائط پر مناظرہ کیا جائے یا پھر انکار کردیا جائے۔ پہلی صورت مضر تھی اور دوسری صورت مسلمانانِ فیروز پور کیلئے سبکی کا باعث

ہوسکتی تھی کہ دیکھو تمہارے مناظر بھاگ گئے انجام کار انہی شرائط پر مناظرہ کرنا منظور کرلیا گیا اور حضرت شاہ صاحب کو تار دیدیا گیا۔ اگلے روز وقت مقررہ پر مناظرہ شروع ہوگیا اور عین اُسی وقت دیکھا گیا کہ حضرت شاہ صاحب بہ نفس نفیس حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تشریف لارہے ہیں۔ انہوں نے آتے ہی اعلان فرمایا کہ جایئے ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم نے جتنی شرائط مسلمانوں سے منوالی ہیں، اتنی شرائط اور من مانی لکھوالو، ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں، مناظرہ کرو اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو، چنانچہ اسی بات کا اعلان کردیا گیا اور مفتی صاحب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا سید بدر عالم صاحب نے مناظرہ کیا۔ ان میں مرزائیوں کی جو دُرگت بنی اس کی گواہی آج بھی فیروز پور کے دَر و دیوار دے سکتے ہیں۔ مناظرہ کے بعد شہر میں جلسہ عام ہوا۔ جس میں حضرت شاہ صاحب اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے تقریریں کیں۔ یہ تقریریں فیروز پور کی تاریخ میں یادگار خاص کی نوعیت رکھتی ہیں بہت سے لوگ جو قادیانی دجل کا شکار ہوچکے تھے۔ اس مناظرہ اور جلسہ کے بعد اسلام پر واپس لوٹ آئے۔

ہماری تو زندگی ضائع ہوگئی

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی زندگی کا اہم ترین مقصد تحفظ ختم نبوت تھا۔ آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ قادیان تشریف لے گئے۔ مسجد میں مغموم بیٹھے تھے درد دل کے ساتھ آہ بھری اور فرمایا شفیع ہماری تو زندگی ضائع ہوگئی۔ قیامت کے دن خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھلائیں گے، مفتی صاحب فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا حضرت دنیا کا کوئی کونہ نہیں جہاں آپ کے شاگرد نہ ہوں۔ دنیا آپ کے علم سے سیر ہورہی ہے۔ صبح و شام بخاری مسلم کا سبق پڑھاتے ہیں بیشمار آپ نے کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ اب بھی آپ فرمائیں کہ ہماری زندگی ضائع ہوگئی تو پھر ہمارے جیسوں کا کیا حال ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ ساری زندگی ہم وجوہ ترجیح مذہب احناف بیان کرتے رہے حالانکہ امام شافعی رحمۃ اللہ بھی حق پر ہیں۔ مسئلہ فاتحہ خلف الامام کو چھیڑے رکھا حالانکہ ان سے کہیں زیادہ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی ضرورت ہے۔

حمیت اسلامی کا حیرت انگیز واقعہ

حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ جب مراد آباد سے فارغ التحصیل ہو کر وطن واپس تشریف لائے تو کم از کم دو سال فارغ رہے۔ ان کی فراغت کے زمانے میں گھر کے مالی حالات بہت پریشان کن تھے۔ ان کے بڑے بھائی بیمار تھے اور اہل خانہ پر اکثر فاقے گزرتے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ اس حالت سے سخت دل گرفتہ اور پریشان تھے۔ وہ اپنے گھر والوں پر گزرنے والے فاقے نہیں دیکھ سکتے تھے اور تدریس کیلئے کسی موزوں جگہ کے متلاشی تھے۔ انہی دنوں کی بات ہے کہ ان کے پاس مرزائیوں کے قادیان سے آدمی پہنچے اور ڈیرہ اسماعیل خان کے چند بڑے لوگوں سے سفارش کروائی کہ ہم ایک بہت بڑا دینی مدرسہ بنا چکے ہیں، اس میں ایک معقولی یعنی منطق وفلسفہ پڑھانے والے استاد کی ضرورت ہے۔ انہیں شاید مراد آباد وغیرہ سے مفتی صاحبؒ کے معقولی ہونے کا علم ہو چکا تھا اس لئے وہ ان کے پاس آئے تھے۔ انہوں نے حضرت مفتی صاحبؒ کو سو روپے ماہانہ تنخواہ دینے کی پیشکش کی جو اس وقت کے حساب سے بہت زیادہ تنخواہ تھی اور بہت کم لوگ اتنی تنخواہ پاتے تھے مگر حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی اور اپنے اہل خانہ کی انتہائی غربت کے باوجود اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس پیشکش کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں مسلمانوں کے مقابلے میں مرزائیوں کو معقولی بناؤں۔ چند مخلص اور ہمدرد لوگوں اور دوستوں نے سمجھایا کہ ملازمت تو غیر مسلموں کی بھی درست ہے، آپ نے پیسے لینے ہیں اور تعلیم دینی ہے، کسی مسلمان کو تو مرزائی نہیں بنانا، پھر آپ کی مجبوری بھی ہے کہ آپ اس ملازمت کو قبول کر لیں مگر حضرت مفتی صاحبؒ انکار پر جمے رہے۔ آخر کار وہ مایوس ہو کر چلے گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ معین الاسلام عیسیٰ خیل ضلع میانوالی میں پندرہ روپے ماہوار تنخواہ پر بغرض تدریس ان کی تقرری ہوئی۔ تقریباً تین سال تک حضرت مفتی صاحبؒ یہاں پڑھاتے رہے۔ اسی دوران ان کی شہرتِ تدریس دور دور تک پھیلتی چلی گئی اور دور دور سے طلباء ان کے پاس آنے لگے اور بہت ہی قلیل عرصے میں آپ کا یہ تدریسی سفر اوجِ کمال کو پہنچا اور ملتان کے سب سے بڑے دینی تعلیمی ادارے قاسم العلوم میں صدر مدرس، شیخ الحدیث اور مفتی کے منصب ومسند کو رونق بخشتا ہوا قاسم العلوم کے اہتمام پر اختتام پذیر ہوا۔

بلا معاوضہ خدمات

دارالعلوم کی تمام خدمات کا حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ابتدائی چار سال تک تو کوئی معاوضہ لیا ہی نہیں۔ پھر جب بورڈ آف تعلیمات اسلام کی رکنیت ختم ہوگئی۔ کوئی ذریعہ معاش نہ تھا، اور دارالعلوم کی خدمات شب و روز کا مشغلہ بنی ہوئی تھیں تو جمادی الاوّل ۱۳۷۴ھ ۲۷ر دسمبر ۱۹۵۴ء سے مجلس منتظمہ کی درخواست پر پانچ سو روپے مشاہرہ لینا منظور فرمالیا مگر شعبان ۱۳۷۷ھ سے اس مشاہرہ میں از خود کمی کر کے صرف تین سو روپے ماہوار باقی رکھے، جس کا اکثر حصہ دارالعلوم ہی کی ضروریات ٹیلیفون، آمد و رفت اور مہمانداری میں خرچ ہو جاتا تھا، پھر ۱۳۸۴ھ سے یہ تین سو روپے لینا بھی ترک فرمادیا۔

اس عرصہ میں جتنی رقم دارالعلوم سے بطور مشاہرہ وصول کی تھی حضرت مفتی صاحب کی خواہش تھی کہ اس کو بتدریج واپس فرمادیں، چنانچہ متفرق اوقات میں مختلف عنوانات سے تقریباً ساڑھے بیالیس ہزار روپے دارالعلوم میں داخل فرمائے۔ (مآثر مفتی اعظم پاکستان ص ۶۱)

علم کی نہ بجھنے والی پیاس

ایک روز صحیح بخاری کے درس میں کسی مسئلے پر بحث کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ نے فتح القدیر کی ایک لمبی عبارت اس طرح زبانی پڑھی جیسے کتاب دیکھ کر پڑھ رہے ہوں۔ جب عبارت ختم ہوئی تو طلباء حضرتؒ کو تک رہے تھے۔ طلباء کو متحیر دیکھا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

جاہلین کیا یہ سمجھتے ہو کہ اس عبارت کا رات مطالعہ کر کے آیا ہوں؟ واقعہ یہ ہے کہ آج سے کئی سال پہلے (غالباً) ٹونک کے کتب خانے میں فتح القدیر کا باستیعاب مطالعہ کیا تھا۔ یہ عبارت اس وقت کی یاد ہے۔

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ بیمار تھے اور علالت طول پکڑ گئی تھی۔ ایک صبح فجر کے وقت یہ افواہ مشہور ہوگئی کہ حضرت صاحبؒ کا وصال ہو گیا۔ خدام پر بجلی سی گر گئی اور نماز فجر کے فوراً بعد ہم سب حضرت صاحبؒ کے مکان کی طرف لپکے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی

ساتھ تھے۔ گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ بحمد اللہ خبر غلط تھی۔ البتہ تکلیف کی شدت برقرار ہے۔ ہم سب لوگ کمرے میں حضرت صاحب کی عیادت کو پہنچے تو دیکھا کہ حضرت نماز کی چوکی پر بیٹھے ہیں۔ سامنے تکیے پر ایک کتاب رکھی ہے۔ اور اندھیرے کی وجہ سے حضرت جھک کر اس کا مطالعہ کررہے ہیں۔ خدام کو یہ منظر دیکھ کر حیرت کیساتھ تشویش بھی ہوئی کہ ایسی علالت میں مطالعے کیلئے اتنی تکلیف برداشت کرنا مرض میں مزید اضافہ کا موجب ہوگا۔ چنانچہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ؒ نے ہمت کر کے ناز کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اوّل تو وہ کونسی بحث رہ گئی ہے جو حضرت کے مطالعے میں نہ آچکی ہو۔ اور اگر بالفرض کوئی بحث ایسی ہو تو اس کی فوری ضرورت کیا پیش آ گئی ہے کہ اسے چندروز مؤخر نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر بالفرض فوری ضرورت کا مسئلہ ہے تو ہم خدام کہاں مر گئے ہیں؟ آپ کسی بھی شخص کو حکم کرتے وہ مسئلہ دیکھ کر عرض کر دیتا، لیکن اس اندھیرے میں ایسے وقت آپ جو محنت اٹھا رہے ہیں وہ، ہم خدام کیلئے نا قابل برداشت ہے۔''

والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کے جواب میں کچھ دیر تک تو حضرت شاہ صاحبؒ انتہائی معصومیت اور بے چارگی کے انداز میں مولانا شبیر احمدؒ کی طرف دیکھتے رہے پھر فرمایا۔

بھائی ٹھیک کہتے ہو، لیکن وہ کتاب بھی تو ایک روگ ہے اس روگ کا کیا کروں؟

(اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۴۳)

تلاوت ہو تو ایسی......

ایک مرتبہ حضرت شاہ جیؒ علی گڑھ کے کسی جلسے میں تقریر کرنے تشریف لے گئے، کالج کے طلبہ نے تقریر سننے سے انکار کر دیا، ایسا ہنگامہ بپا کیا کہ تقریر کرنا محال ہو گیا شاہ جی نے دیکھا کہ بچے برافروختہ ہیں کوئی اور نصیحت کارگر نہیں ہوتی تو فرمایا۔

''اچھا بیٹا قرآن مجید کا ایک رکوع پڑھ دیتا ہوں اور جلسہ تمہارے احترام میں ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔''

طلبہ خاموش بیٹھ گئے، شاہ جی نے نہایت دلسوزی سے مسحور کن آواز میں قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا۔ چشم و گوش اور در و دیوار جھوم گئے۔ تلاوت ختم ہوئی تو فرمایا: ''بیٹا کیا خیال ہے اس کا ترجمہ بھی کروں۔'' آواز آئی ضرور ترجمہ بھی کر دیجئے۔ اب ترجمہ شروع ہوا۔ پھر

ترجمہ کی تفسیر وتشریح کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ صبح ہوگئی، شاہ جی نے تقریر ختم کی طلبہ نے شور مچایا: شاہ جی خدا کیلئے کچھ اور بیان کیجئے۔ شاہ جی نے فرمایا: "بیٹا پھر کبھی آؤنگا تو تقریر سناؤں گا۔" ("چٹان" سالنامہ ص ۲۷)

ہماری سفارش تو ایسی ہے

ایک مرتبہ ایک عقیدت مند حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ کہیں ملازمت کا امیدوار تھا اس نے اپنی آمد کا مقصد عرض کیا اور ایک آفیسر کے نام سفارشی مکتوب کی خواہش ظاہر کی حضرت شاہ صاحبؒ نے جواباً ارشاد فرمایا: "بھائی! میں تو نوکریاں چھڑانے والا پیر ہوں اگر ملازمت کیلئے کسی سفارش کی ضرورت ہو تو کسی سجادہ نشین یا کسی بڑے یا کسی مخدوم لیڈر کے پاس جاؤ۔ ہماری آشنا نوازی کا یہ عالم ہے کہ اگر آپ کہیں ملازم ہوں اور آپ کے اعلیٰ آفسر کو معلوم ہو جائے کہ یہ عطاء اللہ شاہ کا ملنے والا ہے تو فوراً آپ پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے گی اور آپ ملازمت سے سبکدوش ہو کر گھر میں آرام سے بیٹھے ہوں گے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میرا بھانجا فوج میں بھرتی ہو گیا میں اس کی والدہ سے ملنے گیا جو میری پھوپھی زاد بہن تھی وہ اپنے بیٹے کے غم میں رو رہی تھی میں نے اس سے کہا دیکھ بہن اگر تیرا بیٹا ہفتے کے اندر واپس آجائے تو میرا کیا انعام؟ کچھ انعام طے پا گیا میں نے اسی روز اس کو ایک خط لکھا (وہ اس وقت بنگال کی کسی چھاؤنی میں تھا) شاہ جیؒ نے تحریر فرمایا: عزیزم آپ ایک بڑی مناسب جگہ پہنچ گئے ہیں اپنے کام کی رفتار سے مطلع کرتے رہنا وغیرہ وغیرہ نیچے شاہ جی نے دستخط کیے "سید عطاء اللہ شاہ بخاری" خط سنسر ہو کر اس یونٹ کے انگریز کرنل کو ملا اس نے فوراً میرے بھانجے کو بلایا اور پوچھا کون ہے عطاء اللہ شاہ بخاری اس نے بتایا تو کرنل نے اسے واپس جانے نہیں دیا بلکہ اس کا سامان وغیرہ منگوا کر فوراً ہی چھاؤنی سے باہر نکل جانے کا حکم دے دیا اس کے بعد سفارشی مکتوب لینے والے سے فرمایا بھائی ہمارا نام تو اس کام کیلئے ہے کہ اگر کہیں ملازم ہو جاؤ تو پھر میری خدمت حاضر ہے۔

اے ہم نفساں! آتشم از من بگریزید دست
ہر کس کہ شود ہمراہِ ما دشمن خویش

(شاہ جیؒ کے علمی وتقریری جواہر پارے ص ۲۰۹)

مبارک ہو

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اپنا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ تقریباً ۱۳۵۵ھ کا واقعہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے چند اکابر جن میں سیدی واستاذی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ کا ہونا یقین سے یاد ہے، اور بعض دوسرے حضرات بھی تھے ان کا نام یاد نہیں، احقر بطور خادم ساتھ تھا۔ بعض مہمات امور میں مشورہ کے لئے تھانہ بھون حاضر ہوئے۔

حضرت قدس سرہ نے صبح کو اشراق کے بعد کا وقت مقرر کیا۔ اور حاضرین خانقاء علماء کو بھی شریک مشورہ فرمایا جن کے اسماء یاد نہیں۔

مقررہ وقت پر حضرت قدس سرہ حوض کے کنارے پر اپنے مصلے پر تشریف فرما تھے۔ دوسرے حضرات کیلئے سامنے ایک چٹائی ڈال دی تھی مجھے وضو وغیرہ میں کچھ دیر لگی۔ جب سب حضرات کے جمع ہونے کے بعد میں پہنچا تو سامنے کی چٹائی جس پر سب حضرات علماء تھے اس پر جگہ نہ تھی مجھے دیکھ کر حضرتؒ نے اپنے پاس مصلے پر بلایا۔ میں نے بوجہ ادب کے معذرت چاہی کہ یہیں چٹائی کے قریب بیٹھ جاؤں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ نہیں! تم یہیں آ جاؤ اور گھبراؤ نہیں، ایک قصہ سناؤں گا۔ احقر نے تعمیل حکم کی۔ پھر حضرتؒ نے عالمگیرؒ اور داراشکوہ کا قصہ سنایا جس میں ایک بزرگ نے دونوں شہزادوں کو اپنے پاس تخت پر بلایا داراشکوہ نے عذر کیا، مگر عالمگیر نے تعمیل کی۔ اور تخت پر بیٹھ گئے تو ان بزرگ نے فرمایا کہ ہمارے بادشاہ تو داراشکوہ کو چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ عالمگیر ہی کو تخت دینا چاہتے ہیں۔ پھر ایسا ہی واقعہ ہوا۔

یہ واقعہ سن کر سب حضرات خصوصاً حضرت میاں صاحب مولانا سید اصغر صاحبؒ نے مجھے فرمایا کہ فال نیک مبارک ہو۔ (اکابر دیوبند کیا تھے، ص ۳۹)

اپنے صافے سے صفائی کر دی

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت اقدسؒ (شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری) کے حجرے کو صاف کرنے کیلئے مولانا محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب کوئی چیز نہ ملی تو اپنا صافہ اتار کر اس سے جھاڑو کا کام لیا پھر کوڑا اکٹھا کر کے اسی صافہ میں ڈال کر باہر پھینک آئے جب

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم ہوا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ "کسی بزرگ کے ایک شاگرد نے ایسی ہی ضرورت کے موقعہ پر اپنی پگڑی جلا کر چائے پکائی تھی تو وہ بزرگ بہت خوش ہوئے اور اس شاگرد کو روحانی نعمتوں سے وافر حصہ ملا۔ (حضرت لاہوری اور ان کے خلفاء، ص ۳۹۷)

ننھا خادم

بستی نظام الدین اولیاء میں مہمانوں کی کثرت رہتی تھی، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ہمیشہ مہمانوں ہی کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے، مولانا محمد یوسف کی عمر ۱۲۔۱۳ سال کی ہوگی۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے مہمانوں کو ناشتہ کرانے، کھانا کھلانے اور اس قسم کی دوسری خدمتیں اس کم عمری میں مولانا محمد یوسف کے سپرد کر دی تھیں۔ مولانا روزانہ اندر سے کھانا لاتے اور فارغ ہونے کے بعد برتن لے جاتے۔ مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدین میں پڑھنے والے طلباء کے وظائف اور کھانے پینے کا کوئی خاص انتظام نہ تھا طلبہ کی ٹولیاں باری باری سارے طلباء کا کھانا پکاتیں اور اسی سلسلہ کے سارے چھوٹے بڑے کام خود ہی کرتیں۔ مولانا محمد یوسفؒ ان کاموں میں بھی شریک رہتے، ان کے ساتھ آٹا گوندھتے، مصالحہ پیستے اور جنگل سے جلانے کیلئے جھاڑ جھنکار گھسیٹ کر لاتے۔ ایک بار آگ جلانے کی باری مولانا کی تھی جنگل سے کریل تازی لا کر آگ جلانے لگے۔ کیونکہ کریل تازی اور گیلی تھی اس لئے وہ جل نہ سکی اور دھواں ہی دھواں ہونے لگا مولانا برابر پھونکتے رہے اور بڑی مشقت اٹھائی پھونکتے پھونکتے تھک گئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دُور سے دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر انتظار کیا پھر تشریف لے گئے اور کاغذ کا ایک ٹکڑا لکڑیوں میں رکھ کر دیا سلائی سے آگ دی جس سے وہ لکڑیاں جلنے لگیں پھر فرمایا ہر کام سیکھنے سے آتا ہے۔ (بڑوں کا بچپن، ص ۱۱۹)

شیخ سے تعلق

حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی وفات کے بعد حضرت والد (مفتی محمد شفیع عثمانی) صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور آپ کو حضرت حکیم الامتؒ سے

جس قدر محبت وعقیدت تھی اور جتنا استفادہ آپ نے حضرتؒ سے کیا اس کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ حضرت تھانویؒ کا اسم گرامی آتے ہی حضرت والد صاحبؒ پر جو عجیب والہیت طاری ہو جاتی تھی وہ اپنی مثال آپ ہی تھی۔

احقر (مفتی محمد تقی عثمانی) کے استاذ حضرت مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ تشریف لائے تو احقر سے فرمایا کہ "آج میں خاص طور پر تمہیں ایک بات بتانے آیا ہوں تاکہ تم کبھی حضرت مفتی صاحبؒ کی سوانح مرتب کرو تو اس کا جز بنا سکو، اور وہ بات یہ ہے کہ مجھے بحمداللہ حضرت تھانویؒ کی مجلس میں بکثرت حاضر ہونے کا شرف ملا۔ وہاں حضرتؒ کے بہت سے خلفاء کو بھی دیکھا لیکن اپنے شیخ کے ساتھ والہیت کا جو تعلق میں نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ میں دیکھا، وہ حضرت مجذوب صاحبؒ کے سوا کسی اور میں نظر نہیں آیا۔ احقر مولاناؒ کی اس بات پر چونکا اور عرض کیا کہ اب تک تو احقر کے ذہن میں یہ تاثر تھا کہ والہیت کا یہ انداز حضرتؒ کے خلفاء میں حضرت مجذوبؒ کے علاوہ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ میں سب سے زیادہ تھا۔ اس پر مولانا اکبر علی صاحبؒ نے فرمایا کہ "میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ اپنے مشاہدے کی بنا پر پورے وثوق کے ساتھ عرض کر رہا ہوں، اور اگر مبالغہ آمیزی مقصود ہوتی تو میں حضرت مجذوب صاحبؒ کا استثناء نہ کرتا۔

اس کے بعد مولاناؒ نے نقل اتار کر بتایا کہ حضرت مفتی صاحبؒ حضرت تھانویؒ کی مجلس میں کس طرح بیٹھتے تھے، اور فرمایا کہ حضرت کے بیان کے دوران حضرت مفتی صاحب مسلسل حضرتؒ کو تکتے رہتے تھے اور ان کی ادا ادا سے مشاہدہ ہوتا تھا کہ وہ اس وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر ہیں۔ اور جب حضرتؒ کوئی خاص بات ارشاد فرماتے تو بعض اوقات بے خودی کے عالم میں اپنی جگہ سے اچھل اٹھتے تھے۔ (اکابر دیو بند کیا تھے، ص ۲۹)

والہانہ دُعا

ضلع گوجرانوالہ کے گکھڑ نامی قصبہ کے مشرقی جانب چار میل کے فاصلے پر قصبہ جلال میں نو مسلم شیخ حبیب اللہ رہتے تھے جو نہایت متقی اور دیندار تھے سلسلہ عالیہ چشتیہ سے منسلک تھے۔ ان کی بیوی پیدائشی مسلمان اور ذاکر شاغل متقی پرہیزگار تھیں۔ یاد الٰہی اور عبادت گزاری میں دونوں میاں بیوی اکثر مشغول رہتے۔ ایک روز شیخ حبیب اللہ تلاوت کلام پاک فرما رہے

تھے جب تیسرے پارے کے بارہویں رکوع کی اس آیت جس میں حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ اپنے پیٹ کی اولاد کو اللہ کی راہ میں نذر کرتی ہیں پر پہنچے تو اس دعا سے بہت متاثر ہوئے اور ایک عجیب سی کیفیت سے سرشار ہو کر بیوی سے ذکر کیا اور دونوں میاں بیوی نے ایک وجدانی رقت قلب کے ساتھ دربار الٰہی میں ہاتھ پھیلا دیئے اور یہ دعا کی ''اے پروردگار! اے عمران کی بیوی کی پکار سننے والے آقا۔ اے موسیٰ کو فرعون سے نجات بخشنے والے مولیٰ، اے رب محمد وکعبہ! ہم بھی اپنے بچے کو تیرے لئے وقف کرتے ہیں تو اسے قبول فرما۔

چنانچہ اجابت الٰہی نے اس پرخلوص دعا کا استقبال کیا ۱۸۸۶ء مطابق ۱۳۰۴ھ کے مقدس مہینے ماہ رمضان میں جہد مسلسل عمل پیہم کے خوگر مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوری کو پیدا فرما کر مسلسل دینی کام لے کر ۱۳۸۱ھ کے اسی مقدس مہینے ماہ رمضان میں مطابق ۲۲ رفروری ۱۹۶۲ء میں واپس بلا لیا۔ (حضرت لاہوریؒ کے حیرت انگیز واقعات ص۱۰۹)

ہمتِ مرداں

۱۹۳۲ء کا پورا سال مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے جیل میں گزارا اور ۱۹۳۳ء کو رہا ہوئے، اس رہائی کے بعد مولانا ہزاروی کو معلوم ہوا کہ قصبہ زیدہ ضلع مردان میں قادیانی خوانین کا اس قدر رعب ہے کہ ہر شخص مجبور ہے کہ وہ مرزا قادیانی کو لازماً ''حضرت مرزا صاحب'' کہے۔ مولانا ہزارویؒ کو پتہ چلا تو آپ جہانگیرہ کے علماء اور اپنے دیرینہ رفیق حضرت مولانا عبدالحنان صاحب فاضل دیوبند جریدی ہزاروی وغیرہ کو ساتھ لے کر زیدہ پہنچے۔ گاؤں کے ایک طرف مسلمان پٹھانوں کی شاخ کے چار پانچ گھر آباد تھے اور ان کی ایک چھوٹی مسجد بھی تھی۔ پہلے مولانا نے ان کی رگ ایمانی کو متحرک کیا اور آمادہ کیا کہ وہ اپنی مسجد میں جلسہ کرنے کی اجازت دیں۔ چنانچہ زیدہ کا فرعون صفت قادیانی خان بہادر عجب خان آفریدی مجسٹریٹ پستول لہراتا اور مسجد میں عین ممبر کے سامنے پستول ہاتھ میں تھام کر بیٹھ گیا۔ مولانا ہزارویؒ نے تقریر شروع کی اور اپنی تقریر کے شباب میں پہنچے تو اپنا سینہ ننگا کر کے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ مرزا قادیانی کافر اور مرتد ہے۔ جو اس کو مسلمان مانے وہ بھی کافر اور مرتد ہے۔ اس پر

عجب خان نے بولنا چاہا تو عوام میں شور مچ گیا۔ نتیجہ میں مرزائی بھاگ نکلے اس پر پر جوش نعرے لگے۔ اور اللہ کے فضل سے میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا، پھر وہاں اہل زیدہ نے متفقہ فیصلہ کیا کہ آئندہ مرزائیوں کو ہم مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیں گے۔ اتفاقاً ایسا ہوا کہ دو چار روز میں مرزائیوں کا ایک بچہ مر گیا۔ تمام مسلمان ڈٹ گئے کہ ہم قبرستان میں دفن نہ ہونے دیں گے۔ اس بچے کے مرزائی باپ نے اپنے کھیت میں قبر کھودنی چاہی تو اس کے دوسرے مسلمان بھائی مزاحم ہوئے کہ یہ کھیت تو مشترکہ ہے۔ پہلے تقسیم کی درخواست دے کر حسب ضابطہ تقسیم کرو پھر اپنے حصہ زمین میں دفن کرو۔ چنانچہ علاقہ کے مرزائی جمع ہوئے اور اپنے ذاتی کھیت میں خود ہی قبر کھودی اور اپنی میت کو خود ہی دفن کیا۔ پھر اس کے بعد اس پورے علاقے میں قادیانیت کے خلاف کھلم کھلا فضا صاف ہوئی۔

(سوانح حیات حضرت ہزارویؒ ص ۹۶)

رخصتی کی تیاریاں

حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ نے حرمین شریفین کا ۱۳۹۵ھ میں آخری سفر کیا زندگی کے آخری رمضان میں تمام بچوں کو اور ان کی اولاد کو خلاف عادت بہ اصرار اپنے پاس بلوایا سب سے ملاقاتیں کیں گویا اب دنیا سے رخصتی کی مکمل تیاریاں فرما رہے تھے رمضان کے آخر میں مولوی محمود اشرف سلمہٗ مولانا محمد زکی مرحوم کے بڑے صاحبزادے جو اس وقت اپنی والدہ اور بہن بھائیوں کے ساتھ کراچی نہ آسکے تھے انہیں فون پر کہا کہ تم عید کے فوراً بعد کراچی کے لئے روانہ ہو جاؤ چنانچہ وہ بلا تاخیر عید کے فوراً بعد کراچی پہنچ گئے اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں وقت گزارنے لگے اللہ تعالیٰ نے انہیں آخری دنوں میں آخری دم تک ان کی خدمت میں رہنے کی سعادت نصیب فرمائی۔

زندگی کی آخری عید میں اپنے سب بچوں کو حسب سابق بلوایا اس عید پر سب کو ۳۰ روپے عیدی کے تقسیم فرمائے۔ اس کے بعد آخری وصیت ارشاد فرمائی۔ جو نماز کے اہتمام اور شرعی پردے کی پابندی سے متعلق تھی۔

۱۰ ارشوال ۱۳۹۶ھ حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی کا آخری دن تھا۔ یہ دن یوں تو بظاہر حسب معمول طلوع ہوا لیکن یہ دن اپنی آغوش میں کتنی قیامتیں اور کتنے ہنگامے لے کر طلوع

ہو رہا تھا کہ معلوم تھا کہ آج کا آفتاب غروب ہوتے وقت اپنے ساتھ جہانِ علم و عمل کے اس آفتاب کو بھی ساتھ لے جائے گا۔

•۱۰ شوال کو حسبِ معمول نماز فجر ادا فرمائی اور ذکر میں مشغول ہو گئے۔ پھر حسبِ معمول ناشتہ سے فارغ ہوئے۔ اصلاح و استرشاد کی مجلس میں ایک صاحب کے سوال کے جواب میں کافی طویل تقریر فرمائی۔ اس کے بعد دوسرے چھوٹے چھوٹے کام بھی نمٹاتے رہے۔

تقریباً سوا ایک بجے زندگی کے آخری فتویٰ پر جواب لکھوا کر دستخط فرمائے جو مسجد میں گمشدہ اشیاء کے اعلان کے متعلق تھا۔

ظہر کی نماز سے قبل ملحقہ بیت الخلاء میں تشریف لے گئے۔ واپس آئے تو چہرے پر تکلیف اور تکان کے اثرات تھے۔ برادر زادہ مولوی محمود اشرف سلمہٗ کمرے میں موجود تھے حضرت مفتی صاحبؒ نڈھال سے ہو کر چارپائی کے کنارے ہی لیٹ گئے۔ سینے کے درد کی دوا استعمال فرمائی۔ عزیزم محمود اشرف سلمہٗ اپنی سی تدابیر کرتے رہے۔ جب تکلیف زیادہ ہوئی تو فرمایا مولوی محمد رفیع کو بلا لو چنانچہ مولوی محمود اشرف نے انہیں اطلاع کی۔ حضرت کے پرانے معالج ڈاکٹر سید اسلم صاحب ماہر امراض قلب کو فوراً فون کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کو بلوانے کیلئے گاڑی بھیج دی گئی۔ اس دوران عزیزم مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب سے فرمایا "احتیاطاً ایک مہینے کی نمازوں کا فدیہ دے دینا" ظہر کی نماز پڑھنے کے بارے مولانا تقی عثمانی سے عرض کیا ابھی چونکہ وقت باقی تھا اس لئے بعد میں پڑھ لینے کا مشورہ دیا گیا۔ کسی قریبی ڈاکٹر سے پتھیوڈین کا انجکشن لگوایا گیا۔ جس کا اثر عام طور پر ۴۸ گھنٹے رہتا ہے۔ آج یوں معلوم ہوتا تھا کہ انجکشن کی دوائی ان کی مضبوط قوت ارادی کے سامنے ہتھیار ڈال چکی تھی۔ وجہ شاید یہ تھی کہ عصر کی اذان ہو چکی تھی اور ابھی ظہر کی نماز پڑھنا بھی باقی تھا۔ ظہر کی تیمم کر کے بمشکل پڑھ لی۔ عصر کا وقت بھی چونکہ ہو چکا تھا اس لئے عصر کی نماز بھی ادا فرمائی اور پھر نڈھال ہو گئے۔ نماز عصر حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی کی آخری نماز تھی۔ تقریباً شام کے چھ بجنے والے تھے۔ بے ہوشی کا غلبہ ہو رہا تھا ڈاکٹر سید اسلم نے بلڈ پریشر چیک کیا تو گھبرا گئے، فرمایا حالت نازک ہے ہسپتال لے جانا پڑے گا۔ آخر کار ہسپتال لے جانے کی رائے ٹھہری۔ ایمبولینس کو فون کیا جا چکا تھا۔ ایمبولینس آنے کے بعد والد صاحب کو اسٹریچر پر لٹانے ہی والے تھے کہ دارالعلوم کی بجلی فیل ہو گئی۔ چاروں طرف دبیز اندھیرا چھا گیا تھا، لالٹین کی روشنی میں انہیں ایمبولینس

میں لٹا دیا گیا۔ احقر اس خیال سے گاڑی میں نہیں بیٹھا کہ موٹر سائیکل کی شاید ہسپتال میں ضرورت پڑے۔

موٹر سائیکل کی اگلی اور پچھلی بتیاں خراب تھیں، بظاہر کوئی سبب نہیں تھا۔ لیکن حقیقتاً معاملہ کچھ اور تھا۔ جب روشنی کا منبع دور ہونے لگے تو اندھیروں کی جرأت بڑھ ہی جاتی ہے۔ مہیب اندھیروں نے چاروں طرف سے جیسے سازش کر کے گھیر لیا ہو۔ آج اس ''انگریزی گدھے'' (موٹر سائیکل) کے ساتھ دعاؤں کا پہرہ نہ تھا۔ حضرت والد صاحبؒ کبھی کبھی ازراہِ مذاق اس موٹر سائیکل کو ''انگریزی گدھا'' فرمایا کرتے تھے۔

تقریباً آٹھ بجے والد صاحب کو ہسپتال لایا گیا۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جسم کو حرکت ہوئی اور بے چینی سی محسوس ہوئی احقر نے محسوس کیا کہ بائیں ہاتھ کی ڈرپ جو قطرہ قطرہ کر کے ایک نلکی کے ذریعے بدن میں پہنچ رہی تھی۔ اس سے قطرے گرنا بند ہو گئے۔ غالباً یہی وقت تھا جب اس دارفانی سے روح کے رشتے ایک ایک کر کے ٹوٹ رہے تھے اور روح دارخلد سے اپنا رشتہ قائم کر رہی تھی۔ اسی دوران کسی لمحے ڈاکٹر سید اسلم صاحب نے پوچھا مفتی صاحب! کیا حال ہے؟ انہوں نے آنکھ کھول کر دیکھا اور فرمایا ''اب کچھ پتہ نہیں'' اور یہی حضرت والد صاحبؒ کا آخری کلمہ تھا جو زبان مبارک سے عالم نزع ادا ہوا۔

تقریباً ۱۲ بج کر ۱۹ منٹ پر ڈاکٹر صاحب نے مولوی تقی سلمہٗ سے فرمایا ''جس کو بلانا چاہئے بلالیں مفتی صاحب کا آخری سانس ہے''۔ احقر نے باآواز بلند سورۂ یٰسین پڑھنا شروع کی لیکن اندر سے دل نے کہا کہ اب روح اور جسم کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔ یہ خیال آتے ہی آواز بھرا گئی اور سورۂ یٰسین کا پورا کرنا ممکن نہ رہا دل نے غلط نہیں کہا تھا۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روح ۸۳ سال کا طویل اور جہد و عمل کی مشقتوں سے پر سفر ختم کر کے منزل اصلی کی جانب جا چکی تھی۔ جہاں اسے یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ ٥ کا ابدی سرور و کیف سے لبریز نغمہ سنایا جا رہا ہوگا (انشاء اللہ) رات کو تقریباً ایک بجے ہسپتال سے انہیں دارالعلوم کورنگی واپس لایا گیا۔ احقر نے چہرہ مبارک کو کھولا تو اب اس پر نقاہت کے آثار تھے نہ کرب واذیت کا کوئی نشان۔

اب نہ کلفت ہے، نہ شکوے ہیں نہ گویائی ہے
آج بیمار محبت نے شفاء پائی ہے (مآثر مفتی اعظم پاکستان ص ۸۲)

تم سالک ہو، میں مجذوب ہوں

استاذی حضرت مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت والد (مفتی محمد شفیع عثمانی ؒ) صاحب نے بارہا یہ واقعہ سنایا کہ (غالباً فتنہ قادیانیت کے سلسلے میں) حضرت (مولانا محمد انور کشمیریؒ) شاہ صاحب لاہور تشریف لائے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ بھی ہمراہ تھے اور میں بھی ساتھ تھا۔ اس زمانے میں مہر اور سالک (مرحوم) پنجاب کے مشہور صحافی اور اہل قلم مانے جاتے تھے۔ ان حضرات نے حضرت شاہ صاحبؒ اور علامہ عثمانی ؒ کی تشریف آوری پر اخبارات میں یہ سرخی لگائی کہ ''لاہور میں علم وعرفان کی بارش'' اور پھر ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔

اثناء گفتگو میں سود کا مسئلہ چل نکلا۔ مولانا سالک مرحوم نے حضرت علامہ عثمانی ؒ سے یہ سوال کیا کہ موجودہ بنک انٹرسٹ کو سود قرار دینے کی کیا وجہ ہے۔ علامہ عثمانی ؒ نے ان کو جواب دیا مگر انہوں نے پھر کوئی سوال کرلیا، اس طرح سوال جواب کا یہ سلسلہ کچھ دراز ہو گیا۔ علامہ عثمانی ؒ قدس سرہ ہر بار مفصل جواب دیتے مگر وہ پھر کوئی اعتراض کر دیتے۔ وہ اپنی گفتگو میں ان لوگوں کی وکالت کر رہے تھے، جو یہ کہتے ہیں کہ اگر بنکوں کے سود کو علماء جائز قرار دیدیں تو مسلمانوں کے حق میں شاید مفید ہو۔ حضرت شاہ صاحب مجلس میں تشریف فرما تھے۔ حضرتؒ کی عادت چونکہ یہ تھی کہ شدید ضرورت کے بغیر نہیں بولتے تھے۔ نہ اپنا علم جتانے کا معمول تھا۔ اس لئے علامہ عثمانی ؒ کی گفتگو کو کافی سمجھ کر خاموش بیٹھے تھے۔ لیکن جب یہ بحث لمبی ہونے لگی تو حضرتؒ نے مداخلت کی اور بے تکلفی سے فرمایا:

''دیکھو بھائی سالک! تم ہو سالک، میں ہوں مجذوب، میری بات کا برانہ ماننا۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا جہنم بہت وسیع ہے، اگر کسی شخص کا وہاں جانے کا ارادہ ہو تو اس میں کوئی تنگی نہیں ہے۔ ہم اس کو روکنے والے کون ہیں؟ ہاں البتہ اگر کوئی شخص ہماری گردن پر پاؤں رکھ کر جہنم میں جانا چاہے گا تو ہم اس کی ٹانگ پکڑ لیں گے۔''

(اکابر دیوبند کیا تھے، ص ۴۹)

خدمتِ خلق، اُن کا شیوہ تھا

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی ؒ دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن ؒ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں "کوئی کیسے سمجھے کہ یہ کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامات صوفی اور صاحب نسبت شیخ ہیں۔ جبکہ غایت تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار کا سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلے کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا بھی خود لاتے، بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھڑی دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کو پہنچاتے۔ (مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱/۴۳)

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت والد ماجد سے زبانی سنا کہ اسی سودا سلف لانے میں کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب حضرت مفتی صاحب کسی عورت کو سودا دینے کیلئے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی "مولوی صاحب! یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں، میں نے یہ چیز اتنی نہیں اتنی منگائی تھی۔" چنانچہ یہ فرشتہ صفت انسان دوبارہ بازار جاتا اور اس عورت کی شکایت دور کرتا۔ (اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۱۰۱)

جب تقریر شباب پر پہنچی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ جب کانپور میں مدرس تھے۔ انہوں نے مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر اپنے استاذ حضرت شیخ الہند ؒ کو بھی مدعو کیا۔ کانپور میں بعض اہل علم معقولات کی مہارت میں معروف تھے اور کچھ بدعات کی طرف بھی مائل تھے۔ ادھر علمائے دیوبند کی زیادہ توجہ چونکہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی۔ اس لئے یہ حضرات یوں سمجھتے تھے کہ علمائے دیوبند کو معقولات میں کوئی درک نہیں ہے۔ حضرت تھانوی ؒ اس وقت نوجوان تھے اور ان کے دل میں حضرت شیخ الہند ؒ کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرت کی تقریر ہوگی تو کانپور کے ان علماء کو پتہ چلے گا کہ علمائے دیوبند کا علمی مقام کیا ہے اور وہ منقولات اور معقولات دونوں میں کیسی کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہند ؒ کی تقریر شروع ہوئی۔ حسن اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی معقولی مسئلہ زیر بحث آ گیا۔ اس وقت تک وہ علماء جن کو حضرت تھانوی ؒ شیخ الہند ؒ کی تقریر سنانا

چاہتے تھے، جلسہ میں نہیں آئے تھے۔ جب حضرتؒ کی تقریر شباب پر پہنچی اور اس معقولی مسئلہ کا انتہائی فاضلانہ بیان ہونے لگا تو وہ علماء تشریف لے آئے جن کا حضرت تھانویؒ کو انتظار تھا۔ حضرت تھانویؒ اس موقع پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو شیخ الہندؒ کے علمی مقام کا اندازہ ہوگا۔ لیکن ہوا یہ کہ جوں ہی حضرت شیخ الہندؒ نے ان علماء کو دیکھا۔ تقریر کو مختصر کر کے فوراً ختم کر دیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ موجود تھے، انہوں نے یہ دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ: ''حضرت! اب تو تقریر کا اصل وقت آیا تھا، آپ بیٹھ کیوں گئے؟'' شیخ الہندؒ نے جواب دیا: ''ہاں دراصل یہی خیال مجھے بھی آ گیا تھا۔'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ مشہور ہے کہ کسی یہودی نے ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی گستاخی کر دی تھی تو وہ اس پر چڑھ دوڑے اور اسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ یہودی نے جب اپنے آپ کو بے بس پایا تو کھسیانا ہو کر اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روئے مبارک پر تھوک دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو چھوڑ کر فوراً الگ ہو گئے اور پوچھنے پر بتایا کہ میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بنا پر اس یہودی سے الجھا تھا۔ اگر تھوکنے کے بعد کوئی کارروائی کرتا تو یہ اپنے نفس کی مدافعت ہوتی۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے اس عمل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ سنت تازہ فرما دی۔ مطلب یہی تھا کہ اب تک تو تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ کیلئے ہو رہی تھی لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کیلئے ہوتی۔ اس لئے اسے روک دیا۔ (اکابر دیوبند کیا تھے)

کھانے میں حیرت انگیز برکت

حاجی احمد حسن صاحبؒ (مکھیا) دیوبند بیان فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ دیوبند میں (سیاسی) کانفرنس تھی اس موقع پر میں نے پچاس مہمانوں کو مدعو کیا ان میں سے پچیس (۲۵) مہمان کانفرنس کے تھے اور پچیس حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مہمان تھے مختصر یہ کہ میں نے پچاس افراد کیلئے کھانے کا انتظام کیا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو مولانا عثمان صاحبؒ نے مولانا سلطان الحق صاحبؒ سے کہا کہ جاؤ، حضرتؒ کو بلا کر لے آؤ مولانا سلطان الحق صاحبؒ حضرتؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے

لیکن وہاں سے واپس آ کر مولانا عثمان صاحبؒ سے سرگوشی کے انداز میں کوئی بات کہی اور مولانا عثمان صاحب نے مجھ سے کہا کہ مولانا تمہارے ہی بلائے سے آئیں گے تم خود چلے جاؤ یہ سن کر میں حضرتؒ کے مکان پر پہنچ گیا آپؒ تیار ہو کر پہلے ہی باہر آ چکے تھے آپ نے بآواز بلند فرمایا کہ سب مہمان چلے آئیں، جن کی تعداد تین اور چار سو کے درمیان تھی مہمانوں کو دیکھ کر میں گھبرا گیا بھائی اسعد صاحب نے مجھے پریشان دیکھ کر سبب معلوم کیا تو میں نے صاف بات ظاہر کر دی کہ میں نے صرف پچاس ساٹھ مہمانوں کیلئے کھانے کا انتظام کیا ہے اور مہمانوں کی تعداد آپ ہی دیکھ رہے ہیں وقت اس قدر تنگ ہے کہ مزید انتظام کی کوئی صورت ہی نظر نہ آئی۔ بھائی اسعد صاحب نے مشورہ دیا کہ یہ صورتحال تم خود جا کر حضرتؒ سے بیان کر دو۔ میں نے جا کر حضرتؒ سے عرض کر دیا کہ اس وقت کھانا کم تیار ہے اور مہمان بہت زیادہ ہیں اب کیا کرنا چاہئے؟ یہ سن کر حضرتؒ کھانے کے پاس تشریف لائے روٹی کا ٹوکرا پلاؤ کی دیگ کے پاس ہی رکھوایا اور دیر تک کچھ پڑھنے کے بعد کھانے پر دم کر دیا اور فرمایا کہ کھانا کھلانا شروع کرو کھانا نکالنے کے بعد دیگ کو بند کر دیا کرنا اور ہاں میرے لئے ایک چارپائی منگا دو میں (یہیں) لیٹ جاؤنگا چنانچہ فوراً چارپائی بچھا دی گئی اور آپؒ اس پر لیٹ گئے مہمانوں نے کھانا شروع کر دیا جب تین محفلیں کھانا کھا کر فارغ ہو گئیں تو چوتھی اور آخری محفل میں حضرتؒ بھی شریک ہوئے۔ جب آخری محفل بھی اٹھ گئی تو ہم منتظمین نے اطمینان کا سانس لیا ور خدا کا شکر ادا کیا کہ پچاس ساٹھ آدمیوں کے کھانے میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر برکت عطا فرمائی کہ تقریباً چار سو آدمی شکم سیر ہو گئے۔ بہر حال مہمانوں کے جانے کے بعد ہم چند آدمی رہ گئے اور خیال تھا کہ چاولوں کا تو نام و نشان بھی نہ ہوگا البتہ روٹیاں کافی بچ گئی ہیں اس پر اکتفا کر لیں گے مگر جب میں دیگ کے قریب گیا اور اس کے اندرونی حصے کا جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس میں چاول اس قدر موجود تھے جسے ہم سب مل کر کھا سکیں۔

پھول بھی پژمردہ ہو گئے

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے داماد مولانا رشید الدین صاحبؒ راوی ہیں کہ دار العلوم کے ایک طالب علم نے حضرتؒ کی خدمت میں چمپا کے پھول پیش کئے، بوتل میں پانی بھر کر

پھول اس میں ڈال دیئے گئے اس طرح چمپا کے پھول چار ماہ بھی پژمردہ نہیں ہوتے اور خوشنما بھی معلوم ہوتے ہیں، حضرتؒ نے اس ہدیہ کو مسرت کے ساتھ قبول فرمایا اور حکم دیا کہ یہ بوتل ان کے کمرے میں میز پر رکھ دی جائے یہ پھول بجائے چار ماہ کے پورے تین سال تین مہینے تروتازہ رہے لیکن ۵/دسمبر ۱۹۵۷ء کے حادثہ جانکاہ یعنی وفات شیخ کی وہ بھی تاب نہ لا سکے اور ان کی تازگی دفعۃً پژمردگی سے تبدیل ہوگئی۔ سارے پھول اس طرح سیاہ ہوگئے کہ پانی میں بھی سیاہی کا اثر آگیا۔ (شیخ الاسلام نمبر)

عجیب انوارات

مکہ میں مولانا محب الدین صاحب تھے جو حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ اپنے خلوت خانہ میں رہتے تھے، بڑے صاحب کشف تھے۔ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا تھا کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے مدینہ طیبہ کی مٹی قبول کرلے۔ میرا انتقال یہاں ہو۔

ایک مرتبہ انہوں نے مولانا خلیل احمد صاحب کو خط لکھا کہ آپ جلدی آجائیں۔ مولانا نے سمجھا کہ شاید ان کو کشف ہوا ہو۔ میرے انتقال کا وقت قریب ہو۔ جلدی سے پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ ہی مکہ مکرمہ میں ملاقات کی تو آپ نے فرمایا کہ کوئی کام ہے جو رکا ہوا ہے وہ آپ سے لینا ہے جب تک وہ کام پورا نہیں ہوجائے گا آپ کا وقت نہیں آئے گا۔ آپ جایئے واپس ہندوستان، واپس آئے بذل المجہود (حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد کی عربی شرح ہے) کی تصنیف شروع کی۔ کئی سال اس میں لگے۔

مولانا احتشام صاحبؒ بیان کرتے تھے کہ صبح کی نماز پڑھ کر میری ملاقات مولانا محب الدین سے ہوئی۔ انہوں نے پوچھا، کیا مولانا خلیل احمد صاحب آگئے ہیں، میں نے کہا جی ہاں آگئے ہیں۔ کہا ہاں آج بیت اللہ میں انوار عجیب عجیب ہیں۔ مولانا خلیل احمد سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ مولانا جب آپ آتے ہیں تو مجھے پہلے سے خبر ہوجایا کرتی تھی (یعنی آپ مجھے مطلع کردیا کرتے تھے) کیا بات ہے کہ اس مرتبہ خبر نہیں ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا (مولانا خلیل احمدؒ نے) میرا اچانک آنا ہوا پہلے سے انتظام نہیں تھا۔

حرم شریف میں بھی ان کا خلوت خانہ تھا ''دلائل الخیرات'' پڑھ رہے تھے کہ اچانک

مولانا ظفر احمد صاحب سے کہا (جو کہ پہلے سے وہاں بیٹھے ہوئے تھے) مولوی ظفر احمد کون آیا ہے حرم شریف میں کہ سارا حرم نور سے بھر گیا۔ اس کے بعد مولانا خلیل احمدؒ پہنچے۔ تو ان سے ملاقات ہوئی فرمایا (مولانا محب الدین نے) ہاں میں بھی سوچوں کہ کون آیا ہے سارا حرم نور سے بھر گیا ہے۔

مولانا خلیل احمدؒ تو ملاقات کر کے صفا و مروہ کی سعی کرنے کیلئے چلے گئے تو مولوی محب الدین نے فرمایا، مولوی ظفر جانتے ہو ان کو یہ کون ہیں؟ مولانا ظفر احمدؒ نے فرمایا، ہاں کیوں نہیں جانتا۔ میرے استاذ ہیں شیخ ہیں۔ فرمایا (مولوی محب الدین نے) تم نہیں جانتے۔ یہ ایسے شخص ہیں کہ جب یہ حرم شریف میں بیت اللہ کی طرف نظر جما کر بیٹھتے ہیں تو ان پر اتنے انوارات برستے ہیں کہ میں آفتاب کو دیکھ سکتا ہوں مگر ان کے چہرے کو نہیں دیکھ سکتا۔

اجازت دے دو

ایک شخص حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، شاگرد اور محب بھی، بہت محبت کرنے والے عاشق، پتلے دبلے، چھوٹا سا قد، ڈاڑھی سفید، بال سفید ان کا نام مولانا احمد شاہ تھا۔ حسن پور مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ مولانا احتشام صاحب سے انہوں نے فرمایا۔ بھائی! میں فلاں جگہ جا رہا ہوں وہ لوگ ایک مکان تعمیر کرنا چاہتے ہیں ان لوگوں نے اس کی بنیاد رکھنے کیلئے مجھے بلایا ہے تم میرے ساتھ چلو تمہارے ہاتھ سے بنیاد رکھواؤں گا۔ مولانا نے کہا بہت اچھا مولانا احمد شاہ نے فرمایا سفر شروع کرنے سے پہلے میں یہ طے کر رہا ہوں کہ تم امیر سفر ہو۔ انہوں نے کہا اچھی بات ہے۔ چلتے چلتے وہاں پہنچ گئے۔ مگر وہاں مولانا کی طبیعت خراب ہوگئی۔ دست آنے شروع ہوگئے اور ہر وقت باوضو رہنے کے عادی تھے۔ کئی مرتبہ رات میں اٹھے، قضائے حاجت کی پھر وضو کیا۔ جن کو امیر سفر بنا کر لائے تھے انہوں نے کہا حضرت آپ نے مجھے امیر سفر بنایا آپ کا امیر سفر آپ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ آج آپ تہجد کیلئے نہیں اٹھیں گے۔ طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ سن کر بالکل چپ ہوگئے، نہ اقرار کیا نہ انکار۔ جب صبح صادق میں ایک گھنٹہ سوا گھنٹہ رہ گیا تو ان کے پیر کا انگوٹھا پکڑ کر ہلایا (امیر صاحب کا) انہوں نے دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہے ہیں آنکھوں سے آنسوؤں کا

سلسلہ جاری ہے۔ کہا حضرت کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا: دیکھو ۷۵ برس ہو گئے جب میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اس وقت سے آج تک میرا تہجد کا کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ تم امیر سفر ہو تم نے منع کر دیا۔ میں تم کو حضرت گنگوہی کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھ کو اجازت دے دو۔ کہا اجازت ہے۔ جس طرح آپ چاہیں کر لیجئے۔

(اکابر دیو بند اور عشق رسولؐ، ص ۵۴)

نماز سے تھکاوٹ دور

حضرت مولانا علی میاں مدظلہ نے بیان کیا کہ میں حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دہلی نظام الدین گیا وہاں سے ان کے ساتھ ہی میوات جانا ہوا، وہاں اجتماع تھا عصر کا وقت تھا شدید گرمی مکانات پتھر کے، مسجد بھی پتھر کی گرم ہی گرم اور ایک مجمع کا مجمع مصافحہ کیلئے موجود حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے مصافحہ کیا مغرب کا وقت آیا نماز پڑھی میں نماز پڑھ کر نکلا تا کہ کسی دوسری مسجد میں چلا جاؤں گرمی شدید ہے بڑا مجمع ہے ان کی سانس کی گرمی بھی مستقل۔ ڈھونڈتا بچتا بچاتا میں ایک دوسری مسجد میں پہنچ گیا گرمی تو وہاں بھی تھی لیکن بھیڑ (لوگوں کی کثرت) وہاں نہیں تھی مسجد کے صحن میں بیٹھ گیا۔

مسجد کے اندر سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز آئی کہ کوئی اس گرمی میں بھی تلاوت کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا تو وہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے وہ بھی اس اجتماع سے نکلے تھے جس اجتماع سے میں نکلا تھا اس اجتماع سے میں اس لئے نکلا تھا کہ کچھ سکون مل جائے وہ اس واسطے نکلے تھے کہ نماز پڑھنے اور تلاوت کرنے کی جگہ مل جائے۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری تھکاوٹ نماز سے رفع ہو جاتی ہے۔ میوات میں لمبے لمبے سفر کئے کہیں آرام کا موقع نہیں ملا اور جہاں جا کر ٹھہرنا تھا وہاں اخیر شب میں جا کر ٹھہرے باقی لوگ نماز پڑھ کر سو گئے مولانا نے چپکے سے اٹھ کر نماز کی نیت باندھ لی۔

نایاب مثال

دارالعلوم کی تاریخ میں یہ جملہ بہت معروف ہے کہ دارالعلوم کی ابتداء دو ایسے بزرگوں

سے ہوئی جن دونوں کا نام محمود تھا اور دونوں قصبہ دیو بند کے باشندے تھے، ان میں سے ایک جوشاگرد تھے وہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کے نام سے معروف ہوئے اور استاد حضرت ملاّ محمود صاحبؒ تھے راقم الحروف کے جد امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ملاّ محمود صاحبؒ نے فرمایا کہ سنن ابن ماجہ پر جو حاشیہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ محدث دہلوی کے نام سے چھپا ہوا ہے، اس کا بڑا حصہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے مجھ سے لکھوایا ہے ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ طلباء نے اس پر تعجب کا اظہار کیا وجہ یہ تھی کہ علم کے دعوے اور نام ونمود کی خواہشات سے اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ خصلت بزرگ کو ایسا پاک رکھا تھا کہ عام آدمی کو یہ پہچاننا بھی مشکل تھا کہ یہ کوئی بڑے عالم ہیں۔

اپنا گھریلو سودا سلف اور گوشت ترکاری خود بازار سے خرید کر لاتے اور گھر میں عام آدمیوں کی طرح زندگی گزارتے تھے مگر علوم کے استحضار اور حفظ کا عالم یہ تھا کہ راقم کے جد امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب کی ایک بڑی کتاب (جو غالباً منطق یا اصول فقہ کی کتاب تھی) اتفاقاً درس سے رہ گئی تھی انہیں یہ فکر تھی کہ دورہ حدیث شروع ہونے سے پہلے یہ کتاب پوری ہو جائے چنانچہ انہوں نے ملاّ محمود صاحبؒ سے درخواست کی ملاّ صاحبؒ نے فرمایا کہ اوقات مدرسہ کے علاوہ بھی میرے تمام اوقات اسباق سے بھرے ہوئے ہیں صرف ایک وقت ہے کہ جب میں گھر کا گوشت ترکاری لینے کیلئے بازار جاتا ہوں یہ وقت خالی گذرتا ہے تم ساتھ ہو جاؤ تو اس وقفے میں سبق پڑھا دوں گا احقر کے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ فرماتے تھے کہ کتاب بڑی اور مشکل تھی جس کو دوسرے علماء غور و مطالعہ کے بعد بھی مشکل سے پڑھا سکتے تھے مگر ملاّ محمود صاحبؒ نے کچھ راستہ میں کچھ قصاب کی دکان پر یہ تمام کتاب ہمیں اس طرح پڑھا دی کہ کوئی مشکل ہی نظر نہ آئی۔ (اکابر دیو بند کیا تھے، ص ۹۹)

علم کا سمندر

انہی حضرت شاہ صاحبؒ کا واقعہ حضرت مولانا محمد انوری صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ مقدمہ بہاولپور کے موقع پر جب حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانیوں کے کفر پر بے نظیر تقریر فرمائی اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ ''جو چیز دین میں تواتر سے ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے۔'' تو قادیانیوں کے گواہ نے اس پر اعتراض کیا: ''آپ کو چاہئے کہ امام رازیؒ پر کفر کا فتویٰ دیں

کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحرالعلومؒ نے لکھا ہے کہ امام رازیؒ نے تواتر معنوی کا انکار کیا۔'' اس وقت بڑے بڑے علماء کا مجمع تھا سب کو پریشانی ہوئی کہ فواتح الرحموت اس وقت پاس نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب کس طرح دیا جائے، مولانا محمد انوریؒ جو اس واقعے کے وقت موجود تھے فرماتے ہیں ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب نہ تھی مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا مرتضیٰ صاحبؒ حیران تھے کہ کیا جواب دیں؟ لیکن اسی حیرانی کے عالم میں حضرت شاہ صاحبؒ کی آواز گونجی: ''جج صاحب لکھنے میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے، امام رازیؒ دراصل یہ فرماتے ہیں کہ حدیث لاتجتمع امتی علی الضلالۃ تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی لہٰذا انہوں نے اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کا۔ ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے ان کو کہو کہ عبارت پڑھیں ورنہ میں ان سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں۔''

چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی، واقعی اس کا مفہوم وہی تھا جو حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان فرمایا۔ مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا اور حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ''جج صاحب یہ صاحب ہمیں مفحم (لاجواب) کرنا چاہتے ہیں میں چونکہ طالب علم ہوں میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں میں انشاء اللہ مفحم نہیں ہونے کا۔'' (اکابر دیوبند کیا تھے، ص ۹۱)

دارالعلوم دیوبند میں ملازمت کرلو......

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا: رمضان میں میرے پاس ایک صاحب کا خط آیا، لکھا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں تم دارالعلوم دیوبند میں ملازمت کرلو، اس کی تعبیر کیا ہے؟ میں نے ان کو جواب میں لکھا کہ دارالعلوم دیوبند کے جو ارباب حل وعقد ہوں آپ ان سے بیان کیجئے۔ اگر ان کو بھی کوئی بشارت اور خوشخبری ہوئی ہو تو معاملہ آسان ہے۔ آپ کی ملازمت ہو جائے گی۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلک دارالعلوم کو لازم پکڑلو۔ اب وہ مسلک دارالعلوم کیا ہے۔ وہ پانچ چیزیں ہیں۔

❶ عشق الٰہی کی سوزش سینے میں ہو (اور اللہ کے راستے میں جان دینے کیلئے ہر وقت

تیار رہے۔)

❷ تمام رسوم شرکیہ سے بچتے ہوئے توحید خالص پر اعتقاد ہو۔

❸ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مخلوق کی محبت پر غالب ہو۔

❹ زندگی کا ہر ہر گوشہ اتباع سنت سے منور ہو۔

❺ اشاعت دین کی لگن ہو۔

یہ پانچ چیزیں ہیں، ان پانچ چیزوں کو اپنے اوپر لازم کر لیجئے یہی دار العلوم کی ملازمت ہے۔ ان کے خط میں اتنا ہی لکھا تھا لیکن سب چیزوں کی تشریح بھی چاہئے۔ (اکابر دیوبند اور عشق رسولؐ، ص ۱۵۱)

عظیم لوگ

شاعر اسلام سید امین گیلانی ؒ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ دورانِ سفر ایک جگہ ناشتہ کر رہے تھے، ایک پٹھان مولوی صاحب مولانا غلام غوث ہزاروی سے پشتو میں گفتگو کرنے لگے۔ تو میں نے دیکھا کہ مولانا دورانِ گفتگو طیش میں آ گئے تو وہ مولوی صاحب خاموش ہو گئے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد مولانا نے مجھ سے پوچھا، امین! پشتو جانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا اتنے عرصہ سے ہمارے علاقے میں آنا جانا ہے۔ سیکھ لی ہوتی، پھر فرمایا، یہ مولوی صاحب مجھ سے کہہ رہے تھے امین ڈاڑھی منڈاتا ہے اور آپ اسے ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں، بس مجھے غصہ آ گیا، میں نے کہا مولوی صاحب! آپ کو یہ علم اور ڈاڑھی مبارک ہو۔ مگر یہ علم اور ڈاڑھی ہمارے کس کام کی جب حق کیلئے آپ جیسے حضرات ہمارے ساتھ نہ نکلیں۔ اور یہ ڈاڑھی منڈا ہمارے ساتھ ثابت قدمی سے چل رہا ہے۔ آپ میرے ساتھ کھڑے ہوں میں ابھی اسے گھر بھیج دیتا ہوں، پھر مولوی صاحب نہیں بولے اور اٹھ کر چلے گئے۔ پھر مسکرا کر کہا، امین ڈاڑھی رکھ لو تاکہ یہ لوگ ہمیں طعنہ نہ دیں۔ ہائے کیسے عظیم لوگ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ (سوانح حیات حضرت ہزارویؒ، ص ۴۲۲)

معاوضے سے انکار

مولانا محمد علی جالندھری نے بتایا کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت سے رہائی کے بعد میں

نے سوچا کہ مولانا غلام غوث نے کئی ماہ اس تحریک میں انتھک کام کیا ہے۔ پیہم اسفار میں خرچ ہوا ہوگا۔ گھر کے اخراجات نہ جانے کیسے پورے کیے ہوں گے۔ مجلس کی طرف سے کچھ مالی امداد ہونی چاہئے۔ لہٰذا میں نے شوریٰ سے کہہ کر کچھ رقم مولانا کیلئے مختص کروائی۔ جب وہ رقم مولانا کی خدمت میں پیش کی گئی تو مولانا کہنے لگے مولوی صاحب میں نے تو یہ کام اللہ کی رضا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کیلئے کیا ہے۔ اس میں معاوضہ کی کوئی بات ہی نہیں۔ بس اللہ نے کام لے لیا۔ جیسے تیسے بھی ہوا کام نکل گیا۔ اب اس رقم کی ضرورت نہیں ہے۔ مولانا محمد علی جالندھری فرمانے لگے کہ جب میں نے بہت اصرار کیا تو میرے پیہم اصرار پر بیس روپے رکھ لئے اور باقی رقم لوٹا کر فرمانے لگے کہ مولانا آپ کے بے حد اصرار پر یہ بیس روپے اس لئے رکھ لئے ہیں کہ اب اس سلسلے میں صرف بیس روپے کا مقروض ہوں۔ باقی آپ مجلس کے فنڈ میں جمع کرلیں۔ مولانا جالندھری کہنے لگے کہ میں نے چونکہ وہ رقم کھاتے، میں مولانا کے نام لکھوالی تھی۔ اس لئے مولانا ہزارویؒ کو میں نے چندہ کی ایک رسید کاٹ کر دے دی کہ اب یہ رقم آپ کی طرف سے بطور چندہ مجلس کے فنڈ میں جمع کرادوں گا۔ کتنے بے غرض لوگ تھے یہ۔'' (سوانح حیات حضرت ہزارویؒ ص ٤٢٧)

چائے کے مخالف مگر......

حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات وصفات پر آنکھیں بند کر کے یقین کرنا اور خداداد کمالات کے باوجود اپنے آپ کو ہیچ سمجھنا یہ بارگاہ الیاسیہ کی سب سے قیمتی اور نادر و نایاب دولت تھی اور یہ دولت بعد میں وراثت کے طور پر مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا محمد انعام الحسن میں پورے طور پر منتقل ہوگئی تھی، دونوں حضرات کی بچپن سے ہی ایمان و ایقان اور عبدیت و فنائیت کی بنیاد پر تربیت فرمائی اور پھر یہی قیمتی متاع اور دولت ان کا طرز حیات اور مقصد حیات بنی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی تربیت کا نہج سمجھنے کیلئے حضرت شیخؒ کے الفاظ میں ذیل کا یہ واقعہ بہت کافی ہے کہ:

''میرے چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) چائے کے مخالف تھے اور (مولانا) یوسف اور (مولانا) انعام اس کے عادی تھے دونوں پر خفا ہوتے فہمائش کرتے اور منع فرماتے رہتے تھے ایک دن گھر میں تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ دونوں نے چائے پینا

ترک کر دیا ہے یہ سن کر بہت خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا بعد میں چچا جان کو بتلایا گیا کہ جو چائے تین آنہ میں آتی تھی اب وہ چھ آنہ کی ہوگئی ہے اس لئے چائے چھوڑ دی گئی یہ سن کر بہت زور سے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھ کر فرمایا کہ مہنگائی کی وجہ سے چائے چھوڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو مالک تین آنہ دیتا تھا وہ چھ آنے بھی دیگا۔ (سوانح حضرت جی محمد انعام الحسن کاندھلوی ۱؍۲۲۶)

دس ہزار میں سے دس روپے

ایک موقعہ پر سید عطا اللہ شاہ بخاری صاحب بہاولپور میں تشریف فرما تھے۔ نواب صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو ڈیرہ نواب صاحب سے شاہ صاحب کی خدمت میں بھیجا اور ملاقات کی درخواست کی، سیکرٹری صاحب نواب صاحب کا پیغام لے کر شاہ جی کے پاس پہنچے۔ شاہ جی نے سن کر فرمایا کہ: ''فقیر بادشاہوں کے دربار میں نہیں جایا کرتے، پھر ہنسے اور کہا کہ اب تو میں ویسے بھی ان کی ریاست میں بحیثیت مہمان کے مقیم ہوں اب یہ معزز میزبان کا کام ہے کہ وہ مہمان کی عزت وتوقیر میں پیش قدمی فرمائیں'' چنانچہ سیکرٹری صاحب کار لے کر واپس چلے گئے۔ اگلے روز نواب صاحب بہاولپور بہ نفس نفیس شاہ صاحب سے ملنے آگئے اور آپ کی خدمت میں دس ہزار روپے بطور نذرانہ پیش کئے۔ شاہ جی نے اس خطیر رقم کو قبول کرنے سے معذوری کا اظہار فرمایا اور کہا ''فقیر کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صبح و شام کی دو روٹیاں مل جاتی ہیں اس سے زیادہ کی خواہش نہیں۔'' نواب صاحب مرحوم نے اصرار کیا تو ان دس ہزار روپیوں میں سے صرف دس روپے اٹھالئے۔

صبح کی اذان تک

حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ پر پنجاب کی سکندر حکومت نے انگریزوں کے خلاف باغیانہ تقریر کرنے کے جرم میں دفعہ ۱۲۴ الف تعزیرات ہند کے تحت مقدمہ کیا گیا تھا۔ لوگوں نے بھی حضرت امیر شریعت کی ضمانت کیلئے رات دن ایک کر دیا۔ حتیٰ کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ضمانت پر رہائی ہوئی۔ آپ غالباً گجرات میں جیل سے ضمانت پر رہا کر دیئے گئے۔ رہائی کے بعد متعدد شہروں کی مجالس احرار کے عاشقانِ بخاری نے امیر

شریعت کو اپنے شہر میں لے جانے کی شدید کوشش کی، ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ حضرت امیر شریعت اس کے شہر میں چلیں۔ کچھ بعید نہ تھا کہ احرار ورکر اور رضا کار آپس میں دست و گریباں ہوجاتے۔ خود امیر شریعت نے فرمایا: ”بھائی باہم دست و گریباں کیوں ہوتے ہو، شرعی مسئلہ ہے، قرعہ اندازی کرلو، جس جگہ کا نام نکلے گا۔ میں سر کے بل وہیں چلوں گا۔ حضرت امیر شریعت کے اس فیصلے پر کسی کو سر اٹھانے کی مجال نہ ہوئی اور جب قرعہ اندازی ہوئی تو دہلی والوں کی جیت ہوئی اور امیر شریعت دہلی روانہ ہوگئے اور دہلی میں رات کے دس بجے سے صبح کی اذان تک تقریر ہوتی رہی۔

شاہ جی نل چلانے لگے

ایک زمانہ میں شاہ جی کا قیام خان گڈھ میں تھا کہ اس بستی کو سیلاب نے آگھیرا ایک دن محمد اشرف درزی نے فرط محبت میں بیماری اور کمزوری کے باوجود پانی میں سائیکل چلاتے ہوئے شاہ جی کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی۔ شاہ جی نے جب ان کی حالت دیکھی تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نے بیماری اور کمزوری میں اتنی تکلیف کیوں کی؟ شاہ جی کی حالت اس وقت دیدنی تھی ان کیلئے روٹی شربت اور پانی کا اہتمام شروع کردیا۔ مگر جب آنے والے نے بتایا کہ اس کا روزہ ہے تو شاہ جی کی بے چینی میں اور اضافہ ہوگیا۔ اور آپ اندر سے ایک کپڑا لے آئے اور اشرف صاحب کو حکم دیا کہ اسے باندھ کر نل کے نیچے بیٹھ جاؤ اور خود دستی نل چلانے لگے۔ کچھ لوگوں نے اصرار کیا کہ ہم انہیں نہلا دیتے ہیں مگر شاہ جی اپنی بات پر مصر رہے اور فرمایا کہ مجھے مسرت اسی طرح حاصل ہوتی ہے اور گھنٹہ بھر نل چلاتے رہے۔

مرد قلندر کا کردار

ایک مرتبہ ایک معتقد نے شاہ جی کی خدمت میں چار ہزار روپے پیش کئے اور عرض کیا یہ مکان کی خاطر ہیں۔ آپ ان روپیوں میں کچھ اور رقم ملا کر کوئی چھوٹا موٹا مکان خرید فرمالیں۔ شاہ جی نے اس وقت بہت خوشی کا اظہار فرمایا، مگر ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ یہ روپیہ فی الحال اپنے پاس رکھئے میرے پاس رہا تو خرچ ہوجائے گا۔ بھائی مظہر میرے لئے مکان کا انتظام کررہے ہیں۔ جب انتظام ہوجائے گا اور ضرورت ہوگی تو روپیہ آپ سے منگوالیں گے۔ وہ

خوش خوش واپس ہو گئے۔ ان کا جب بھی ملتان آنا ہوتا تو مکان کے متعلق دریافت کرتے لیکن جب ایک طویل عرصہ تک مکان کا کوئی انتظام نہ ہو سکا تو انہوں نے تنگ آ کر مکان کا انتظام فرمانے والے صاحب سے کہا کہ یہ رقم آپ اپنے پاس رکھ لیں کیونکہ یہ منت کی روپیہ ہے اسے میں خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ میرے ہاں لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی تھیں اور لڑکا نہ ہوتا تھا۔ میں نے شاہ جی کی خدمت میں عرض کیا تو شاہ جی نے مجھے ایک دعا بتائی جس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرمایا اور میری مراد پوری ہوگئی۔ جس دن لڑکا پیدا ہوا تو میں نے عہد کیا تھا کہ شاہ جی کے مکان کیلئے میں بھی امداد کروں گا۔ جب یہی بات شاہ جی کے گوش گزار کی گئی اور اجازت طلب کی تو فرمایا: ''میرے بھائی شیخ صاحب سفید پوش آدمی ہیں کثیر الاولاد ہیں، وہ تو محبت کی وجہ سے دیتے ہیں لیکن میں اپنی خواہشات پر ان کے بچوں کو قربان نہیں کر سکتا، اگر سو پچاس ہوتے تو میں لے بھی لیتا۔ مگر تم بھی ان کی دل شکنی نہ کرو اور کسی نہ کسی طرح انہیں ٹال دو تا کہ ان کے دل کو ٹھیس بھی نہ لگے اور روپیہ بھی انہیں کے پاس رہے'' یہ تھا پیسے ٹکے کے سلسلے میں شاہ جی کا کردار اور سوائے مرد قلندر کے ایسا کون کر سکتا ہے۔

یہ بھی خوش نہ رہ سکے گا

ایک مرتبہ شاہ جی مظہر نواز خان صاحب سے ملنے تشریف لے گئے۔ مسجد کے دروازے کے قریب ایک پٹھان کھڑا تھا۔ اس نے شاہ صاحب کو دیکھتے ہی نامعقول بات کہی، وہ بات مظہر صاحب نے بھی سن لی۔ شاہ جی مسجد کے اندر تشریف لے گئے اور مظہر صاحب مسجد سے باہر آ کر پٹھان سے دست و گریباں ہو گئے۔ ادھر مسجد میں لوگ شاہ جی سے مصافحہ کرنے دوڑے اور ادھر شاہ جی سب کو چھوڑ کر مسجد سے باہر تشریف لائے اور نہایت ٹھنڈے طریقے سے مظہر صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ ''بھائی طیش میں کیوں آ گئے بندۂ خدا کس کس سے لڑو گے۔'' جب مظہر صاحب چپ نہ ہوئے تو شاہ جی نے انہیں دھکیل کر مسجد کی طرف کر دیا اور فرمایا چلو نماز کو دیر ہو رہی ہے اور اس کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ اس نے ہمارے دوست کو ناراض کر دیا ہے خوش یہ بھی نہیں رہ سکے گا۔ شاہ جی کے ان الفاظ کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ چند دن کے اندر اندر بیمار ہو گیا۔ دو سال تک چار پائی پر پڑا رہا اور اس

کے بعد لکڑی کے سہارے سے بڑی کوشش کرتا تو سو دو سو گز تک جا سکتا۔

میں قطب ہوں

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مولوی مسیح الزماں خان صاحب حضور نظام کے استاد شاہ جہاں پور کے رہنے والے تھے بڑے ظریف تھے ان کے پاس ایک فقیر آیا کہ میں یہاں کا قطب ہو کر آیا ہوں یعنی میرے معتقد ہو جائیں انہوں نے کہا کہ میں اس کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہوں اس لئے کہ پہلے سے میں یہاں کا قطب ہوں اور میرے پاس کوئی حکم نہیں آیا کہ میں آپ کو چارج دے دوں یا تو میرے پاس حکم منگا دو ورنہ اپنی قطبیت سے تم میں اخراج کا تصرف کروں گا۔ اپنا سامنہ لے کر چل دیا۔

بغیر ٹکٹ سفر......

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو جو کہ پہلے ڈپٹی انسپکٹر تھے مدارس کی چھ ماہ کی تنخواہ نہ ملی تھی جب غدر ہو گیا تو تنخواہ کا نو سو روپیہ آیا انکار کر دیا کہ میں نے کوئی کام نہیں کیا جس کی میں تنخواہ لوں کہا گیا کہ کام سے انکار بھی تو نہیں کیا تسلیم نفس تو بحال رہا مگر پھر بھی آپ نے کچھ نہیں لیا ایک تو یہ رنگ تھا اب کہتے ہیں کہ بدون ٹکٹ کے سفر کرنا جائز ہے ایک صاحب سے میری گفتگو ہوئی کہنے لگے کہ اگر ایسے عمل سے ہم پر دوسروں کا حق چاہتا ہے تو کیا حرج ہے ہمارا بھی تو دوسروں کے ذمہ ہے جب قیامت میں مانگے گا کہہ دینگے کہ اس سے وصول کر لو میں نے کہا کیا واہیات ہے اگر عدالت کسی قرض خواہ کی ڈگری کر دے کسی پر اور وہ یہ کہے کہ میرا دوسرے پر ہے اس سے وصول کر لو تو کیا یہ عذر قابل قبول ہوگا جب یہاں کافی نہیں تو قیامت میں تو کیا کافی ہوگا تب ان کی آنکھیں کھلیں، اور توبہ کی۔

(ملفوظات حکیم الامت، جلد۲، ص۲۹۶)

دربار رسالت سے جواب

مولانا قاضی سجاد حسین صاحبؒ صدر المدرسین مدرسہ عالیہ فتحپوری (دہلی) تحریر فرماتے

ہیں: حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب انبیٹھوی مرحوم مفتی مالیر کوٹلہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے ہمعصر تھے، جن کو خدا نے علم ظاہری کے ساتھ تقویٰ اور طہارت باطنی کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ صاحب سلسلہ بزرگ تھے اور تقریباً سو سال کی عمر میں آپ (۱۹۵۷ء) سے تقریباً پندرہ سال قبل عالم آخرت کی طرف رحلت فرما ہوئے۔ اس خادم کو مرحوم سے شرف نیاز حاصل تھا، جب کبھی دہلی تشریف فرما ہوتے، اکثر و بیشتر حاضری کی سعادت حاصل ہوتی تھی، چونکہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے بھی اس خادم کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ اس تعلق کے لحاظ سے مرحوم سے اثنائے ملاقات حضرت مدنیؒ کا بھی ذکر آ جایا کرتا تھا۔ ایک ملاقات میں مرحوم نے فرمایا کہ ایک بار زیارت بیت اللہ سے فراغت کے بعد دربار بار رسالت میں حاضری ہوئی تو مدینہ طیبہ کے دوران قیام مشائخ وقت سے یہ تذکرہ سنا کہ امسال روضۂ اطہر سے عجیب کرامت کا ظہور ہوا۔ ایک ہندی نوجوان نے جب بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا، تو دربار رسالت سے "وعلیکم السلام یا ولدی" کے پیارے الفاظ سے اس کو جواب ملا۔ مولانا مرحوم نے فرمایا اس واقعہ کو سن کر قلب پر خاص اثر ہوا۔ مزید خوشی کا سبب یہ بھی تھا کہ یہ سعادت ہندی نوجوان کو نصیب ہوئی ہے۔ دل تڑپ اٹھا اور اس ہندی نوجوان کی جستجو شروع کی، تاکہ اس محبوب بارگاہ رسالت کی زیارت سے مشرف ہو سکوں اور خود اس واقعہ کی بھی تصدیق کر لوں۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ وہ ہندی نوجوان سید حبیب اللہ مہاجر مدنیؒ کا فرزند ارجمند تھا۔ مرحوم نے فرمایا کہ سید صاحب سے ایک گونہ تعارف و تعلق بھی تھا۔ گھر پر پہنچا، ملاقات کی۔ اپنے اس دوست کے سعادتمند سپوت ہندی نوجوان کو ساتھ لے کر گوشۂ تنہائی میں چلا گیا۔ اپنی طلب و جستجو کا راز بتایا اور واقعہ کی تصدیق کی۔ ابتداءً خاموشی اختیار کی، لیکن اصرار کے بعد کہا" بے شک جو آپ نے سنا وہ صحیح ہے"۔ یہ واقعہ بیان فرمانے کے بعد مولاناؒ نے فرمایا: سمجھے؟ یہ ہندی نوجوان کون تھا؟ یہی تمہارے استاد مولانا حسین احمدؒ!! (اکابر دیوبند کیا تھے)

قادیانی مبہوت ہو گئے

مفتی اعظم مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کے صاحبزادے مولانا حفیظ الرحمٰن واصف مرحوم لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ ریل کے سفر میں حضرت والد ماجد (مفتی کفایت اللہ صاحب)

کے ہم رکاب تھے، جس ڈبے میں ہم دونوں تھے اس میں دہلی کے سوداگروں میں سے دو معزز دولت مند حضرات بھی ہم سفر تھے۔ اور ان کے قریب دو تین بھاری بھرکم قادیانی مولوی بیٹھے تھے۔ اور مرزا غلام احمد کی صداقت اور نبوت پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ان میں سے ایک بڑا مولوی بڑے زور و شور سے بول رہا تھا۔ بڑا لسان اور طرار معلوم ہوتا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کچھ فاصلے پر تھے، اور ان لوگوں کی گفتگو سن رہے تھے۔ قادیانیوں کے مخاطب کبھی کبھی جواب دیتے تھے مگر پھر لاجواب ہو جاتے تھے۔ آخر حضرت نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کی گفتگو میں دخل انداز تو نہیں ہونا چاہتا تھا مگر معاملہ دین کا ہے، اس لئے خاموش بھی نہیں رہ سکتا۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ نے جو ابھی فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور مرزا صاحب کی نبوت سے ختم نبوت میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا، کیونکہ مرزا صاحب کی نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نبوت کا ایک جز اور ضمیمہ ہے۔ تو یہ فرمایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول "لا نبی بعدی" میں تو کسی خاص قسم کی نبوت کی تخصیص نہیں ہے، مطلق نبوت کی نفی ہے۔ ضمنی، غیر ضمنی اور ظلی بروزی کی تخصیص کا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ لائے نفی نے جنس نبوت کے تمام اقسام و اصناف کی نفی کر دی ہے، پھر بیچ میں یہ نبوت ضمنی کیسی؟ قادیانی مولوی نے جواب دیا کہ جس طرح سچا خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہوتا ہے اسی طرح ضمنی نبوت بھی ہوتی ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دائرۂ عمل قیامت تک ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لئے آپ کے ہی دین کی تجدید کیلئے نبی آ سکتا ہے اور اس سے آپ کی ختم نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نبوت کا چالیسواں حصہ اگر کسی کو عطا کر دیا جائے تو وہ شخص نبی نہیں بن جائے گا۔ انسان کی ایک انگلی کو انسان کا لقب نہیں دیا جا سکتا۔ اور چونکہ تم دونوں کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کیلئے نبی ہیں پھر حضور کا یہ فرمان کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس کا کیا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے بعد کوئی نہیں آئے گا؟ بولیے جواب دیجئے، حضرت مفتی اعظم نے بار بار جواب مانگا مگر ان پر ایسا سناٹا چھا گیا کہ کوئی آواز نہیں نکلی۔ قادیانی ایسے مبہوت ہوئے کہ کوئی جواب ہی نہ دے سکے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کا یہ کہنا کہ حضور قیامت تک کے لئے نبی ہیں خود اس بات کا اقرار ہے کہ حضور کی بعثت کے بعد عہدۂ نبوت کبھی کسی کو عطا نہیں کیا جائے گا پھر دوران نبوت کسی اور نبی کی بعثت کے کیا معنی؟

حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ کی اس جرح کے بعد ان قادیانی مولویوں کے چہرے زرد پڑ گئے۔ ہونٹ خشک ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ نے تقریباً ایک گھنٹہ رد قادیانیت، نبوت اور ختم نبوت پر وہ جامع اور فاضلانہ تقریر فرمائی جو اپنی مثال آپ تھی۔ (مفتی کفایت اللہ نمبر باہتمام ماہنامہ القاسم ص ۱۵۶)

غسل شہادت

۱۸۵۷ء میں شاملی کے جہاد میں حافظ ضامن رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے۔ حافظ ضامن نے درزی سے ایک جوڑا کپڑوں کا بنوا کر تیار کر کے رکھوایا تھا اور جہاد کی تیاری کر رہے تھے عین جہاد کے وقت غسل کیا اور نئے کپڑے پہنے عمامہ باندھا آنکھوں میں سرمہ لگایا جوتا بھی نیا پہنا اور پھر تلوار لے کر میدان میں چلے وہیں شہید ہو گئے۔

عذاب اُٹھالیا گیا

حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ کی وفات کے تیسرے روز آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک برگزیدہ خلیفہ مجاز نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر اطہر کی حاضری دی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کردہ طریقہ کے مطابق مراقبہ میں بیٹھ گیا عین استغراق وانہماک کے عالم میں حضرت والا مقام کی زیارت نصیب ہوئی۔ چہرہ انور پر مسرت وانبساط کے انوار برس رہے تھے صاحب واقعہ کہتے ہیں کہ میں نے سلام کے بعد عرض کیا کہ پروردگار عالم سے کیسے ملاقات ہوئی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے پروردگار عالم کو بہت بڑا شفیق ورحیم پایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے سوال کیا کہ تم ہمارے لئے کیوں اس قدر ریاضت ومجاہدات میں مشغول رہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا اللہ آپ کے خوف سے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر میں نے تم کو بخشنا نہ ہوتا تو تم پر اس قدر ظاہری اور باطنی ذمہ داریاں نہ ڈالی جاتیں۔

اس پر صاحب مراقبہ نے عرض کیا میرے آقا اس کے علاوہ بھی کچھ ارشاد ہے، تو فرمایا ہاں پروردگار عالم کی یہ مجھ پر خاص عنایت ہوئی ہے کہ مجھ کو کہا گیا ہے کہ ہم نے تمہاری مہمانی کے طور پر میانی صاحب کے تمام گنہگار صاحب ایمان اہل قبور سے اپنا عذاب اٹھالیا ہے۔

(کتاب الحسنات ص ۵۸، شیخ التفسیر کے حیرت انگیز واقعات ۳۲۲)

اپنے ہاتھ کی کمائی کھائی

حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی نے اپنے پہلے سفر حج کا ایک بار خود تذکرہ فرمایا کہ جہاز بندرگاہ سے چلا تو مجھے دورانِ سر شروع ہوا اور پورے تین دن چکر اور قے میں گذر گئے کہ کھانے کی خواہش بھی نہ ہوئی مگر چوتھے دن ذرا طبیعت کو سکون ہوا تو بھوک معلوم ہوئی اور میں نے ایک دیگچی میں مونگ کی کھچڑی نکال کر پکنے کیلئے چولھے پر رکھی پکانے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا دیکھا تو پانی اوپر آ گیا اور دال گل گئی مگر چاول جوں کے توں، نمک اس قدر تیز کہ منہ تک نہ لے جائی جا سکے، خاموش ہو کر اپنی جگہ آ بیٹھا اور دیگچی کو ایک طرف رکھ دیا بھوپال کے قریب کے ایک نواب صاحب بھی اسی جہاز میں حج کو جا رہے تھے (جن کا نام آپ نے لیا مگر مجھے یاد نہیں رہا) میری عمر کا اس وقت چوبیسواں سال اور شباب کا زمانہ تھا اتفاق سے ان کا اس طرف گزر ہوا اور مجھ پر نظر پڑی تو پوچھنے لگے صاحبزادے تمہارے ساتھ کون ہے؟ میں نے برجستہ جواب دیا کہ اللہ۔ یہ سن کر وہ خاموش چلے گئے اور اپنی جگہ پہنچ کر مجھے بلایا۔ میں گیا تو انہوں نے میری دعوت کی اور فرمایا صاحبزادے تم کھانا ہمارے ساتھ کھایا کرو۔ میں نے کہا کہ یوں تو کھاتے ہوئے شرم آتی ہے ہاں کوئی خدمت مجھ سے لیجئے تو انکار نہیں، وہ ذرا سوچے اور پھر مجھ سے پوچھا کہ تم کو لکھنا آتا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں آتا ہے اور لکھ کر ان کے سامنے پیش کیا۔ میرا خط دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور کسی کتاب کا مسودہ ان کے ساتھ تھا اس کو خوشخط نقل کرنے کیلئے میرے حوالہ کر دیا۔ میں نے روزانہ کی کارگذاری صفحات کی تعداد میں مقرر کر لی اور کھانا ان کے ساتھ کھانے لگا۔ خالی بیٹھنے کا مشغلہ بھی مجھے ہاتھ آ گیا اور پکانے کی مصیبت سے بھی نجات مل گئی۔ چند روز بعد جدہ کی بندرگاہ نظر آئی اور میں نے نواب صاحب سے کہا کہ یہاں کشتیوں کے ملاح اسباب کی چھین جھپٹ میں بہت پریشان کرتے ہیں اور اسباب ضائع ہو جاتا ہے لہٰذا یہاں کا انتظام میرے سپرد کر دیجئے۔ چنانچہ اوّل میں نے سارے اسباب کو یکجا کرایا اور ملازمین کو اس کے چار طرف کھڑا کر دیا کہ کسی کو ہاتھ نہ لگانے دیں میں نے اپنا مختصر سامان بھی اسی میں شامل کر دیا اور چونکہ مجھے عربی آتی تھی اس لئے ملاحوں کے جہاز پر حملہ کرتے وقت میں نے علیحدہ جا کر ایک ملاح سے عربی میں باتیں کر کے پوری کشتی کا کرایہ طے کر لیا اور اس کو اسباب دکھا کر ملازمین سے جو اسباب کا احاطہ

گئے کھڑے تھے کہہ دیا کہ عدد شمار کر کے اس کو دیدو اور اس کے علاوہ کسی کو پاس آنے نہ دو چنانچہ اوّل سارا اسباب بحفاظت تمام کشتی میں پہنچ گیا اور پھر ہم سب اطمینان سے جہاز سے اُتر کر کشتی میں آ بیٹھے۔ نواب صاحب میرے حسن انتظام پر بہت مسرور اور ممنون ہوئے کیونکہ دوسرے حجاج کی پریشانیاں اور نقصان دیکھ رہے تھے کہ چہار طرف گمشدگی اسباب کا شور مچ رہا تھا مسافر بلبلا رہے ہیں جدہ شہر میں داخل ہو کر میں نے اصل مسودہ اور اس کی خوشخط نقل نواب صاحب کو پیش کر کے اجازت چاہی کہ مجھے آزاد فرمادیں ہر چند نواب صاحب نے اصرار کیا کہ تم کو تا واپسی وطن علیحدہ نہیں کر سکتا مگر میں نے کہا کہ یہاں میں نوکری کیلئے نہیں آیا۔ اللہ کے گھر حاضر ہو کر بھی بندگانِ خدا کا غلام بنا رہا تو حاضری کا لطف ہی کیا ملا۔ چونکہ ذرا دروازہ پر پہنچ لیا ہوں اس لئے اب تو کوئی صورت ہی نہیں کہ تعمیل ارشاد کر سکوں۔ غرض نواب صاحب سے رخصت ہو کر اونٹ پر تنہا سوار ہو کر چل دیا اور مکہ مکرمہ میں تو گویا میرا گھر تھا اعلیٰ حضرت حاجی صاحب تشریف رکھتے تھے اس لئے سیدھا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور دونوں وقت پکی پکائی کھانے لگا۔ سارا وقت حرم شریف میں اعلیٰ حضرت کے پاس گزارتا اور اطمینان کے ساتھ طواف اور نماز میں مشغول رہتا۔

(تذکرۃ الخلیل ۱۱۸)

مدینہ تو ضرور جانا ہے

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں حج سے فارغ ہو کر قافلہ کے مدینہ منورہ چلنے کا وقت آیا اور چار طرف یہ افواہ پھیلی کہ راستہ مامون نہیں اور جان و مال ہر قسم کا خطرہ ہے تو اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کہ ''مولوی خلیل احمد کہو کیا ارادہ ہے، سنتا ہوں کہ مدینہ منورہ کے راستہ میں امن نہیں ہے اور اس لئے حجاج بکثرت واپس وطن جارہے ہیں۔'' میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا قصد تو مدینہ طیبہ کا پختہ ہے کہ موت کیلئے جو وقت مقرر و مقدر ہو چکا وہ کہیں بھی ٹل نہیں سکتا اور اس راستے میں آجائے تو زہے نصیب کہ مسلمان کو اور چاہئے کیا۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے یہاں تک پہنچادیا۔ اب اگر موت کے ڈر سے مدینہ طیبہ کا سفر چھوڑوں تو مجھ سے زیادہ بدنصیب کون۔

یہ سن کر اعلیٰ حضرت کا چہرہ خوشی کے مارے دمکنے لگا اور فرمایا بس بس تمہارے لئے یہی

رائے ہے کہ ضرور جاؤ اور انشاء اللہ تعالیٰ پہنچو گے۔ چنانچہ میں حضرت سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ روانہ ہوا اور جس طمانیت و راحت کے ساتھ پہنچا وہ میرا ہی دل خوب جانتا ہے۔ تقریباً دو ہفتہ حاضر آستانہ رہا اور پھر بخیریت تمام وطن پہنچ کر حضرت امام ربانی کا قدم بوس ہوا۔
(تذکرۃ الخلیل ۱۱۹)

آدھی رات کا مہمان

سید حشمت علی صاحب حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے بیعت تھے۔ ۱۹۴۶ء میں حضرت تھانوی کے وصال کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی رحمہ اللہ سے وابستہ ہوئے اور تادم وفات خادم خاص رہے انہوں نے اپنے شیخ کے مرض الوفات کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک رات مدینہ منورہ میں ایک عمارت کی چوتھی منزل کی چھت پر حسب عادت آرام فرما رہے تھے ڈیڑھ دو بجے کے قریب گھنٹی بجی تو دونوں جاگ گئے، فرمایا دیکھ لیں شاید کوئی مہمان ہے؟ سید حشمت صاحب کڑھتے دل کے ساتھ اترے کنڈی کھولی تو ایک نو وارد شخص کھڑا تھا۔ پوچھنے پر اپنا نام بتایا اور کہنے لگا "شیخ کے یہاں قیام کرنا ہے" حشمت صاحب نے شیخ کو اطلاع کی پہچانتے نہیں تھے، لیکن فرمایا اوپر بلالیں آدھی رات بے آرام کرنے والے مہمان سے اس طرح خندہ جبینی کے ساتھ ملے کہ پیشانی پر ایک بل تک نہ تھا شفقت سے پوچھا آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟ انہوں نے کسی آدمی کا حوالہ دیا، لطف یہ کہ حضرت ان صاحب سے بھی واقف نہ تھے، لیکن فرمانے لگے بہت اچھا کیا یہاں آ گئے، کھانے کا پوچھا تو فرشتہ صفت بھولے مہمان نے سچ سچ بتا دیا کہ جی نہیں کھانا تو نہیں کھایا حضرت کمزوری اور بیماری کی اسی حالت میں دوسری چھت پر گئے بچوں کو جگایا اور مہمان کیلئے کھانا تیار کرنے کا کہا، گھر والے مہمانوں کے عادی تھے تھوڑی ہی دیر میں گرم کھانا آ گیا مہمان کو اپنے سامنے کھانا کھلایا، پھر حشمت صاحب سے کہا ان کیلئے فلاں کمرے میں بستر کا انتظام کر دیں، وہ مہمان کو سلا کر آئے تو شیخ مہمان پر ترس کھا کر فرما رہے تھے کہ گھر تلاش کرتے ہوئے معلوم نہیں بیچارے کو کتنی تکلیف ہوئی ہوگی اللہ کرے اسے نیند آ جائے کسی نے سچ کہا ہے (کرنیں ۲۲۶)

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

عیسائیت سے واقفیت

حضرت مولانا محمد انوریؒ راوی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ کشمیر تشریف لے جارہے تھے، بس کے انتظار میں سیالکوٹ اڈے پر تشریف فرما تھے، ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں، فرمایا: ''نہیں! میں طالب علم ہوں۔'' اس نے کہا ''آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے؟'' فرمایا'' کچھ کچھ''۔ پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ ''تم غلط سمجھے ہو۔ اس کی یہ شکل نہیں ہے۔'' پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چالیس دلائل دیئے، دس قرآن سے، دس تورات سے، دس انجیل سے اور دس عقلی۔ وہ پادری آپ کی تقریر سن کر کہنے لگا کہ اگر مجھے اپنے مفادات کا خیال نہ ہوتا تو میں مسلمان ہو جاتا۔ نیز یہ کہ مجھے خود اپنے مذہب کی بہت سی باتیں آپ سے معلوم ہوئیں۔ (انوار انوری ۳۶)

حافظہ کی حیرت انگیز مثال

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی رقمطراز ہیں کہ احقر نے اپنے والد ماجد (مفتی محمد شفیعؒ) سے بھی سنا ہے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہم سے بھی کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ۱۳۲۱ھ میں علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ کی مشہور شرح ہدایہ ''فتح القدیر'' اور اس کے تکملہ کا مطالعہ بیس سے کچھ زائد ایام میں کیا تھا اور کتاب الحج تک اس کی تلخیص لکھی تھی اور انہوں نے صاحب ہدایہ پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کا جواب بھی لکھا تھا۔ اس کے بعد مدت العمر ''فتح القدیر'' کی مراجعت کی ضرورت نہیں پڑی اور کسی تازہ مطالعہ کے بغیر اس کی نہ صرف باتوں بلکہ طویل عبارتوں تک کا حوالہ سبق میں دیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا بنوری مدظلہم فرماتے ہیں کہ انہوں نے ۱۳۴۷ھ میں ہم سے یہ واقعہ بیان کیا اور فرمایا:

''چھبیس سال ہوئے پھر مراجعت کی ضرورت نہیں پڑی اور جو مضمون اس کا بیان کروں گا، اگر مراجعت کرو گے تو تفاوت کم پاؤ گے۔''

(نفحۃ العنبر ۲۷، اکابر دیو بند ۹۵)

اجازت کا بہانہ

مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب مدظلہ اپنی کتاب ''طوبیٰ لھم'' میں لکھتے ہیں کہ ''۱۹۶۷ء کے حج میں حضرت مولانا شاہ عبدالغفور عباسی رحمہ اللہ اپنی بیماری کی وجہ سے شرکت نہ فرما سکے، یہ عاجز مدینہ حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ حضرت زیادہ بیمار ہیں اور کسی کو ملنے کی اجازت نہیں ہے، مجھے بڑا قلق ہوا کہ درِ دولت پر حاضر ہو کر بھی نیاز حاصل کرنے سے محروم رہا، میں نے ایک کاغذ پر حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ کا یہ قطعہ لکھا:

تو آں شاہی کہ بر ایوان قصرت
کبوتر گر نشیند باز گردد
غریبے، مستمندے، بر درآمد
بیاید اندروں یا باز گردد

(تو وہ بادشاہ ہے کہ تیرے محل کے ایوان پر کبوتر بیٹھ جائے تو شاہین بن جائے، ایک پردیسی، حاجت مند در پر آیا ہے اندر آجائے یا واپس ہو جائے)

میں نے یہ کاغذ حضرت صاحب کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالحق صاحب کو دیا کہ از راہ کرم یہ حضرت کو پہنچا دیں، حضرت بستر پر لیٹے ہوئے تھے، جونہی یہ کاغذ اور قطعہ دیکھا تو چیخ مار کر رونے لگے اور فرمایا ''غلام مصطفیٰ کو بلاؤ'' میں حاضر ہوا تو بہت دیر تک سینے سے لگا کر روتے رہے اور مستفیض فرماتے رہے۔''

طرزِ فکر کی درستگی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی ایک صاحبزادی کو اپنے کئی دانت تکلیف اور درد کی وجہ سے نکلوانے پڑے، ایک مرتبہ وہ دانت نکلوا کر اپنے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ نے اس کا حال پوچھا تو اپنا حال بتاتے ہوئے ان کے منہ سے یہ بات نکل گئی کہ ''ابا جی! یہ دانتوں کا معاملہ بھی عجیب ہوتا ہے، بچپن سے نکلتے ہیں تو اس وقت بھی تکلیف دیتے ہیں اور جب ٹوٹنے پر آتے ہیں تو اس وقت بھی تکلیف دیتے ہیں۔''

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ نے فرمایا ''بیٹی! تمہیں ان دانتوں کی بس یہ دو باتیں یاد رہیں کہ انہوں نے آتے وقت بھی تکلیف دی تھی اور جاتے وقت بھی تکلیف دے رہے ہیں اور ان واقعات کے درمیان سالہا سال تم نے اس خدائی مشین کو استعمال کر کے جو لذت و راحت حاصل کی، اس کی طرف کوئی دھیان نہیں۔'' (کرنیں ۲۳۲)

مہمانانِ رسول پر شفقت

ایک مرتبہ میں حاضر تھا کہ ایک طالبعلم نے آپ کے پاس محرر مطبخ کی شکایت کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ طلبہ کو کھانا تقسیم کر رہے تھے۔ اس طالبعلم کو جلی ہوئی روٹی ملی جس کے لینے میں اس نے انکار کر دیا اور محرر مطبخ نے سختی سے جواب دیا کہ اب تننے بہک گئے کہ جلی اور موٹی سوجھنے لگی۔ لینا ہو لو ورنہ جاؤ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو اپنے حصہ میں لگالوں یا جو روٹی جلے اس کا تاوان دیا کروں، حضرت یہ خبر سنتے ہی مطبخ میں آئے اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ میں ساتھ تھا اور دیکھ رہا تھا کہ حضرت کے بدن اور آواز دونوں میں رعشہ ہے۔ محرر مطبخ سے آپ نے واقعہ پوچھا اور جب اس نے خود ہی اس توقع پر صحیح صحیح بیان کر دیا کہ طلبہ کا نظام قائم رکھنے کیلئے محرر مطبخ کی طرفداری کی جائے تو اس وقت آپ نے فرمایا: ''منشی جی! سنو مدرسہ انہی پردیسی بے وطن مسکین کے دم سے قائم ہے اور تم اور میں دونوں انہی کے طفیل میں روٹیاں کھا رہے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو نہ مطبخ کی ضرورت نہ تمہاری حاجت، مدرسین بھی فارغ اور مدرسہ بھی خالی، یہ مسکین سہی محتاج سہی مگر مجھے اور تمہیں دونوں کو روٹیاں دے رہے ہیں مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تمہیں ترش کلام کرنے کا کیا حق تھا اور تم کون تھے یہ کہنے والے کہ تننے بہک گئے، میں ان کا باپ بنا ہوا ابھی زندہ بیٹھا ہوں تم کو مطبخ سے جز و تنخواہ بنا کر دو خوراک ملتی ہیں آخر کیا وجہ تھی کہ جلی ہوئی روٹی تم اپنی خوراک میں نہ لگا سکے اور مہمان رسول کو مجبور کیا کہ یا تو یہ جلی ہوئی روٹی کھائے ورنہ فاقہ کرلے۔ اب تو اپنی خوراک اس کے حوالے کر دو اور آئندہ کیلئے خوب کان کھول لو کہ کسی بھی طالب کے ساتھ کچھ بھی تیز یا ترش برتاؤ کیا تو کان پکڑ کر مطبخ سے نکال دوں گا، ہاں کسی طالب علم سے کوئی غلطی ہو تو مجھ سے کہو میں تحقیق کے بعد جو سزا مناسب سمجھوں گا دونگا مگر دوسرے کو نہ دیکھ سکوں گا کہ وہ انہیں ترچھی نظر سے بھی دیکھے۔ چونکہ پہلی غلطی ہے اس لئے اس وقت تنبیہ پر اکتفا کرتا ہوں کہ آئندہ اس کا پورا

لحاظ رکھا جائے۔ (تذکرۃ الخلیل ۲۲۹)

متقی کیسے کیسے

ایک بار سفر بہاولپور میں اس احقر سے ارشاد فرمایا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول ہدایہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے سے اشراف نفس نہ ہو مگر سفر میں اکثر داعی کی عادت ہوتی ہے کہ مدعو کو کچھ ہدیہ دیتے ہیں اس عادت کے سبب اکثر خطور بھی ایسے ہدایا کا ذہن میں ہو جاتا ہے تو کیا خطور بھی اشراف نفس وانتظار میں داخل ہے جس کے بعد ہدیہ لینا خلاف سنت ہے اس حقیر میں کیا قابلیت تھی کہ ایسے عظیم الشان عالم اور عارف کے استفسار کا جواب دے سکوں، لیکن لہجہ چونکہ استفسار بالجواب پر دال تھا اس لئے الامر فوق الادب کی بنا پر جواب عرض کرنا ضروری تھا، چنانچہ میں نے عرض کیا کہ میرے خیال میں اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اس احتمال کے بعد دیکھا جاوے کہ اگر وہ احتمال واقع نہ ہو تو آیا نفس میں کچھ ناگواری پیدا ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر ناگواری ہو تو اس احتمال کا خطور اشراف نفس ہے اگر ناگواری نہ ہو تو اشراف نفس نہیں ہے خالی خطرہ ہے جو احکام میں مؤثر نہیں، اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور دعا دی۔ یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد حضرت حکیم الامت ارشاد فرماتے ہیں کہ اس واقعہ میں جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے چند کمالات ثابت ہوتے ہیں۔ ایک تواضع جس کے سلسلہ میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے دقیق تقویٰ کہ اکثر اشراف کے احتمال بعید تک نظر پہنچی اور اس پر عمل کا اہتمام ہوا تیسرے اتباع سنت جیسا کہ ظاہر ہے چوتھے اپنے معاملہ میں اپنے نفس کو متہم سمجھنا کہ اپنی رائے پر وثوق نہیں فرمایا ورنہ جس کی نظر اتنی دقیق ہو کہ اس فلسفہ تک وہ نظر نہیں پہنچ سکتی تھی۔ (اس واقعہ میں سائل حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور مجیب حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے) (اکابر کا تقویٰ ۲۳)

علمی مصروفیت

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کسی جگہ تشریف لے جاتے اور وہاں کچھ کتابیں نظر پڑ جاتیں تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آپ ان پر ایک نظر ڈالے بغیر گزر جائیں۔ اور کوئی کتاب پہلے ہی سے دیکھی ہوئی ہوتی تو خیر ورنہ کتنی ہی جلدی کا وقت ہوا سے الٹ پلٹ کر دیکھنا لازمی تھا۔ اور

حضرت مفتی صاحبؒ کے لکھنے کی رفتار بہت تیز تھی، تیز چلتی ہوئی گاڑی میں بھی فتاویٰ وغیرہ بے تکلف تحریر فرماتے رہتے، ریل کے بڑے بڑے سفر اسی مشغلہ میں طے ہوتے تھے۔

سخت بیماری میں بلکہ رات کے ایک دو بجے بھی کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو بے وقت پوچھنے پر بھی نرمی سے تنبیہ فرمادیتے مگر جواب مستحضر ہوتا تو اگلے وقت پر نہ ٹالتے تھے۔

زندگی کے آخری چار سال میں طرح طرح کے شدید امراض کے باوجود بہت سے فتاویٰ روزانہ خود بھی لکھتے یا املاء کراتے رہے یہاں تک کہ ۱۰ ارشوال سنہ ۱۳۹۶ھ کے دن قلب کے جس دورہ میں آپ کی وفات ہوئی اس خوفناک دورہ سے پندرہ منٹ قبل بھی ایک فتویٰ املاء کرا کے اس پر دستخط فرمائے یہی وہ فتویٰ تھا جس پر مفتی صاحبؒ کی علمی مصروفیات کا سلسلہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ (مآثر مفتی اعظمؒ ۴۸)

بائیس برس بعد تکبیر اولیٰ فوت ہوئی

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ اتباع سنت اور اطاعت شریعت جو آپ کی طبعی عادت بن گئی تھی اس کا نتیجہ تھا کہ دس برس کے بعد حاضر ہونے والا شخص بھی آپ کو اسی حالت میں دیکھتا جس حال میں دس سال قبل دیکھ چکا تھا۔ اتباع شرع کی محویت اور فنائیت میں اس درجہ استحکام اور استقامت کا یہ بھی نتیجہ تھا کہ آپ کا وجود اور آپ کی نقل و حرکت ہی سنت نبوی کے طلب گاروں کے لئے سینکڑوں سوالات کا جواب تھی۔ یہی وہ کبریت احمر تھی جس کو دیکھ کر علماء نے گردنیں جھکائیں اور ہزار ہا انسانوں کو راہ ہدایت نصیب ہوئی۔ دیوبند کے جلسہ دستار بندی میں عصر کی نماز کے وقت مخلوق کے اژدحام اور مصافحہ کی کثرت کے باعث عجلت کے باوجود، جس وقت آپ جماعت میں شریک ہوئے تو قرأت شروع ہو گئی تھی۔ سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا کہ آپ کے اداس چہرہ پر اضمحلال برس رہا تھا اور آپ رنج کے ساتھ یہ الفاظ فرمارہے تھے کہ افسوس بائیس برس کے بعد آج تکبیر اولیٰ فوت ہوئی۔ (تالیفات رشیدیہ ۱۰)

نیند میں ذکر الٰہی

مولانا حکیم ابوالبرکات میر سید دائم علی (۱۳۲۵ھ) عظیم آباد بہار کے رہنے والے خیر

آبادی سلسلہ کے ایک نامور بزرگ تھے۔ پھر آپ ٹونک چلے آئے۔ مولانا عبداللہ ٹونکی (۱۹۲۰ء) آپ کے شاگرد ہیں۔ مولانا حکیم سید دائم علی کے پوتے حکیم محمود احمد برکاتی کراچی میں لیاقت آباد میں مقیم ہیں۔ آپ نے اپنے والد مولانا سید حکیم برکات احمد پر ایک کتاب اسی نام سے لکھی ہے اور اسے ۱۹۹۳ء میں شائع کیا ہے۔ اس میں ہے کہ آپ کے والد مولانا حکیم برکات احمد والد ماجد (مولانا حکیم دائم علی) مولانا محمد قاسم (نانوتوی) کے خواجہ تاش تھے اس لئے ایک بار مجھے ان سے ملانے کیلئے دیوبند لے گئے جب ہم پہنچے تو مولانا چھتہ کی مسجد میں سو رہے تھے مگر اس حالت میں بھی ان کا قلب ذاکر تھا اور ذکر بھی بالجبر کر رہا تھا۔

(مولانا حکیم سید برکات احمد ۱۸۵)

اس سے پہلے آپ نے اپنے مسلک کے بارے میں لکھا ہے۔ میں نے ایک بار مولانا معین الدین اجمیری کے تلمیذ رشید مولانا نجم الحسن خیر آبادی سے اس سلسلہ میں سوال کیا تھا تو مولانا نے جواب میں لکھا تھا کہ مولانا عبدالحق خیر آبادی اور ان کے تلامذہ کا مسلک اعتدال پسندی تھا۔ مولانا عبدالحق کے جید تلامذہ مولانا عبدالعزیز مولانا برکات احمد، مولانا نادر الدین، مولانا فضل حق رامپوری، مولانا ہدایت علی بریلوی اور مولانا ماجد علی وغیرہ سے کسی (مخالفین) کی تکفیر ثابت نہیں۔ آپ نے اپنے مسلک اعتدال کو اس طرح بھی بیان کیا ہے۔ برکاتی اور خیر آبادی درسگاہیں دیوبندی و بریلوی مذہب کے علماء کی درسگاہوں سے یکسر مختلف نظر آتی ہیں۔ مولانا معین الدین اجمیری نے ایک استفتاء کے جواب میں کہ کیا حضرات (شاہ محمد اسمٰعیل شہید اور مولانا محمد قاسم، مولانا رشید احمد) کافر ہیں؟ تحریر فرمایا: یہ حضرات مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے پیشوا ہیں۔ (براۃ الابرار ۲۰۷)

نماز کا اہتمام

حضرت مدنیؒ ایام علالت میں کبھی راضی نہ ہوئے کہ بستر پر نماز پڑھیں۔ نہ کبھی تیمّم کیلئے تیار ہوئے جب حضرتؒ نے اصرار کی شدت دیکھی تو حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سے جو (بسلسلہ عیادت تشریف لائے ہوئے تھے) فرمایا کہ:

دیکھئے ان لوگوں نے مسجد چھڑا دی جماعت چھڑا دی اور اب بستر پر نماز پڑھنے کیلئے کہہ رہے ہیں۔ کیا حکم ہے؟ حضرت شیخ الحدیثؒ نے جواب میں فرمایا کہ میرے خیال میں کوئی

حرج نہیں ہے۔ سطح برابر ہے اور نماز کے لئے اتنی شرط کافی ہے۔ پھر حضرتؒ نے تیمم کے بارے میں دریافت کیا تو جواب میں فرمایا کہ پانی سے چونکہ نقصان نہیں ہوتا صرف نقل و حرکت میں دشواری ہوتی ہے۔ اس لئے مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ۲۷ر نومبر ۱۹۵۷ء کو بہت زیادہ طبیعت خراب ہوگئی تو مولانا اسعد صاحب نے حکیم ذکی احمد صاحب بریلوی کو فون کیا موصوف شام کو تشریف لے آئے تو حضرتؒ نے پوری تفصیل سے مرض کی کیفیت بیان فرمائی۔ موصوف نے حکیم صدیق صاحب کے ایک نسخہ سے موافقت فرمائی مگر غذا میں بعض چیزوں کا اضافہ کردیا اگلے روز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ڈاکٹر برکت علی سہارنپوری کے ہمراہ تشریف لائے تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے تقریباً پون گھنٹہ معائنہ فرمایا اور نسخہ تجویز کیا۔ مگر وہ بعض حضرات کے سامنے اس بات پر اپنی حیرت کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے کہ طبی نقطہ نظر سے زندگی کے فقدان کے باوجود حضرت والا حیات ہیں۔

بہرحال اس قدر شدت مرض کے باوجود اس عرصہ میں کبھی نماز چارپائی پر نہیں پڑھی، قریب کی چوکی پر تشریف لے جاتے اور وضو کر کے نہایت اطمینان سے نماز ادا فرماتے۔

(سوانح حضرت مدنیؒ ۱۲۴)

خدمت کا نرالا انداز

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ (مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ) صاحب کا یہ خادم خاص اور سفر و حضر کا رفیق و حاشیہ نشین، جسے شیخ یوسف شاہ کہہ کر پکارتے تھے، خدمت شیخ کے سلسلہ میں ایسی دقیق نفسیات کی رعایت کرتا تھا کہ عقل حیران ہے۔ فرماتے تھے کہ ''بدن دبانا بھی ایک فن ہے، ہر شخص کو اس کا سلیقہ نہیں ہوتا، میں نے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت کیلئے یہ فن باقاعدہ سیکھا تھا'' اور کبھی کبھی فرماتے تھے کہ ''الحمدللہ میں نے اپنے سے بہتر خادم کسی کو نہیں دیکھا۔ اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی بیان فرماتے تھے کہ حضرت شیخ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، انہیں دردسر کی شکایت شروع ہوئی میں چہرہ انور سے پہچان گیا، چپکے سے اٹھا اور سر دبانے لگا، مجھے ایک خاص رگ معلوم تھی جس کے دبانے سے اس درد کو افاقہ ہوجاتا تھا۔ حاضرین مجلس کو نہ درد کا احساس ہوا نہ میرے اٹھنے کا سبب معلوم ہوا، میں اکثر حضرت شیخ کے چہرہ انور سے

پہچان لیتا تھا کہ آپ کو فلاں چیز کی ضرورت ہے۔

ایک دفعہ سفر کشمیر کے دوران جب حضرت شاہ صاحبؒ اپنے گھر پر تھے تو میں آپ کے والد ماجد (مولانا معظم شاہؒ) سے حضرت کے بچپن کے حالات کرید کرید کر معلوم کیا کرتا تھا، وہ میری عقیدت و محبت سے بہت متاثر تھے۔ دستر خوان پر طرح طرح کی چیزیں میرے لئے جمع کرتے تھے اور شفقت کی حد یہ کہ ننھے بچوں کی طرح لقمے بنا بنا کر میرے منہ میں ڈالتے، حضرت شاہ صاحبؒ اس دلربا منظر کو کن انکھیوں سے دیکھتے (یہاں حضرت بنوریؒ، شیخ کے دیکھنے کے خاص انداز کی حکایت بھی فرماتے تھے) حضرت کے والد ماجدؒ مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ "انور شاہ کیسا عالم ہے؟" اور جب میں حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں اپنی رائے ذکر کرتا (لم تر العیون مثله ولم یر هو مثل نفسه) تو والد ماجد فرماتے کہ "خیر عالم تو اور بھی ہوں گے مگر مجھے تو انور شاہ کی نیکی و پارسائی کی وجہ سے ان سے محبت ہے۔ اور کبھی فرماتے: "اس باپ کی مسرت کا اندازہ کون کر سکتا ہے جس کا بیٹا انور شاہ ہو۔"

(شخصیات و تاثرات ۱/۱۱۴)

خودداری اور ذہانت

شاہجہانپور سے مفتی اعظم مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ کی دہلی میں تشریف آوری آیۂ رحمت ثابت ہوئی اور ایسا محسوس ہوا کہ عرصہ سے دہلی کو اور خاص کر اس چمنستان ملت کو آپ کا ہی انتظار تھا۔ شہر کے زعماء و شرفاء اور اہل الرائے حضرات نے بھی ہر قسم کے سیاسی ملی اور اجتماعی و شہری اداروں کے معاملات میں آپ سے رجوع کرنا شروع کر دیا۔ حاجی رشید مرزا مرحوم سے کسی بیرسٹر نے کہا کہ مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلوں کے سلسلے میں مجسٹریٹوں اور وکیلوں کو سخت الجھن اور دشواری پیش آتی تھی کیونکہ مقامی علماء کے فتوے الجھے ہوئے ہوتے تھے۔ یا تو عبارت سمجھ میں نہیں آتی تھی یا غلط ہوتے تھے اور جس مقدمہ میں دو چار علماء کے فتوے عدالت میں پیش ہوتے تھے ان میں اختلاف ہوتا تھا۔ جب سے مولانا کفایت اللہ کے فتوے آنے شروع ہوئے عدالتوں کو بڑی سہولت ہو گئی ہے۔ مدرسہ امینیہ میں آنے کے بعد آپ نے بہت سی اہم تبدیلیاں کیں۔ آپ ہی کی خوددار ہستی تھی جس نے سب سے پہلے طلبہ میں خودداری اور عظمت علم کا شعور پیدا کیا۔ شہر کے لوگ شادی بیاہ یا دیگر تقریبات میں

طلبہ کی دعوت کرتے تھے اور طلبہ ان کے مکانوں پر جا کر کھانا کھاتے تھے۔ علم دین کی اس بے حرمتی کو وہ اولوالعزم ہستی کیونکر برداشت کر سکتی تھی جس نے تعلیم کے زمانہ میں ٹوپیاں بُن کر اپنی روزی آپ پیدا کی ہو۔ اور کسی کا دست نگر بننا گوارا نہ کیا ہو۔ چنانچہ آپ کے تشریف لانے کے بعد یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ (مفتی کفایت اللہ ؒ نمبر ۳۴)

بچے غیر مکلّف ہیں

ایک مرتبہ راقم الحروف (سحبان محمودؒ) کے مکان پر حضرت مفتی (محمد شفیع) صاحب تشریف لائے احقر کا چھوٹا بچہ بھی اس کمرہ میں آ گیا اور خاموش کھڑا ہو گیا احقر نے سلام نہ کرنے پر اس کی سرزنش کی حضرت نے فوراً فرمایا کہ جس کو اللہ نے غیر مکلف رکھا ہے آپ اس کو مکلّف بنا رہے ہیں چھوڑیئے پھر اپنی بات میں مشغول ہو گئے۔

(مآثر مفتی اعظم پاکستان ۶۹)

جنات بھی شاگرد

حضرت مولانا شرافت علی لکھتے ہیں مجھے حضرت مدنیؒ کے زیر سایہ تقریباً چار سال رہنے کا شرف نصیب ہوا۔ جس میں دورۂ حدیث کا بھی ایک سال شامل ہے ایک مرتبہ دوران درس حدیث حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایک سال میں سلہٹ پہنچا تو مجھے بتایا گیا کہ یہاں ایک لڑکا ہے، جو اسکول میں پڑھتا ہے۔ اس لڑکے کے والد عامل تھے، جو تسخیر جنات وغیرہ کا کام کرتے تھے۔ بالعموم ہوتا یہ ہے کہ اس قسم کے عاملین سے جنات دشمنی اور عداوت کا برتاؤ کرنے لگتے ہیں، لیکن خلافِ معمول ان کے بچے کو جنات نے والد کی زندگی ہی میں اپنی تحویل اور تربیت میں لے لیا تھا اور جنات اس کی ہر طرح دیکھ بھال کرتے تھے۔ یہ ایک دبلا پتلا اور نحیف ولاغر بچہ تھا، جب اسکول کے بچے اس سے تازہ مٹھائی یا بے موسم پھل کا مطالبہ کرتے تو وہ دام ایک رومال میں باندھ کر انار کے درخت میں لٹکا دیتا، جو اسکول کے احاطہ ہی میں ایک طرف واقع تھا، تھوڑی دیر کے بعد جب رومال کو اتار کر کھولتے تو اس میں سے مطلوبہ مٹھائی یا پھل برآمد ہوتا تھا۔ مقامی لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اس لڑکے سے اس کے اسکول کے ساتھی اس طرح کی تفریح کیا کرتے ہیں۔

میرے سلہٹ پہنچنے کے بعد جب اس سے میرا ذکر کیا گیا، تو اس نے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہلا بھیجا کہ اگر اپنے موکل سے ملاؤ تو ہم تم سے ملاقات کریں۔ لڑکا اس پر آمادہ ہو گیا اور غالباً مغرب کے بعد کا وقت مقرر کر دیا گیا۔ میں مولانا جلیل احمد صاحب اور بعض مقامی حضرات کے ہمراہ وہاں پہنچا۔ جنوب رویہ ایک دلان کے دروں پر چادر تان دی گئی تھی۔ جس طرح کہ عورتوں کیلئے پردہ کیا جاتا ہے۔ اندرون پردہ قریب ہی ایک تخت بچھا ہوا تھا اور اس پر لیمپ روشن تھا۔ پردہ کے باہر ہم لوگوں کی نشست کیلئے کچھ فاصلے پر فرش بچھا دیا گیا تھا۔ لڑکے نے تخت پر بیٹھ کر ایک رکوع تلاوت کیا اور اس کے بعد روشنی دھیمی ہو گئی، لیکن پھر بھی پس پردہ لڑکا بیٹھا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ایک دراز قد سایہ سا لڑکے کی جانب بڑھتا ہوا نظر آیا اور سلام کر کے لڑکے کے پہلو میں بیٹھ گیا سلام کی کیفیت بھی عجیب تھی، جس کو الفاظ کے ذریعے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ایک جھنجھناتی ہوئی جھرجھری باریک اور تیز آواز جس میں مجھ سے خطاب تھا (یعنی اسلام علیکم یا مولانا کہہ کر مجھے مخاطب کیا) کچھ دیر تامل کے بعد میں نے کہا کہ ہم لوگ آپ کو بے حجاب دیکھنا چاہتے ہیں، آپ سامنے بے حجاب تشریف لائیے۔ مگر وہ اپنے اسی جناتی لہجہ میں بولے کہ یہ چیز ہمارے بس سے باہر ہے۔ ہم بغیر کسی آڑ کے سامنے آنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ انہوں نے شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ مولانا! آپ نے وقت موعود میں دیر کر دی، جس کا میں نے اعتراف کیا اور معذرت کی۔ بولے ایک مرتبہ ہم دیوبند گئے تھے۔ یہ مولانا جلیل احمد صاحب قدوری پڑھ رہے تھے اور ہمارے بعض ساتھی آپ کے شاگرد بھی ہیں۔

سب باتوں کے بعد میں نے کہا کہ گورنمنٹ برطانیہ سے ہماری لڑائی ہو رہی ہے ہم آزادی چاہتے ہیں اور وہ ہمیں غلام رکھنا چاہتی ہے ظاہر ہے کہ ہمارا یہ مطالبہ حق ہے اور ان کا ہمارے اوپر تسلط ناجائز اور ظلم ہے کیا آپ اس سلسلے میں ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟...... جواب دیا کہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔

پھر وہ اجازت طلب کر کے حسب سابق سلام کرتے ہوئے اسی طرح رخصت ہو گئے۔ ہمیں صرف آدمی کی شکل کی پرچھائیں معلوم ہوئی اور کچھ نہیں۔ ہم تے سلام کا جواب دیا۔ لڑکے نے لیمپ کی بتی ابھاری، دالان روشن ہو گیا اور ہم وہاں سے چلے آئے۔

(انفاسِ قدسیہ)

ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے درسِ حدیث میں اگلی صفوں کو خالی کرایا گیا اور طلبہ کو پیچھے بٹھا دیا گیا۔ دورانِ درس طلبہ بار بار اور بہ اصرار تقاضا کرنے لگے کہ ایسا کیوں کیا گیا، تو حضرت مدنیؒ نے ایک مرتبہ جب اصرار بڑھا تو راز اُگل دیا اور یہ شعر پڑھا.....

ہیں سامنے بیٹھے میرے طفلان پری رو

اور بیچ میں بیٹھا ہے میرے دل کا کھلونا

اس سے سامعین کو اندازہ ہو گیا کہ پہلی صفیں جنات کے لئے خالی کرادی گئیں ہیں۔ (سوانح شیخ الاسلام ۸۹)

مسلمانوں میں جھگڑا گوارا نہ کیا

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی دلی تمنا تھی کہ ان کی یادگار کے طور پر ان کے شایانِ شان دارالعلوم قائم ہو۔ اس کیلئے وہ احاطہ زمین جس میں شیخ الاسلامؒ کا مزار ہے شب و روز کی جدو جہد سے باضابطہ منظور فرمایا اور دارالعلوم کو وہیں منتقل کرنے کے خیال سے نقشہ منظور کرا کے تعمیر کا کام شروع کرادیا۔ مگر بعض لوگوں کی مزاحمت کے باعث کھدی ہوئی بنیاد اسی حال میں محض جھگڑا ختم کرنے کیلئے چھوڑ کر نانک واڑہ تشریف لے آئے۔ حکومت نے اور رفقاء کار نے بہت زور دیا کہ تعمیر جاری رکھی جائے مگر حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ "دارالعلوم بنانا فرض کفایہ اور مسلمانوں کو جھگڑے سے بچانا فرض عین ہے، فرض عین کو چھوڑ کر فرض کفایہ میں لگنا دین کی صحیح خدمت نہیں۔ میں جھگڑا مول لے کر یہاں ہرگز دارالعلوم نہ بناؤں گا۔"

تھوڑے ہی عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے کورنگی میں حضرت مفتی صاحبؒ کو چھپن ایکڑ زمین دارالعلوم کیلئے عطا فرمادی۔ (الحمدللہ) (مآثر مفتی اعظم پاکستان ۶۱)

دارالعلوم دیوبند کی ایک خصوصیت

مہتمم ثانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا رفیع الدینؒ صاحب کا واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت ممدوح دارالعلوم کے صحن (پیش نو درہ) میں کھڑے ہوئے تھے، چند طلبہ ابھی حاضر تھے کہ دورۂ حدیث کا ایک طالب علم مطبخ سے کھانا لے کر آپ کے سامنے آیا، جب کہ اس

وقت مطبخ میں صرف چودہ یا پندرہ طلبہ کا کھانا پکتا تھا، اور اس نے نہایت ہی گستاخانہ انداز میں شوربے کا پیالہ مولانا کے سامنے زمین پر دے مارا اور کہا کہ یہ ہے آپ کا اہتمام وانتظام کہ اس شوربے میں نہ مصالحہ ہے نہ گھی ہے، پانی جیسا شوربہ ہے اور کچھ اور بھی سخت وست الفاظ کہے، اس گستاخی پر طلبہ جوش میں آ گئے مگر چونکہ حضرت مولانا پوری متانت کے ساتھ خاموش تھے اور زبان سے کچھ بھی نہیں فرما رہے تھے اس لئے طلبہ بھی خاموش کھڑے رہے، بجائے کچھ فرمانے کے مولانا نے اس گستاخ طالب علم پر تین دفعہ اس کے سر سے پیر تک نگاہ ڈالی، جب وہ طالب علم بک جھک کر چلا گیا تو مولانا نے حیرت سے طلبہ سے فرمایا کہ کیا یہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم ہے؟ طلباء نے عرض کیا کہ حضرت یہ مدرسے کا طالب علم ہے فرمایا کہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں ہے، طلبہ نے کہا کہ مطبخ کے رجسٹر میں اس کے نام کا باقاعدہ اندراج ہے، اور یہ برابر مدرسہ کا کھانا لے رہا ہے، فرمایا کہ کچھ بھی ہو یہ مدرسے کا طالب علم نہیں ہے، چند دن کے بعد جب چھان بین ہوئی تو ثابت ہوا کہ وہ مدرسے کا طالب علم نہیں ہے، اس کا ہم نام ایک دوسرا طالب علم ہے اس نے دھوکے سے محض نام کے اشتراک کی وجہ سے کھانا لینا شروع کر دیا، ورنہ اس کا اندراج سرے سے ہی رجسٹروں میں نہیں ہے۔

بات کھل جانے پر طلبہ نے عرض کیا کہ حضرت! بات تو وہی نکلی جو آپ نے ارشاد فرمائی تھی کہ یہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں ہے، لیکن آپ نے اس وقت کس بناء پر اس کے طالب ہونے کی نفی فرمائی؟ فرمایا: ابتداء میں میں اہتمام سے کارہ اور بیزار تھا، لیکن جب بھی چھوڑنے کا ارادہ کرتا تو حضرت نانوتوی روک دیتے تھے۔ مجبوراً پھر کام میں لگ جاتا تھا اور رد وانکار اور جبر واصرار سے چند دن بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ احاطہ مولسری دارالعلوم کا کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے اور اس کی منڈیر پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور دودھ تقسیم فرما رہے ہیں، لینے والے آرہے ہیں، اور دودھ لے جا رہے ہیں، کوئی گھڑا لے کر آرہا ہے، کوئی لوٹا، کوئی پیالہ اور کسی کے پاس برتن نہیں ہے تو وہ چلو ہی بھر کر دودھ لے رہا ہے، اور اس طرح ہزاروں آدمی دودھ لے جا رہے ہیں، فرمایا کہ وہ خواب دیکھنے کے بعد میں مراقب ہوا کہ اس واقعہ کا کیا مطلب ہے؟ تو مجھ پر منکشف ہوا کہ کنواں صورت مثل دارالعلوم کی ہے اور دودھ صورت مثل علم کی ہے اور قاسم العلوم یعنی تقسیم کنندہ علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جانے والے طلباء ہیں جو حسب ظرف لے لے کر جا رہے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ مدرسہ دیو بند میں جب داخلہ ہوتا ہے اور طلبہ آتے ہیں تو میں ہر ایک کو پہچان لیتا ہوں کہ یہ بھی اس مجمع میں تھا اور یہ بھی لیکن اس گستاخ طالب علم پر میں نے سر سے پیر تک تین دفعہ نظر ڈالی، یہ اس مجمع میں تھا ہی نہیں، اس لئے میں نے قوت سے کہہ دیا کہ یہ مدرسہ دیو بند کا طالب علم نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اس مدرسے کیلئے طلبہ کا انتخاب بھی منجانب اللہ ہی ہوا ہے، چنانچہ یہاں نہ اشتہار ہے نہ پروپیگنڈا اور نہ ہی ترغیبی پمفلٹ کہیں جاتے ہیں کہ طلباء آ کر داخل ہوں، بلکہ منجانب اللہ جس کے قلب میں داعیہ پیدا ہوتا ہے وہ خود ہی کشاں کشاں چلا آتا ہے۔ (ملت اسلام کی محسن شخصیات ۱۵۴)

ندامت سے بچالیا

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیو بند کے خسر محترم جناب مولانا محمود صاحب رامپوری، رام پور کے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے دینی شغف اور دنیوی وجاہت وریاست دونوں کے اعتبار سے ممتاز تھا اور تمام اکابر دیو بند سے ان کے تعلقات تھے۔ جب یہ تعلیم حاصل کرنے دیو بند آئے تو ان کا قیام دیو بند کی ایک چھوٹی سی مسجد کے حجرے میں ہوا جو "چھوٹی مسجد" کے نام سے معروف تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ دارالعلوم سے آتے جاتے ادھر ہی سے گزرا کرتے تھے۔ ایک روز وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ وہاں مولانا محمود صاحب رامپوری کھڑے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کو ان کے دیو بند آنے کا حال معلوم نہ تھا۔ اس لئے ان سے پوچھا کیسے آئے؟

انہوں نے تفصیل بیان کی اور بتایا کہ اسی مسجد کے حجرے میں مقیم ہوں۔ حضرت حجرے کے اندر تشریف لے گئے۔ اور ان کے رہنے کی جگہ دیکھی۔ وہاں ان کے سونے کیلئے ایک بستر فرش پر ہی بچھا ہوا تھا۔ اس وقت تو حضرت یہ دیکھ کر تشریف لے آئے لیکن یہ خیال رہا کہ مولانا محمود صاحب رامپور کے رئیس زادے ہیں انہیں زمین پر سونے کی عادت نہیں ہوگی اور یہاں تکلیف اٹھاتے ہوں گے۔ چنانچہ گھر جا کر ایک چارپائی خود اٹھائی اور اسے لے کر چھوٹی مسجد کی طرف چلے۔ وہاں سے فاصلہ کافی تھا لیکن حضرتؒ اسی حالت میں گلیوں اور بازاروں سے گزرتے ہوئے چھوٹی مسجد پہنچ گئے۔ اس وقت مولانا محمود صاحب مسجد سے نکل رہے

تھے۔ یہاں پہنچ کر شیخ الہندؒ کو خیال آیا کہ مجھے چار پائی اٹھائے ہوئے دیکھیں گے تو انہیں ندامت ہوگی کہ میری خاطر شیخ الہندؒ نے اتنی تکلیف اٹھائی۔ چنانچہ انہیں دیکھتے ہی چار پائی نیچے رکھ دی اور فرمایا:

''لو میاں یہ اپنی چار پائی خود اندر لے جاؤ میں بھی شیخ زادہ ہوں کسی کا نوکر نہیں۔''

(اکابر دیو بند کیا تھے،۲۲)

پابندیٔ اوقات

حضرت مولانا سبحان محمود صاحب کی زندگی شروع سے با اصول تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے معمولات پر غیر معمولی استقامت عطا فرمائی تھی وہ اپنے نظم اوقات کے اتنے پابند تھے کہ ان کے بعض معمولات کو دیکھ کر گھڑی ملائی جا سکتی تھی ان کے درس کا گھنٹہ اس وقت بجتا تھا جب وہ درسگاہ کے آس پاس پہنچ چکے ہوتے تھے ان کی ہر نماز صف اوّل میں ادا ہوتی تھی اور وہ اگر صف اوّل میں نہ ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ یا وہ دارالعلوم سے باہر کہیں گئے ہوئے ہیں یا بیمار ہیں اسی طرح فجر کے بعد تقریباً ۴۵ منٹ تک ان کا چلنا سفر یا بیماری کے بغیر کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا، اس دوران وہ تلاوت وذکر فرماتے رہتے اور ان کے ہونٹ کبھی ذکر سے خالی نہیں ہوتے تھے۔ (البلاغ اشاعت خصوصی ۲۱ھ)

علمی انہماک

جب حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کو ڈابھیل کی مجلس علمی کی جانب سے پیش کش ہوئی چنانچہ آپ نے والد صاحب کی واپسی سے مایوس ہوکر ڈابھیل میں مجلس علمی کی ملازمت اختیار کرلی۔ اس میں جو کام آپ کے سپرد کیا گیا وہ بے حد کٹھن تھا یعنی ''عرف شذی'' کے حوالوں کی تخریج اور انہیں مکمل طور پر نقل کرنا۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب کے ایک حوالے کیلئے بسا اوقات مجھے سینکڑوں صفحات کا مطالعہ کرنا پڑتا تھا اور اس کی دو مثالیں بیان فرماتے تھے۔

ا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کسی موقعہ پر متعارض روایات کی تطبیق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس قبیل سے ہے کہ ''ہر راوی نے وہ بات ذکر کی جو دوسرے نے ذکر نہیں کی'' اس

کے بعد فرمایا کہ یہ بڑا اہم قاعدہ ہے مگر افسوس کہ مصطلح الحدیث کے مدونین نے اسے ذکر نہیں کیا البتہ حافظؒ نے فتح الباری میں کئی جگہ اس قاعدہ سے تعرض کیا ہے۔"

مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے ان مقامات کو تلاش کرنے کیلئے پوری فتح الباری کا مطالعہ کیا۔ تب معلوم ہوا کہ حافظؒ نے پوری کتاب میں دس سے زیادہ جگہوں پر اس قاعدہ سے تعرض کیا ہے۔

۲۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اختلافِ صحابہؓ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: "ابوزید دبوسی نے بالکل صحیح فرمایا کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ہو تو وہاں منشائے اختلاف کا معلوم کرنا اور اس نزاع کا فیصلہ چکانا بڑا دشوار ہے۔

مولانا فرماتے تھے کہ اس حوالے کی تلاش کیلئے میں نے دبوسی کی کتاب "تاسیس النظر" پوری پڑھی مگر یہ حوالہ وہاں نہیں ملا، خیال آیا کہ یہ حوالہ دبوسی کی دو کتابوں "الاسرار الخلاف" یا "تقویم الاولیٰ" میں ہوگا مگر وہ دونوں غیر مطبوعہ تھیں اور میرے پاس موجود نہیں تھیں۔ پھر خیال آیا کہ یہ حوالہ بالواسطہ ہوگا یا شیخ عبدالعزیز بخاری کی کتاب "کشف الاسرار" کے حوالے سے ہوگا یا ابن امیر حاج کی شرح التحریر کے واسطے سے۔ چنانچہ ان دونوں کتابوں کا بہت سا حصہ مطالعہ کرنے کے بعد دونوں میں یہ حوالہ مل گیا۔ اس سے زیادہ کیا کیا جا سکتا ہے کہ حضرت کو اس تخریج میں کتابوں کی کس قدر ورق گردانی کرنا پڑی اور اس کیلئے اپنی کتنی صلاحیتیں وقف کرنا پڑیں۔ اس طرح "عرف شذی" کی تخریج وتحقیق میں "معارف السنن" کا مصالحہ تیار ہو گیا اور اسی تخریج کو آپ نے جدید طرز پر مدون کر کے "معارف السنن" تالیف فرمائی۔ (خصوصی نمبر، ۳۲)

مخالفین سے برتاؤ

مولانا مولوی سراج احمد صاحب نے ایک مرتبہ چاہا کہ مولوی احمد رضا کی فحش گوئی کا ترکی بہ ترکی جواب دیں ہر چند حسن تقریر سے انہوں نے کوشش کی حضرت صراحتاً حکم نہ دیں تو ایماء ہی فرمادیں مگر حضرت مولانا (رشید احمد گنگوہیؒ) صاحب نے فرمایا تو یہ فرمایا: "میاں کیا دھرا ہے ان قصوں میں، ان کی تحریر کا جواب لکھنے سے کوئی نفع نہیں تضییع اوقات ہے امید نہیں کہ وہ مانیں۔" ایسی صورتوں میں جب آپ کے خدام کی خواہش جواب لکھنے کی ظاہر ہوئی تو

آپ نے ان کو روک دیا اور یوں ارشاد فرمایا کہ ''آدمی جس قدر وقت کسی برائی میں صرف کرے اتنے وقت اگر اللہ اللہ کرے تو کتنا نفع ہو'' بدگوئی وخرافات نویسی کی جتنی ایذائیں آپ کو مولوی احمد رضا صاحب سے پہنچیں شاید اتنی نہ کسی دوسرے کو مولوی احمد رضا صاحب نے پہنچائی ہوں اور نہ کسی دوسرے سے حضرت امام ربانیؒ کو پہنچی ہوں۔ مگر واللہ العظیم کہ حضرت کی زبان سے عمر بھر میں کبھی ایک کلمہ بھی ایسا سننے میں نہیں آیا جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ حضرت ان کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ جس زمانہ میں حضرت مولوی احمد رضا صاحب کو مرض جذام لاحق ہوا اور خون میں فساد آیا تو بعض لوگوں کو مسرت ہوئی کہ سب وشتم کا ثمرہ دنیا میں ظاہر ہوا مگر جس وقت کسی شخص نے حضرت سے عرض کیا کہ ''بریلوی مولوی کوڑھی ہو گئے'' تو حضرت گھبرا اٹھے اور یہ الفاظ فرمائے کہ میاں کسی کی مصیبت پر خوش نہ ہونا چاہئے خدا جانے اپنی تقدیر میں کیا لکھا ہے ایک دن آپ ڈاک میں آئے ہوئے خطوط سننے بیٹھے سب سے پہلا خط جو پڑھا گیا بمبئی سے آیا ہوا کارڈ تھا جس میں لکھا تھا کہ مولوی ہدایت رسول کو ایک منکوحہ عورت سے نکاح کرنے کے جرم میں عدالت سے سزائے قید کا حکم سنایا گیا بعض سامعین کو تو مسرت ہوئی کہ یہ حضرت کے بڑے مخالف تھے مگر آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (تالیفات رشیدیہ ۹)

سفیرِ اسلام

حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی اکثر ریل میں فرسٹ کلاس میں سفر کرتے لوگ پوچھتے تو فرماتے کہ بابو فرسٹ کلاس میں وہ لوگ سفر کرتے ہیں جو عوام کے ساتھ بیٹھنا اپنی توہین سمجھتے ہیں وہ اپنی ذات کو عوام سے بالا سمجھتے ہیں میں فرسٹ کلاس میں اس لئے سفر کرتا ہوں تاکہ ان بزعم خویش بڑا بننے والوں کی فرعونیت کو ختم کروں اور انہیں اپنی حیثیت یاد دلاؤں اور ان تک اسلام اور دین کی بات پہنچاؤں چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا فرسٹ کلاس میں یوں ہی قاضی صاحب قدم رکھتے اس درجے کے مسافر دم بخود ہو جاتے مولوی صاحب کو فرسٹ کلاس میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ اپنے درجے کا استیصال سمجھتے مگر قاضی صاحب کا شگفتہ اور وجیہہ چہرہ انہیں مرعوب کر دیتا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا خوبصورت اور بارعب چہرہ عطا فرمایا تھا کہ دیکھنے والا مبہوت ہو جاتا بس پھر کیا ہوتا اس کمپارٹمنٹ میں قاضی

صاحب ہی میر محفل ہوتے علمی گفتگو ہوتی، خطابت کی خوشبو مہکتی، ماحول معطر ہو جاتا سفر میں اکثر آپ کے پاس ایک ٹوکری ہوتی جس میں طرح طرح کے فروٹ ہوتے کھانے کی نوع بنوع اشیاء ہوتیں اپنے ہاتھ سے تمام رفقائے سفر کو کھلاتے خوش ہوتے ایک دفعہ جو قاضی کی مجلس سن لیتا وہ عمر بھر کیلئے گرویدہ ہو جاتا، یہی وجہ تھی کہ قاضی صاحب کے حلقۂ عقیدت میں امیر غریب، وزیر فقیر، عمائدین سلطنت، علماء طلباء، عوام وخواص بھی شامل تھے ان میں اسلام کی اس قدر محبت وعقیدت پیدا کرتے کہ وہ بھی اسلام کے سچے شیدائی بن جاتے اس دور کی افسر شاہی کا مزاج انگریز کی غلامی اور تربیت کی وجہ سے فرعونی ہوتا تھا، مگر قاضی صاحب کی ایک دو ملاقاتوں سے مزاج میں تبدیلی آ جاتی، نواب آف کالاباغ جو اپنی نوعیت کے سخت گیر حاکم تھے قاضی صاحب سے ملاقات میں آبدیدہ ہو گئے، یہی وجہ تھی کہ آغا شورش کاشمیری قاضی صاحب کو سفیر اسلام کہا کرتے تھے۔ (قاضی احسان احمد سوانح وافکار ۵۷)

فطری ذہانت

مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حصول تعلیم کے زمانہ میں اگرچہ میں نے بہت کم محنت کی، مگر افتاء کے معاملے میں بڑی احتیاط اور محنت سے کام لیا کرتا تھا حصول تعلیم دارالعلوم دیوبند کے زمانہ میں رات کے مطالعہ کیلئے طلبہ کو سرسوں کا تیل چراغ میں جلانے کیلئے ملا کرتا تھا میں رات کو مطالعہ نہیں کرتا تھا تیل کا پکوان تل کر کھاتا اور ساتھیوں کو کھلاتا تھا اس کے باوجود امتحان میں کامیاب رہتا تھا حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں نے کوشش کی کہ اپنے ہم سبقوں میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کروں بڑی محنت اور خوب مطالعہ کرتا تھا امتحان کے موقع پر میر زاہد رسالہ کا پرچہ تھا ایک سوال کا جواب بڑی عمدگی سے میں نے دو صفحے پر لکھا اور اسی سوال کا جواب مفتی صاحب نے آدھے صفحے پر لکھا حضرت شیخ الہندؒ اس پرچہ کے ممتحن تھے آپ نے دونوں کو برابر نمبر دیئے یعنی آدھے صفحہ کا مضمون اپنے وزن کے لحاظ سے دو صفحے والے مضمون سے کم نہ تھا۔ (مفتی کفایت اللہ نمبر ۳۲)

اللہ! آپ کا شکر

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ اسمبلی ہاؤس سے باہر نکلے اور سیدھے دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت آ گئے وہاں مفتی صاحب رحمہ اللہ کا بڑی شدت سے انتظار ہو رہا تھا مفتی

صاحب رحمہ اللہ پہنچے تو حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ مصلیٰ پر سجدہ ریز تھے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا مانگ رہے تھے آنسوؤں سے ڈاڑھی تر ہوگئی تھی۔ مفتی صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے اور انہوں نے آواز دی حضرت اللہ پاک کا شکر ہے ہمارا مطالبہ مان لیا گیا۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ دوبارہ سجدہ ریز ہوکر شکر بجالائے وہ روتے جاتے تھے اور کہہ رہے تھے اللہ پاک ہم آپ کا شکر کیسے ادا کریں؟ آپ نے ہم پر بڑا احسان کیا سجدہ سے اٹھتے ہوئے فرمانے لگے اللہ تعالیٰ نے مجھے سرخرو کیا ہے مرنے کے بعد حضرت امیر شریعتؒ سے ملاقات ہوئی تو میں کہہ دونگا کہ آپ کے مشن میں تھوڑا سا حصہ ڈال کر آیا ہوں آپ نے ختم نبوت کے جس پودے کو پانی دیا تھا میں اسے پھل لگے ہوئے دیکھ آیا ہوں۔ دوستو! میری بات سن لو، حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت کا خطاب اس وقت کے پانچ سو اجل علماء نے دیا تھا اور میری خوش قسمتی ہے کہ میرے دستخط دوسرے یا تیسرے نمبر پر موجود ہیں۔ (مجلہ النور کراچی سلسلہ اشاعت نمبر۳)

کشف کا ایک واقعہ

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مدرس دارالعلوم دیوبند فرماتے تھے کہ میں عشاء کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کے پاس جایا کرتا تھا، اور کبھی بے وضو نہیں گیا، باوضو ہی گیا، ایک مرتبہ بے وضو چلا گیا، اور میں تو سر پر تیل کی مالش کرنے کیلئے جاتا تھا، اس روز حضرت نے سر کو ہاتھ لگانے نہیں دیا، کسی اور کام میں لگا دیا، کچھ دیر کے بعد کہا، اچھا میرا خیال یہ ہے کہ تم وضو کرلو، میں نے وضو کیا۔

ایک دفعہ میں نے کہا کہ آپ نے ہمارا عقیدہ خراب کردیا۔ انہوں نے کچھ جواب نہیں دیا، اگلے روز پھر کہا کہ آپ نے ہمارا عقیدہ خراب کردیا، تو کچھ جواب نہیں دیا، تیسری مرتبہ پھر کہا تو پوچھا، کیوں؟ میں نے کیا خراب کردیا؟ میں نے کہا: آپ کو دیکھنے کے بعد دوسرے لوگ دوکاندار نظر آتے ہیں، ان کے پاس اخلاص نہیں۔ (ماہنامہ سلوک واحسان،۸۲)

استاد کی دُعا

حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ اپنے استاد محترم کیلئے سردی کے موسم میں

قرب و جوار کے کنوؤں سے گوبر کے اوپلے خشک اکٹھے کر کے پانی گرم کرتے اور تہجد کے وقت استاد محترم کی خدمت میں پیش کرتے۔ استاد صاحب مغرب اور عشاء کا وضو بھی اسی پانی سے کرتے۔ ایک رات سخت سردی پڑ رہی تھی۔ اور بوندا باندی بھی شروع تھی۔ آگ سلگاتے رات کا کافی حصہ گزر گیا۔ تہجد کے وقت جب استاد محترم جاگے تو خیال کیا کہ سردی کا موسم ہے شاید ''احسان احمد'' نے پانی گرم نہ کیا ہو۔ اور آج کی نماز تہجد قضا ہو جائے۔ لیکن آپ استاد محترم کیلئے سراپا انتظار تھے۔ خلاف توقع جب پانی کا لوٹا ہاتھ میں تھمایا اور استاد محترم نے سخت سردی کے عالم میں جب گرم پانی ہاتھ پر انڈیلا تو دل سے دعا نکلی اور سرائیکی زبان میں فرمایا ''احسان تو میری خدمت کیتی ہے خدا راضی تھیسوی میں راضی ہاں وقت آسی کہ بادشاہ وی تیڈیاں جوتیاں سیدھی کریسن۔'' یعنی احسان تو نے میری بہت خدمت کی ہے میں تجھ پر راضی ہوں خدا تعالیٰ بھی تم سے راضی ہو۔ انشاء اللہ وقت آئے گا کہ بادشاہ بھی تیری جوتیاں سیدھی کریں گے۔ اللہ اللہ'' قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے استاد محترم کی دعا کی تکمیل اپنی آنکھوں سے یوں دیکھی کہ جب میں والیٔ قلات کے ہاں مہمان ہوا تو دعوت سے فراغت کے بعد والیٔ قلات نے میری جوتیاں اٹھا کر سامنے رکھ دیں۔

(قاضی احسان احمد سوانح وافکار ۳۰)

قادیانیت کی سرکوبی

مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ ایک دفعہ مرزائیوں کی ان سرگرمیوں کا احتساب کرنے کیلئے کوئٹہ تشریف لے گئے جو مرزائیوں نے بلوچستان کو احمدی صوبہ بنانے کیلئے بپا کر رکھی تھیں اور جن کے پیچھے ایک گہری سازش کارفرما تھی۔ میاں امین الدین وہاں حکومت کے انچارج اعلیٰ تھے ان کا مزاج افسرانہ اور متکبرانہ تھا۔ قاضی صاحب نے ملاقات کیلئے وقت مانگا تو اس نے معذرت کر دی۔ قاضی صاحب نے دوبارہ کہلوایا کہ ملکی نوعیت کے مسائل پر گفتگو مقصود ہے۔ اس نے پندرہ منٹ عنایت فرما دیئے۔ قاضی صاحب اندر گئے۔ ملاقات شروع ہوئی مرزائیت کے متعلق بات شروع کی تو اس نے بڑے غرور سے کہا کہ اس کے متعلق ہم نے سرکلر کر دیا ہے۔ چھوڑیئے اس بات کو کوئی اور بات ہے تو کیجئے۔

قاضی صاحب نے فرمایا: وہ سرکلر آپ نے نہیں کیا میں مرکزی حکومت سے جاری کروا

کر آیا ہوں۔ میاں صاحب کی اکڑی ہوئی گردن کچھ ڈھیلی ہوئی، دریافت کیا آپ مرکز میں کس سے ملے تھے۔ قاضی صاحب نے مرکزی وزراء، وزیر اعظم کا نام لیا۔ اور سرکاری محکموں میں مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں کے متعلق سرکلر کے جاری کئے جانے کی تفصیل بتائی۔ میاں صاحب کی گردن میں مزید خم پیدا ہوگیا۔ اب قاضی صاحب نے اپنا صندوق اندر منگوایا اور مرزائیوں کے متعلق وہ تمام حوالے نکال نکال کر دکھانے شروع کئے جن میں مرزائیت کے سیاسی عزائم اور بلوچستان پر قبضہ کرنے کی باتیں درج تھیں، مرزائی لٹریچر سے میاں صاحب نے وہ حوالے دیکھے تو قاضی صاحب نے فرمایا میاں صاحب بلوچستان کے متعلق یہ خطرات آپ کے علم میں ہیں۔ میاں صاحب نے جواب دیا: مجھے تو ان باتوں کا علم نہیں تو آپ نے مرکز کو بھی قادیانی سرگرمیوں کی کوئی اطلاع نہیں بھجوائی ہوگی۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ کے زیر انتظام علاقہ میں ملکی سالمیت کے خلاف یہ سازشیں پروان چڑھ رہی ہیں۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی علم نہیں۔ یہ سن کر میاں صاحب بالکل جھک کر بیٹھ گئے۔ اب وہ سب اکڑفوں ختم ہوگئی۔ گفتگو شروع ہوئی جو اڑھائی گھنٹے تک جاری رہی۔ قاضی صاحب نے معلومات کا ذخیرہ جمع کردیا۔ وہ حیران سے حیران تر ہوتا چلا گیا۔ اب قاضی صاحب نے اسے گریبان سے پکڑ لیا اور محبت سے کبھی اپنی طرف کھینچتے اور پھر کبھی ڈھیلا کر کے اسے پیچھے لے جاتے اور اپنی خاص ادا میں فرمایا: میاں صاحب ابھی تو آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی جا کر اپنے فرائض کا جواب دینا ہے کہ آپ نے اسلامی حکومت کے ایک بہت بڑے صوبہ کی ذمہ داریوں کو کیوں نہیں ادا کیا تھا؟ (قاضی احسان احمد شجاع آبادی سوانح و افکار ۳۴)

عربی اشعار کا ذوق

حضرت مولانا شیخ محمد یوسف بنوریؒ کے شاگرد حضرت مولانا مولیٰ بخش صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

ایک موقعہ پر ایک غیر مشہور لفظ کی لغوی تحقیق و تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس لفظ کو متنبی نے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے۔ اور وہ شعر پڑھ کر آگے پڑھتے چلے گئے۔ کئی اشعار پڑھ کر سنانے کے بعد فرمایا کہ یہ اس وقت کا سرسری مطالعہ ہے کہ جب میں نے حضرت والد صاحبؒ کے شدید اصرار پر مولوی فاضل کا امتحان دیا تھا۔ جس میں مقامات

حریری، بیضاوی، ہدار، میبذی، توضیح، دیوان حماسہ، دیوان متنبیؔ وغیرہ بہت سی اہم فنی کتابوں کے حصے امتحان کے نصاب میں داخل تھے۔ اوران کتابوں میں بعض ایسی بھی ہیں جو میں نے تحصیل کے زمانہ میں پڑھی ہیں دیوان متنبیؔ بھی انہی ناخواندہ کتابوں میں سے ایک ہے۔ بسا اوقات کسی مناسبت سے سبعہ معلقہ کے دو چار شعر پڑھ کر ہم سے دریافت فرماتے کہ ''یاد ہے۔'' جب جواب نفی میں ملتا یا اکثر سکوت طاری رہتا تھا۔ تو نہایت حکیمانہ انداز میں سرزنش کے طور پر فرماتے کہ ''کیا یاد ہوگا تم تو صوفی لوگ ہو (وما علمناه الشعر وما ينبغي له) (۳۶:۶۹) شعروشاعری تو تمہاری شان کے خلاف ہے۔

ایک مرتبہ حسب معمول امتحان گاہ میں تشریف لا رہے تھے اور کافی سال پہلے کے کچھ مسودات ہاتھ میں تھے جن میں علمی جواہر پارے جمع فرمائے تھے۔ دور سے نمایاں ہوتا تھا کہ آج آپ پر نہایت نشاط کی کیفیت ظاہر ہو رہی ہے۔ اساتذہ کرام موجود تھے، کچھ مسودات خود بھی پڑھ کر سنائے اور کچھ دکھائے بھی اور پھر مجلس خوب طویل ہوگئی۔ اسی اثناء میں اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ مدرسی کے ابتدائی زمانہ میں میرے ایک دوست کا عربی منظوم خط میرے پاس آیا جس میں ادیبانہ انداز کے علاوہ شاعرانہ ذوق خوب نمایاں تھا۔ چنانچہ ان سے دو چار شعر پڑھ کر سنا بھی دیئے۔ پھر فرمایا کہ اسباق سے فارغ ہوکر میں ڈاکخانہ گیا اور وہیں کھڑے کھڑے ایک پوسٹ کارڈ پر اس کا منظوم عربی جواب لکھ کر ڈاک کے حوالے کر دیا۔ اور فرمایا کہ وہ شعر یہ تھے اور پھر اکثر شعر پڑھ کر سنا دیئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو ارتجالاً عربی شعر کہنے پر بھی قدرت ومہارت تھی۔ (خصوصی نمبر ا ۷)

والد کا احترام

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا سحبان محمودؒ کے والد ماجد بڑے نازک مزاج اور جلالی بزرگ تھے۔ خلاف طبع باتوں پر وہ حضرت مولانا کے شاگردوں کے سامنے بھی ان پر بگڑ جاتے تھے۔ لیکن ایسے موقع پر حضرت مولانا کا رویہ جتنا متواضع اور نیازمندانہ ہوتا تھا۔ اس کی مثالیں اب بہت کم ملیں گی۔ والد صاحبؒ کی اطاعت ہی کا مظہر یہ واقعہ بھی ہے۔ کہ حضرت مولانا کا اصل نام جو والدین نے رکھا تھا ''سبحان محمود'' تھا۔ جب مولانا کا تعلق ہمارے والد ماجدؒ (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) سے ہوا تو

حضرت والد صاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ "سبحان" نام مناسب معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ عام طور سے یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ (جیسے سبحان اللہ) حضرت والد صاحبؒ نے مشورہ دیا کہ آپ اپنا نام بدل کر "سحبان محمود" کر لیجئے۔

حضرت مولانا اس تجویز سے متفق بھی تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت والد صاحبؒ کی اس ہدایت پر عمل کریں۔ لیکن جب انہوں نے یہ تجویز اپنے والد سے ذکر کی تو انہوں نے نام بدلنے سے منع کر دیا۔ اب ایک طرف تو مفتی اعظم پاکستانؒ کی تجویز تھی۔ جس سے وہ خود متفق تھے۔ اور مذکورہ ابہام کی وجہ سے خود اپنے نام کو مناسب نہ سمجھتے تھے۔ لیکن دوسری طرف اپنے والد کا حکم تھا۔ حضرتؒ نے اس مشکل کا حل یہ نکالا کہ اپنے نام کی تبدیلی کا اعلان تو نہیں کیا (کیونکہ اس نام کو صراحۃً ناجائز بھی نہیں کہا جا سکتا تھا اور والد تبدیلی کے حق میں نہیں تھے) لیکن اپنے دستخط اس طرح بنالئے کہ سحبان بھی پڑھا جا سکتا تھا۔ جب تک مولانا کے والد بقید حیات رہے۔ انہوں نے نام تبدیل نہیں کیا۔ لیکن والد کی وفات کے بعد ابھی دو تین سال پہلے ختم بخاری کے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے مشورے کے مطابق اپنا نام تبدیل کرتا ہوں، اور آج کے بعد مجھے سحبان محمود کہا اور لکھا جائے۔

اندازہ فرمائیے کہ اس واقعے میں کن کن پہلوؤں کی رعایت ہے۔ دستخط میں نام فوراً اس طرح تبدیل کر لیا کہ وہ حضرت مفتی صاحبؒ کے مشورے کے مطابق ہو جائے، مگر اعلان اپنے والد کے احترام میں مدتوں روکے رکھا۔ اور پھر تبدیلی کا اعلان ایک ایسے وقت فرمایا جب وہ ہزار افراد کے مقتدا تھے۔ عمر کے اس مرحلے میں اس تبدیلی کا اعلان یقیناً بے نفسی کے اعلیٰ ترین مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔ (ماہنامہ البلاغ اشاعت خصوصی ۲۶)

بڑھیا کا گھڑا

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر والد محترم (مفتی محمد شفیعؒ) نے ایک واقعہ سنایا کہ میں دیوبند میں ایک دن نماز فجر کیلئے جا رہا تھا کہ سامنے ایک بہت ہی ضعیف بڑی بی کو دیکھا جو پانی کا گھڑا کنوئیں سے بھر کر لا رہی تھیں مگر اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا بمشکل چند قدم چل کر زمین پر بیٹھ جاتی تھیں، مجھ سے دیکھا نہ گیا، پاس جا کر کہا "لاؤ ماں

یہ گھڑا تمہارے گھر پہنچا دوں" یہ کہہ کر میں نے گھڑا اٹھا لیا وہ جولاہوں کے محلّہ میں رہتی اور اسی برادری سے تعلق رکھتی تھیں جب میں گھڑا بڑی بی کے گھر میں رکھ کر باہر نکلا تو وہ نہایت لجاجت اور الحاح سے دعائیں دینے لگیں جو مجھے کافی آگے تک سنائی دیتی رہیں اگلے دن پھر اسی وقت اور اسی حال میں میں نے گھڑا اٹھا کر ان کے گھر پہنچا دیا، واپسی پر دور تک پھر ان کی دعائیں سنتا رہا میں نے یہ سوچ کر کہ یہ سودا تو بڑا سستا ہے کہ چند فٹ کی محنت پر اتنی دعائیں ملتی ہیں میں نے روز کا یہی معمول بنا لیا۔ بڑی بی بھی اس کی عادی ہو گئیں۔ اب میں کنویں پر ہی پہنچنے کی کوشش کرتا تھا تا کہ انہیں ڈول بھی کھینچنا نہ پڑے۔

بحمد اللہ یہ معاملہ عرصہ دراز تک جاری رہا، یہاں تک کہ بڑی بی نے ہی آنا چھوڑ دیا شاید ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ پھر فرمایا کہ یہ واقعہ بھی آج پہلی بار تم ہی کو بتا رہا ہوں تا کہ کچھ حاصل کر لو۔ (حیات مفتی اعظم ۵۲)

زیارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مرتبہ آپ (یعنی حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جو مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے چچا زاد بھائی تھے) بزمانہ طالب علمی بیمار ہوئے کہ کسی کو زیست کی امید نہ رہی سہارنپور میں ایک حکیم صادق تھے آپ کے والد نے بغرض علاج ان کے پاس لے جانا چاہا اور رتھ بھی کرایہ کر لیا۔ آپ فرماتے تھے کہ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ مدینہ منورہ روضہ مطہرہ پر حاضر ہوں اور بڑے شوق سے صلوٰۃ وسلام پڑھ رہا ہوں کیا دیکھتا ہوں کہ دفعۃً دروازہ کھلا اور میں سلام پڑھتا ہوا اندر داخل ہوا تھوڑی دیر بعد دوسرا دروازہ کھلا اور میں اندر گیا تو معلوم ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ملاء اعلیٰ کی سیر کیلئے تشریف لے گئے میں ٹھہرا رہا اور ذرا بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ ایک تخت پر تشریف لائے کہ داہنی طرف ابوبکرؓ تھے اور بائیں طرف عمر فاروقؓ، میں نے حضرت کو دیکھتے ہی پھر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنا شروع کیا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف رخ فرما کر پوچھا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت بیماری کی وجہ سے میرا پڑھنا رہ گیا، میرے لئے دعا فرما دیجئے کہ صحت ہو جائے فرمایا تو اچھا ہے یا اچھا ہو گیا (صحیح لفظ یاد نہیں رہا) اس کے بعد آنکھ کھل گئی صبح کو اٹھا تو آرام معلوم ہوتا تھا مگر چونکہ رتھ کرایہ پر لی گئی تھی اس لئے مجھے سہارنپور لے گئے حکیم صاحب

نے نبض دیکھ کر والد صاحب سے فرمایا کہ پیر جی صاحب تمہارا لڑکا تو بالکل اچھا ہے صرف نقاہت اور ضعف باقی ہے سو معجون کا نسخہ لکھے دیتا ہوں اس کو کھلائیں ضعف بھی جاتا رہے گا۔ (تذکرۃ الخلیل ۲۲۳)

قوتِ حافظہ

احقر (حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ) کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بار بار یہ واقعہ بیان فرمایا کہ جب میں دارالعلوم دیوبند میں ملاّ حسن پڑھتا تھا تو ایک روز اس کی عبارت پر کچھ شبہ ہوا جو حل نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ حضرت (انور شاہ) شاہ صاحبؒ سے اس کے بارے میں استفسار کرنا چاہئے چنانچہ میں کتاب لے کر ان کی تلاش میں نکلا، وہ اپنی جگہ پر نہیں تھے اور جب وہ اپنی جگہ پر نہ ہوں تو ان کا کتب خانہ میں ہونا متعین تھا۔ میں کتب خانہ میں پہنچا تو وہ کتب خانہ کی بالائی گیلری میں بیٹھے مطالعہ میں مشغول تھے۔ میں ابھی نیچے ہی تھا کہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور اوپر ہی سے میرے آنے کی وجہ پوچھی۔ میں نے عرض کیا کہ ملاّ حسن کے ایک مقام پر کچھ اشکال ہے وہ سمجھنا تھا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے فرمایا: ''اچھا! یہاں آپ کو یہ شبہ ہوا ہوگا'' اور پھر بعینہٖ وہی اشکال دہرا دیا جو میرے دل میں تھا۔ میں نے تصدیق کی کہ واقعی یہی شبہ ہے۔ اس پر انہوں نے اس کے جواب میں وہیں سے ایسی تقریر فرمائی کہ تمام اشکال کافور ہو گئے۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ عرصۂ دراز سے حدیث کی تدریس میں مصروف تھے اور منطق کی کتابوں سے واسطہ تقریباً ختم ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود یہ حافظہ اور یہ استحضار کرشمۂ قدرت نہیں تو اور کیا ہے؟ (اکابر دیوبند کیا تھے، ۹۵)

چالیس سال پہلے

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی ایک تصنیف کے سلسلہ میں ابوالحسن کذاب کے حالات کی ضرورت تھی، مجھے ان کی تاریخ نہ ملی۔ چنانچہ میں حسب معمول حضرت انور شاہؒ کے در دولت پر پہنچ گیا۔ اس وقت مرض وفات اپنی آخری حد تک پہنچ چکا تھا اور دو تین ہفتے بعد وصال ہونے والا تھا۔ کمزور بے حد ہو چکے تھے، ابتدائی گفتگو

کے بعد میں نے آنے کی غرض بتائی تو انہوں نے فرمایا کہ تاریخ اور ادب میں فلاں فلاں مواقع کا مطالعہ کرلیجئے اور تقریباً آٹھ دس کتابوں کے نام لے دیئے۔ میں نے عرض کیا: حضرت مجھے تو اتنی کتابوں کے اسماء یاد نہیں رہیں گے نیز انتظامی مہمات کے بکھیڑوں میں اتنی فرصت بھی نہیں کہ چند جزوی مثالوں کیلئے اتنا طویل وعریض مطالعہ کروں۔ بس آپ ہی اس شخص کی دروغ گوئی کے متعلق واقعات کی دو چار مثالیں بیان فرمادیں، میں انہی کو آپ کے حوالے سے جزو کتاب بنادونگا۔ اس پر مسکرا کر ابوالحسن کذاب کی تاریخ اس کی سن ولادت سے سن وار بیان فرمانی شروع کردی جس میں اس کے جھوٹ کے عجیب وغریب واقعات سناتے رہے۔ آخر میں سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شخص مرتے ہوئے بھی جھوٹ بول کر گیا پھر اس جھوٹ کی تفصیل بیان فرمائی۔

حیرانی یہ تھی کہ یہ بیان اس طرز سے ہورہا تھا کہ گویا حضرت ممدوح نے آج کی شب میں مستقلاً اس کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے جو اس بسط سے سن وار واقعات بیان فرمارہے ہیں۔ چنانچہ میں نے تعجب آمیز لہجے میں عرض کیا کہ ''حضرت! شاید کسی قریبی زمانے ہی میں اس کی تاریخ دیکھنے کی نوبت آئی ہوگی؟'' سادگی سے فرمایا جی نہیں! آج سے تقریباً چالیس سال کا عرصہ ہوا ہے جب میں مصر گیا ہوا تھا۔ خریوی کتب خانہ میں مطالعہ کیلئے پہنچا تو اتفاقاً اسی ابوالحسن کذاب کا ترجمہ سامنے آگیا اور اس کا مطالعہ دیر تک جاری رہا بس اسی وقت جو باتیں کتاب میں دیکھیں حافظہ میں محفوظ ہوگئیں اور آج آپ کے سوال پر مستحضر ہوگئیں جن کا میں نے اس وقت تذکرہ کیا۔ (حیات انور ۲۲۵ تا ۲۲۸)

ہمیں ہے حکم اذاں ......

ایک مرتبہ شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم کی طرف سے دعوت تھی، اور وہاں کھڑے ہوکر کھانے کا انتظام تھا، جسے حضرت مفتی محمد شفیع ؒ صاحب کھڑا کھیل فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع ؒ حسب معمول اپنا کھانا لے کر کہیں جا بیٹھے، آپ کو دیکھ کر بعض دوسرے حضرات بھی وہیں آگئے، یہانتک کہ وہ ایک محفل سی بن گئی، لیاقت علی خان صاحب مرحوم دعوت میں عام مہمانوں کے ساتھ مصروف تھے، کھانے کے اختتام پر وہ حضرت مفتی صاحب کے پاس آگئے اور کہنے لگے مفتی صاحب کھایا تو آپ نے ہے، ہم نے تو چرا ہے۔ (مآثر مفتی اعظم ۶۴)

انت ملکٌ کریم

علامہ طنطاوی مرحوم سے حضرت مولانا بنوریؒ کا تعارف ہوا تو انہوں نے مولانا سے پوچھا کہ کیا آپ نے میری تفسیر کا مطالعہ کیا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ: "ہاں! اتنا مطالعہ کیا ہے کہ اس کی بنیاد پر کتاب کے بارے میں رائے قائم کر سکتا ہوں۔" علامہ طنطاوی نے رائے پوچھی تو مولانا نے فرمایا: "آپ کی کتاب اس لحاظ سے تو علماء کیلئے احسان عظیم ہے کہ اس میں سائنس کی بے شمار معلومات عربی زبان میں جمع ہوگئی ہیں۔ سائنس کی کتابیں چونکہ عموماً انگریزی زبان میں ہوتی ہیں اس لئے علماء دین ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ آپ کی کتاب علماء دین کیلئے سائنسی معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے لیکن جہاں تک تفسیر قرآن کا تعلق ہے اس سلسلے میں آپ کے طرز فکر سے مجھے اختلاف ہے۔ آپ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ عصر حاضر کے سائنس دانوں کے نظریات کو کسی نہ کسی طرح قرآن کریم سے ثابت کر دیا جائے اور اس غرض کیلئے بسا اوقات تفسیر کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی سے بھی دریغ نہیں کرتے، حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ سائنس کے نظریات آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ آج آپ جس نظریئے کو قرآن کریم سے ثابت کرنا چاہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ کل وہ خود سائنس دانوں کے نزدیک غلط ثابت ہو جائے۔ کیا اس صورت میں آپ کی تفسیر پڑھنے والا شخص یہ نہ سمجھ بیٹھے گا کہ قرآن کی بات (معاذ اللہ) غلط ہوگئی۔"

مولانا نے یہ بات ایسے مؤثر اور دل نشین انداز میں بیان فرمائی کہ علامہ طنطاوی مرحوم متاثر ہوئے اور فرمایا:

"ایھا الشیخ لست عالماً هندیاً وانما انت ملک کریم انزله الله من السماء لاصلاحی"

حضرت! آپ کوئی ہندوستانی عالم نہیں! بلکہ آپ فرشتہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میری اصلاح کیلئے نازل کیا ہے۔" (خصوصی نمبر، ۵۳۷ تا ۵۴۰) (جمال یوسف ۱۵۹)

تشریف آوری کی برکت

جامع مسجد جیکب لائنز کے بارے میں مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک

نہایت ایمان افروز واقعہ کا ذکر فرمایا کہ مولانا عبدالخالق مرحوم بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ کے ایک رکن اور نہایت متقی اور زاہد شب زندہ دار شخص تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے حالت بیداری میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت فرمائی۔ انہوں نے کہا کہ ''جمعہ کے دن میں نے دیکھا کہ مسجد (جیکب لائنز) نمازیوں سے خالی ہے اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ مولانا عبدالخالق کا کہنا تھا کہ ان کو حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مقدس زیارت حالت بیداری میں ہوئی تھی۔''

مولانا تھانوی مرحوم فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی تشریف فرمائی کی برکت ہے کہ انہیں کبھی مسجد کیلئے چندے کی اپیل نہیں کرنی پڑی حالانکہ مسجد کی تعمیر میں لاکھوں روپے صرف ہوچکے ہیں۔ دوسری اہم بات جو مشاہدے میں آئی، وہ یہ ہے کہ یہ مسجد روز و شب میں کسی وقت تلاوت کرنے والوں، نوافل اور اوراد و وظائف ادا کرنے والوں سے خالی نہیں رہتی۔

اس سے مسجد کی تعمیر میں مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کی مساعی کا عنداللہ مقبول ہونا ثابت ہوتا ہے۔

آج حضرت تھانوی کے انتقال کے تقریباً بارہ برس کے بعد بھی یہ مسجد دعوت وارشاد اور تبلیغ واشاعت کا بہت بڑا مرکز ہے۔ (آپ بیتی ۴۷)

جہاز کے ملازم کا رویہ اور آپ کا حسن سلوک

حضرت مولانا فیاض احمد ہستی لکھتے ہیں کہ حضرت سید حسین احمد مدنیؒ نے ایک مرتبہ جمعیۃ کے کسی پروگرام کے سلسلے میں رنگون کا سفر فرمایا اور جب بحری جہاز سے آپ کی واپسی ہوئی تو میزبان نے حضرتؒ کے آرام کی غرض سے ایک خادم بھی ساتھ کر دیا۔ حضرت کا ٹکٹ فرسٹ کلاس کا تھا اور خادم کا ٹکٹ تیسرے درجے کا۔ چونکہ حضرتؒ کے کیبن میں کوئی دوسرا مسافر نہیں تھا اس لئے آپ کی خواہش تھی کہ خادم بھی اسی میں رہے مگر جہاز کا ملازم جب بھی وہاں حاضر ہوتا خادم کی موجودگی پر اعتراض کرتا۔ چنانچہ حضرتؒ نے ایسا کیا کہ خود ہی زیادہ تر وقت تیسرے درجے میں گزارنے لگے۔ جب سفر ختم ہوا اور چوتھے دن جہاز ساحل پر پہنچا تو وہ راستے میں اپنے غلط رویہ کے باوجود حضرتؒ کی خدمت میں بھی اپنے دستور کے مطابق

انعام اور بخشش لینے پہنچ گیا۔ خادم نے عرض کیا کہ حضرتؒ! اس نے ہمیں راستے میں تکلیف پہنچائی ہے اس لئے اسے بھی محروم کردیجئے۔ لیکن حضرتؒ نے فرمایا کہ نہیں اس کا حق دیا جائے گا اور یہ کہہ کر حضرتؒ نے پورے چار روپے گن کر اس کی جانب بڑھائے یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ایک روپیہ موجودہ دور کے سو روپے کے مساوی ہوتا تھا اور بڑے سے بڑا انگریز افسر بھی جہاز کے ملازمین کو ایک روپیہ سے زیادہ نہیں دیتا تھا۔ ملازم نے حضرتؒ کے ہاتھ میں بجائے ایک روپیہ کے چار روپے دیکھے تو اس نے یہ خیال کیا کہ چونکہ اس نے راستے میں تکلیف پہنچائی ہے اس لئے شاید اس سے مذاق کیا جارہا ہے۔ حضرتؒ نے اس کے تذبذب اور ندامت کو محسوس کرتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے فرمایا کہ لو! یہ روپے تمہارے ہی لئے ہیں۔ چنانچہ اس نے روپے لے لئے۔ یہ دیکھ کر خادم سے رہا نہ گیا اور حضرتؒ سے کہا کہ اس جہاز کے ملازم نے تو ہمیں راستے میں تکلیف پہنچائی اور آپ نے اکٹھے اسے چار روپے دیدیئے جبکہ بڑے سے بڑا انگریز افسر بھی ایک روپے سے زیادہ انعام نہیں دیتا۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا بھائی اصل بات یہ ہے کہ یہ سمجھا ہے کہ انعام اور بخشش صاحب بہادروں (انگریز) سے ہی ملتی ہے ہمارے جیسے مولویانہ صورت والوں سے وہ کسی انعام کی توقع نہ رکھتا ہوگا اس لئے اس نے ہم لوگوں کے ساتھ مناسب برتاؤ کا ثبوت نہ دیا۔ ہمارا سفر تو بہرحال ختم ہوگیا لیکن یہ روپے اسے میں نے اس لئے دیئے ہیں کہ اسے یقین آجائے کہ ہمارے جیسے لوگ انگریزوں سے کہیں زیادہ دے سکتے ہیں، اب مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ شخص ہماری جیسی صورت والے کسی اللہ کے بندے کو نہیں ستائے گا، بلکہ اس کو آرام ہی پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ (ماہنامہ الفرقان)

اتباع سنت

حضرت مدنی کا خادم محمد اکبر اندرون خانہ و بیرون خانہ کے کام کاج اور بچوں کے کھلانے پر مامور تھا، یہ ملازم اپنی نوعمری کے باعث ادھر اُدھر کھیلتا پھرتا اور حضرتؒ درس حدیث کیلئے مدرسہ آمد و رفت کے وقت اس کو بار بار دیکھتے لیکن زجر و تنبیہ نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ یہی ملازم حضرتؒ کی چھوٹی بچی عمرانہ کو دارالعلوم کے چمن میں اس جگہ کھلا رہا تھا جہاں آج کل ٹیوب ویل ہے اس وقت ٹیوب ویل نہ تھا بلکہ اسے نصب کرنے کیلئے صرف

زمین کھودی گئی تھی اور وہاں بہت بڑا گڑھا موجود تھا۔ ملازم کی لاپرواہی سے بچی گڑھے میں گرگئی اور کسی چیز سے اس طرح ٹکرائی کہ اس کا ہونٹ پھٹ گیا فضل خداوندی شامل حال تھی کہ بچی موت کے منہ سے بال بال محفوظ رہی کیونکہ چند طلباء اس کنویں میں کود گئے اور عمرانہ کو باہر نکال لائے حضرتؒ کے علم میں یہ واقعہ آیا لیکن آپ نے خادم سے نہ کوئی سخت بات فرمائی اور نہ اسے کسی قسم کی سزا دی۔ (انفاس قدسیہ)

زم زم تو لیتے جایئے

آخری حج سے حضرت مدنیؒ کی واپسی ہوئی تو اس موقع پر ایک دن بعد نماز ظہر مہمان خانے میں تشریف فرما تھے کہ مظفر نگر کے ایک ڈاکٹر صاحب بغرض ملاقات تشریف لائے جب کافی دیر انہیں بیٹھے ہوئے ہو گئی تو انہوں نے حضرتؒ کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ حضرتؒ نے فوراً انہیں ڈاڑھی کے سلسلے میں ٹوکا اور نصیحت فرمائی انہیں یہ بات ناگوار گزری اور (جھنجھلا کر) نہایت اونچی آواز سے کہا کہ مولانا! آپ کو کیا معلوم کہ ہمیں کس قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے بہت سے مواقع ایسے آئے ہیں کہ اس ڈاڑھی کے نہ ہونے کی وجہ سے جان بچی ہے یہ کہہ کر وہ چل دیئے مگر حضرتؒ نے فرمایا: کہاں جاتے ہیں؟ کھجوریں اور آب زم زم تو لیتے جایئے! اور فوراً ہی یہ دونوں چیزیں باصرار عنایت فرمائیں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو مکان سے نکال دیتا مگر حضرتؒ نے ان کی بدتمیزی کے باوجود وسعتِ اخلاق میں فرق نہ آنے دیا، اسی قسم کا ایک واقعہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے مقدمہ مکتوبات جلد ثانی میں تحریر فرمایا ہے کہ (حضرتؒ نے) جمعہ کی نماز ایک جامع مسجد میں ادا فرمائی۔ اس مسجد کے خطیب صاحب حضرات دیوبند کی تکفیر کرنے والوں میں سے تھے، انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض بزرگوں کے متعلق بہت کچھ کہا مولانا سنتوں سے فارغ ہو کر خاموش بیٹھے تھے۔ نماز ہوئی اور پھر خاموش تشریف لے آئے سفر کے اختتام تک کہیں بھول کر بھی خطیب صاحب کا تذکرہ نہیں کیا۔ (انفاس قدسیہ)

مفتی صاحب سو رہے ہیں

☆ایک مرتبہ مشرقی پاکستان کے ایک بڑے دینی مدرسے کا جلسہ تھا جس کے مہتمم

صاحب سے حضرت مفتی (محمد شفیعؒ) صاحبؒ کے دیرینہ دوستانہ مراسم تھے اس جلسے میں انہوں نے اس وقت صدر مملکت کو بھی مدعو کیا تھا اتفاق سے اس وقت کے سربراہ مملکت ایسے صاحب تھے جن سے حضرت مفتی صاحبؒ کو دینی معاملات میں کسی خیر کی توقع نہ تھی اس لئے آپ نے یہ طے کیا ہوا تھا کہ مجھے ان صاحب سے کبھی ملاقات نہیں کرنی جب جلسے کا دن آیا اور صدر صاحب کی آمد آمد ہوئی تو حضرت مفتی صاحبؒ نے مدرسے کے مہتمم صاحب سے فرمایا کہ ''میں ان صاحب سے نہ ملنا چاہتا ہوں نہ یہ پسند کرتا ہوں کہ ان سے میرا سامنا ہو اس لئے آپ مجھے کوئی ایسا کمرہ بتا دیجئے جہاں میں سو جاؤں، انہوں نے ایک کمرہ حضرت مفتی صاحبؒ کیلئے مخصوص کر دیا اور آپ وہاں سو گئے جب صدر صاحب تشریف لائے اور انہیں مدرسے کا معائنہ کرایا گیا تو معائنے کے دوران مہتمم صاحب انہیں اس کمرے پر بھی لائے اور اندر اشارہ کر کے فرمایا ''اس میں مفتی محمد شفیعؒ صاحب سو رہے ہیں۔''

صدر صاحب کے جانے کے بعد جب مہتمم صاحب نے حضرت مفتی صاحبؒ سے اس واقعے کا تذکرہ فرمایا تو آپ نے کہا ''اگرچہ میں نے آپ سے یہ درخواست نہیں کی تھی کہ آپ انہیں میری اس انداز سے موجودگی جتائیں لیکن یہ اچھا ہوا، انہیں معلوم تو ہو کہ ملک میں ایسے ''کج دماغ لوگ'' بھی موجود ہیں۔

حقیقت

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ اگر کوئی چیز بھی گم ہو جاتی تو اسے اجمالی طور پر تلاش ضرور کرتے خواہ وہ ایک پائی ہی کی کیوں نہ ہو اور فرماتے تھے کہ یہ بڑی ناقدری کی بات ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی اس عطا سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھ کر اسے تلاش ہی نہ کرے۔

قاسم العلوم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بچپن ہی سے ذی فہم اور فطانت و ذکاء کا مجموعہ تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دین متین کیلئے اعلیٰ علمی صلاحیتوں کے ساتھ حضرت والا کو چن لیا تھا، چنانچہ ایام طالب علمی میں ایک خواب دیکھا تھا کہ ''میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔'' اس خواب کا تذکرہ حضرت

مولانا مملوک علی صاحبؒ سے کیا انہوں نے فرمایا کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس خواب کی تعبیر روز روشن کی طرح عیاں کردی، آج حضرت اقدس کے علوم کی بہاریں ہی تو عالم علم کو تروتازہ کئے ہوئی ہیں۔ مولانا محمد یعقوبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مولوی صاحب (مولانا قاسم نانوتویؒ) سب کتابیں بے تکلف پڑھاتے تھے اور اس طرح کے مضامین بیان فرماتے تھے کہ نہ کسی نے سنے اور نہ سمجھے اور عجیب وغریب تحقیقات ہر فن میں بیان فرماتے تھے جس سے تطبیق اختلافات اور تحقیق ہر مسئلہ کی ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ مولانا یعقوبؒ نے چھتے کی مسجد میں فرمایا جبکہ لوگوں کا مجمع تھا کہ بھائی آج تو ہم صبح کی نماز میں مرجاتے بس کچھ ہی کسر رہ گئی تھی، عرض کیا گیا، کیا حادثہ پیش آیا، فرمایا کہ آج صبح کی نماز میں سورۂ مزمل پڑھ رہا تھا کہ اچانک علوم کا اتنا عظیم الشان دریا میرے قلب کے اوپر گزرا کہ میں تحمل نہ کرسکا اور قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جائے مگر وہ دریا جیسا کہ ایک دم آیا، ویسے ہی نکلا چلا گیا اس لئے میں بچ گیا، نماز کے بعد میں نے غور کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے تو منکشف ہوا کہ حضرت مولانا نانوتوی صاحبؒ ان ساعتوں میں میری طرف متوجہ ہوئے تھے، یہ ان کی توجہ کا اثر تھا، پھر فرمایا کہ اللہ اکبر جس شخص کی توجہ کا یہ اثر ہے کہ علوم کے دریا دوسروں کے قلوب میں موجیں مارنے لگیں اور تحمل دشوار ہوجائے تو خود اس شخص کے قلب کی وسعت وقوت کا کیا حال ہوگا جس میں وہ خود علوم ہی سمائے ہوئے ہیں اور وہ کس طرح ان علوم کا تحمل کیئے ہوئے ہیں۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ حضرت نانوتویؒ کی تصانیف پر بہت نگاہ رکھتے تھے اور یہ جملہ فرمایا کرتے تھے کہ "سو برس تک فلسفہ کتنے روپ بدل کر آئے لیکن حضرت کی حکمت قلعی کھولنے کیلئے کافی ہوگی، سو برس تک کوئی اسلام کا مقابلہ اور اسلام پر حجت سے حملہ نہیں کرسکتا اتنی حجتیں جمع فرمادیں۔

حضرتؒ کی ہر چیز بیچ کی نہ تھی بلکہ آخری کنارے پر لگی ہوئی تھی۔

(ملت اسلام کی محسن شخصیات ۱۴۵)

الہامی بنیادیں

دارالعلوم دیوبند کیلئے زمین مل جانے کے بعد جب حضرت مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندی قدس سرہٗ مہتمم ثانی دارالعلوم دیوبند (جو نقشبندی خاندان کے اکابر میں سے تھے،

صاحب کشف و کرامات اور صاحب واردات بزرگ تھے) کے زمانہ اہتمام میں مدرسہ کی عمارت تجویز ہوئی اور اس کی پہلی بنیاد کھود کر تیار کی گئی اور وقت آ گیا کہ اسے بھرا جائے اور اس پر عمارت اٹھائی جائے، مولانا علیہ الرحمہ نے خواب دیکھا کہ اس زمین پر حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، عصا ہاتھ میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مولانا سے فرمایا شمال کی جانب جو بنیاد کھودی گئی ہے اس سے صحن مدرسہ چھوٹا اور تنگ رہے گا اور آپ نے عصائے مبارک دس بیس گز شمال کی جانب ہٹ کر نشان لگایا کہ بنیاد یہاں ہونی چاہئے۔ تاکہ مدرسہ کا صحن وسیع رہے، جہاں تک اب صحن کی لمبائی ہے، علیہ الرحمہ خواب دیکھنے کے بعد علی الصباح بنیادوں کے معائنے کیلئے تشریف لے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان لگایا ہوا اسی طرح بدستور تھا، تو مولانا نے پھر نہ ممبروں سے پوچھا اور نہ کسی سے مشورہ کیا اسی نشان پر بنیاد کھدوا دی اور مدرسے کی تعمیر شروع ہو گئی۔

اس سے واضح ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی بنیادیں بھی الہامی اور اشارات غیب کے تحت ہیں، اس کا سنگ بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو تمام اہل اللہ و اکابر جمع ہی نہیں تھے بلکہ ان کے قلوب میں ایک عجیب بشاشت و کیفیت کا نور موجزن تھا، سنگ بنیاد میں جس سے بھی پہل کرنے کو کہا جاتا تو وہ کہتا کہ نہیں فلاں صاحب سے ابتداء کرائی جائے وہ سب کے بڑے اور اس کے اہل ہیں، گویا بے نفسی کا یہ حال تھا کہ اپنے کو کمتر سمجھ کر کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا تھا بالآخر اینٹ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ سے رکھوائی گئی، اور اس کے ساتھ ہی حضرت نانوتویؒ نے حضرت میاں منے شاہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا اور فرمایا کہ یہ وہ شخص ہیں جنہیں صغیرہ گناہ کا کبھی تصور نہیں آیا، تو انہوں نے حضرت محدث سہارنپوری کے ساتھ اینٹ رکھی جس سے واضح ہے کہ سنگ بنیاد رکھنے والے بھی وہ اہل اللہ تھے جو اتباع سنت اور روحانیت میں مستغرق تھے اور بے نفسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ (ملت اسلام کی محسن شخصیات ۱۵۰)

کشمیر کا محاذ

قیام پاکستان کے فوراً بعد ہندوؤں کی ہٹ دھرمی کی بناء پر کشمیر میں جنگ چھڑ گئی۔ تمام مکاتب فکر کے رہنماؤں نے اس جنگ کو جہاد کا نام دیا اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ نے نہایت مجاہدانہ مستعدی سے اس میں حصہ لیا۔ حضرت اس جہاد میں حصہ لینے کی

خاطر ہزاروں روپے کی وہ رقم جو شیرانوالہ مرکز میں جمع ہوتی خود لے کر آزاد کشمیر روانہ ہوتے اور اس وقت کی ذمہ دار شخصیت کے سپرد کر دیتے اور اس کا واپسی پر باقاعدہ اعلان کر دیتے۔ شب و روز اہمیت جہاد کا ذکر ہوتا۔

آپ بار بار فرماتے ''میرے دل کی تمنا یہی ہے کہ ڈوگروں کے مقابلے میں فرنٹ پر پہنچ کر صف اوّل میں شریک ہو جاؤں، سینے میں گولی لگے اور شہادت نصیب ہو جائے۔'' کئی دفعہ روپے، کپڑے اور باقی ضروریات کی فراہمی ہوئی اور حضرت خود راولپنڈی تشریف لے گئے۔ دس ہزار روپے کی خطیر رقم صدر سردار ابراہیم صاحب کے سپرد کی گئی۔ اس سفر میں آپ کے جانشیں حضرت قاری مولانا عبیداللہ انور ؒ بھی تھے۔

کشمیر میں جب جنگ زوروں پر تھی۔ مسلمان قبائل ہندو ڈوگروں سے برسرپیکار تھے اور قریب تھا کہ مسلمان مجاہدین سرینگر اور جموں پر قابض ہو جائیں۔ پنڈت نہرو نے ماؤنٹ بیٹن اور باقی ماہرین برطانیہ کی وساطت سے یو این او سے پاکستان پر زور ڈلوایا۔ پنڈت جی نے یقین دلایا کہ حالات پر سکون ہونے کے بعد کشمیر میں استصواب رائے کرایا جائے گا۔ لہٰذا ہمارے محبوب وزیراعظم لیاقت علی خان شہید ان کی پرفریب سیاست کے جھانسے میں آ گئے۔

(حضرت لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۲۵۶)

بے مثال تدریس

حضرت امام شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے امام ربانی قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے اخذ حدیث کیا۔ ۱۲۹۹ھ میں حج بیت اللہ سے مراجعت کے بعد حضرت اقدس گنگوہیؒ نے گنگوہ شریف میں دورۂ حدیث شریف کا آغاز کیا۔ دورۂ حدیث شریف کی تمام کتب حضرت والا خود پڑھاتے تھے۔ جس کا طریقہ یہ تھا کہ ترمذی شریف کے تمام ابواب واحادیث پر سنداً ومتناً مفصل کلام فرماتے اور تعارض اور ترجیح راجح میں انتہائی محققانہ ومحدثانہ اسلوب اختیار فرماتے۔ جبکہ دورۂ حدیث کی باقی کتابوں میں صرف بیان مطالب اور تلاوت احادیث پر اکتفاء کیا جاتا۔ حضرت گنگوہی کا اندازِ تدریس رطب و یابس اور افراط وتفریط سے مبرا اور اختلافی مسائل میں نہایت عادلانہ اور ائمہ مجتہدین ومحدثین کے احترام اور عظمت ووقار کا آئینہ دار ہوتا۔

آپؒ نے ۹ سال تک کسی تعطل کے بغیر صحاح ستہ کا درس دیا۔ اس دوران آپ سے تلمذ

کی سعادت حاصل کرنے کیلئے متعدد علماء و مدرسین نے اپنے علمی مشاغل ترک کر کے آپؒ کے حلقۂ درس میں بیٹھنے کو ترجیح دی۔ ۱۳۰۸ھ میں آپؒ نے آنکھوں میں پانی اتر آنے کی وجہ سے یہ سلسلہ تدریس موقوف فرما دیا تھا۔ لیکن ۱۳۱۱ھ میں محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر دو سال میں صحاح ستہ کی تمام کتابیں دوبارہ پڑھائیں۔ حضرت سہارنپوریؒ نے حضرت والاؒ کی خدمت میں یہ درخواست مولانا یحییٰ صاحب (والد گرامی حضرت شیخ الحدیثؒ) کی وجہ سے پیش کی تھی جن کا وہ سال دورۂ حدیث شریف کا تھا۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کی غیر معمولی فطانت اور صلاحیت کی بناء پر حضرت والاؒ نے اسے قبول فرما لیا۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب اور دیگر حضرات نے اس خصوصی دورۂ حدیث شریف کے دوران حضرت والاؒ کی صحاح ستہ پر کی گئی تمام تقاریر کو ضبط کیا۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کی ترمذی شریف پر ضبط کردہ تقریر کو بعد ازاں مفید حواشی کے ساتھ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے الکوکب الدری کے نام سے شائع کیا۔

پوری زندگی......خدمت حدیث میں

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے الکوکب الدری کی اشاعت کے بعد حضرت شیخ الحدیث سے باصرار فرمایا کہ صحیح بخاری پر حضرت گنگوہی کی تقریرات بھی اسی طرح مفید حواشی کے ساتھ شائع ہونی چاہئیں۔ حضرت مدنیؒ قدس سرہ کے اس ارشاد کی تکمیل میں حضرت شیخ نے ''۱۲'' سال میں ''لامع الدراری علی صحیح البخاری'' مرتب فرمائی۔ جو مصر اور پاکستان میں دس ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔ حضرت شیخ کی پوری زندگی خدمت حدیث میں صرف ہوئی۔ چنانچہ تالیفات کے علاوہ آپ نے ۲۵ مرتبہ بخاری شریف جلد اوّل، ۱۶ مرتبہ بخاری شریف مکمل اور ۳۰ مرتبہ ابوداؤد شریف کا درس دیا۔ جبکہ ''بذل المجہود'' کی معاونت میں دس برس، ''اوجز المسالک'' کی تالیف میں تیس برس اور ''لامع الدراری'' کے حواشی پر بارہ برس کا عرصہ لگا۔ تدریس و تالیف کے دوران حضرت شیخ نے ''الابواب والتراجم'' کے عنوان سے ''بخاری شریف'' کے عنوانات اور احادیث شریفہ کے درمیان تطبیق و مناسبت پر مشتمل ایک مستقل مختصر شرح بھی تالیف فرمائی۔

صبر وتحمل کا مثالی پیکر

پروفیسر میاں محمد افضل لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے اوکاڑہ کے ایک نوجوان عالم جن کے اوکاڑہ قدم جمانے میں میرے بھائی (مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ) نے شب وروز صرف کردیئے تھے، ورنہ وہ اوکاڑہ چھوڑ کر بھاگنے کو تیار تھے۔ وہ بھائی صاحب کے معتقدین سے کہا کرتے تھے "امین کو کیا آتا ہے، اُسے مرزائیت اور عیسائیت تو میں نے پڑھائی ہے۔ وہ کوئی عالم تھوڑا ہے۔ تم خواہ مخواہ اس کے پیچھے لگے ہوئے ہو۔ حالانکہ مجھے اب تک یاد ہے کہ ان موصوف نے بھائی صاحب کے حاشیہ والی بائبل لے کر اپنی بائبل پر نشان لگائے تھے۔" جب بھائی صاحب کو ان باتوں کی خبر ہوئی اور کوئی ذکر کرتا کہ فلاں صاحب یوں کہتے ہیں تو آپ حسب عادت مسکرا کر خاموش ہو جاتے۔

ایک مرتبہ دو نوجوان علماء جو کہ حضرت مولانا عبدالحمید صاحب کے شاگرد بھی تھے، مولانا سے شکوہ کرنے لگے کہ حضرت ہم آپ کے شاگرد بھی ہیں اور ہم نے دورۂ حدیث بھی فلاں مدرسہ سے کیا ہے اور امین نے کسی مدرسہ میں دورۂ حدیث نہیں کیا، آپ اسے ہم پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس پر آپ کی شفقت ہمارے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ یہ باتیں سن کر مولانا خاموش رہے۔ جب انہوں نے پھر اپنی حق تلفی کا ذکر کیا اور اصرار کیا کہ آپ امین پر شفقت ومحبت ضائع نہ کریں۔ اس کے مستحق تو ہم ہیں تو مولانا نے جواب دیا: ٹھیک ہے کہ امین نے تمہاری طرح کسی بڑے مدرسے سے دورۂ حدیث نہیں کیا لیکن اسے آب حیات (حضرت نانوتویؒ کی کتاب) آتی ہے۔ تم اس کا ایک صفحہ پڑھ کر مجھے سمجھا دو تو میں امین کو چھوڑ دوں گا۔ اس پر دونوں حضرات مبہوت ہو گئے اور مولانا سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ یہ بندہ ناچیز آج اس بات کا برملا اعتراف کرتا ہے کہ ابتداء میں مجھے بھی مولانا مرحوم سے حسد ہو گیا تھا۔ لیکن میں اس کا برملا اظہار نہیں کرتا تھا۔ اس بات کو دل ہی میں رکھتا تھا اور مولانا کی مقبولیت عامہ کو بنظر حسد دیکھا کرتا تھا۔ (تجلیات صفدر، جلد اوّل ۴۹)

یارسول اللہ! وہ بھی آ گئے

حضرت مفتی اعظم مفتی محمد کفایت اللہؒ کی وفات سے کچھ روز قبل حضرت مولانا مفتی سید

مہدی حسن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند دہلی تشریف لائے تھے۔ مولانا موصوف کو آنکھوں کا آپریشن کرانا تھا۔ ڈاکٹر موگا کے ہسپتال واقع علی پور روڈ میں داخل ہو کر آپریشن کرایا تھا۔ میں (شیخ عبدالحق پراچہ) تقریباً روزانہ شام کو عیادت کیلئے ہسپتال جاتا تھا اور رات گئے تک وہاں رہتا تھا۔ مولانا موصوف روزانہ موصوف حضرت مفتی اعظمؒ کا حال دریافت فرماتے تھے۔ اور میں دن کی کیفیت سنایا کرتا تھا۔ وفات سے دس بارہ روز قبل حضرتؒ کی حالت کچھ سدھر گئی تھی اور مرض میں افاقہ معلوم ہوتا تھا۔ جس روز وفات ہوئی ہے اس روز بھی میں ہسپتال گیا۔ مولانا موصوف نے حضرت کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا اب خدا کے فضل سے روبہ صحت ہیں۔ اس کے بعد مولانا کے فرزند مولوی سید محمد میاں صاحب شاہجہان پوری سے باتوں میں مصروف ہو گیا اور مولانا موصوف کو نیند آ گئی۔

ساڑھے دس بجے یکایک آنکھ کھلی، مولوی محمد میاں کو آواز دی اور دریافت کیا کہ عبدالحق پراچہ ہیں۔ میں نے عرض کیا حاضر ہوں۔ فرمایا شیخ صاحب حضرت کا کیا حال ہے؟ میں نے جواب دیا کہ پہلے سے کچھ افاقہ ہے۔ فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت مفتی اعظمؒ تو رحلت فرما گئے۔ یہ کہہ کر مولانا موصوف رونے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ میں نے ابھی خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر پوری ہو چکی۔ میں نے دیکھا کہ ایک مکان میں اکابر اسلام کا اجتماع ہے اور حضور انور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جلوہ فرما ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا کفایت اللہ نہیں آئے؟ کسی نے عرض کیا جی ہاں! یا رسول اللہ وہ بھی آ گئے۔ اسی وقت حضرت العلامہ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ بھی وہاں آ گئے اور اسی اجتماع میں شامل ہو گئے۔

یہ خواب مولانا موصوف بیان کر کے زار و قطار رونے لگے اور فرمانے لگے کہ مفتی اعظم تو اپنے اکابر سے جا ملے ان کا وصال ہو گیا۔ یہ سن کر میں اور مولوی محمد میاں سکتے میں رہ گئے۔ میں مولانا موصوف سے اجازت لے کر واپس آیا۔ شہر میں آ کر معلوم ہوا کہ واقعی ٹھیک اسی وقت حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا ہے۔ (مفتی کفایت اللہ نمبر ۲۷)

شیخ کا احترام

امیر شاہ خان صاحب نے نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے خود مجھ سے بیان فرمایا کہ

جب میں ابتداء گنگوہ کی خانقاہ میں آ کر مقیم ہوا تو خانقاہ میں بول و براز نہ کرتا تھا۔ بلکہ باہر جنگل جاتا تھا کہ شیخ کی جگہ ہے حتیٰ کہ لیٹنے اور جوتا پہن کر چلنے پھرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ (ارواح ثلاثہ ۲۸۸)

علم کے موافق ترجیح

ایک مولوی صاحب نے مولانا (رشید احمد گنگوہیؒ) کی تقریر سن کر جوش میں آ کر فرمایا کہ آپ کے پاس آ کر حدیث بھی حنفی ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپ تو ہر حدیث سے حنفیہ کی تائید فرما دیتے ہیں۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو اس کا جواب نہ دے سکتے تھے۔ اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یہ کیا کہا اگر امام شافعی زندہ ہوتے تو کیا میں ان کے سامنے بولتا بھی؟ اور بولتا تو کیا؟ میں تو ان کی تقلید کرتا اور امام ابوحنیفہؒ کی تقلید چھوڑ دیتا، کیونکہ مجتہدِ حی کے ہوتے مناسب نہیں ہے کہ مجتہد غیر حی کی تقلید کی جائے اور فرمایا توبہ توبہ حضرت امام اگر تشریف فرما ہوتے تو میرا یہ طالب علمانہ شبہ ہوتا اور حضرت امام اس کا جواب دیتے۔ اب اس وقت امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ میں سے کوئی بھی موجود نہیں۔ ان کے اقوال ہم لوگوں کے سامنے ہیں اور اپنے علم کے موافق ترجیح دے لیتے ہیں۔ (اکابر کا تقویٰ ۱۵)

حلم سے بڑھ کر تواضع

شیخوپورہ کی دعوت کا قصہ جس میں یہ ناکارہ (حضرت شیخ الحدیث صاحب) خود بھی شریک تھا اور حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ بھی شریک تھے اس کو حضرت تھانویؒ نے فرمایا، تحریر فرماتے ہیں کہ ایک بار سہارنپور میں بڑے جلسہ (سالانہ جلسہ مظاہر العلوم) میں جانا ہوا۔ بعد جلسہ گاؤں والوں نے مولانا (یعنی حضرت سہارنپوری کو مع خدام اور احقر کو مدعو کیا اور اس سے دوسرے دن ایک تاجر چاول مقیم سہارنپور نے ہم سب کی مع بعض مہمانان مقیمین دعوت کی مولانا نے وعدہ فرما لیا کہ گاؤں سے صبح کو واپس آ کر دوپہر کا کھانا تمہارے ہاں کھا لیں گے۔ شام کو گاؤں گئے اور شب کو وہاں مقیم رہے پھر صبح کو عین ایسے وقت کہ خوب زور سے بارش ہو رہی تھی، اسٹیشن پر ہی سوار ہوئے اہل موضع ایسے وقت کے سفر کو گوارا نہ

کرتے تھے اور قیام پر مصر تھے لیکن چونکہ ان سوداگر صاحب سے وعدہ تھا اس لئے بھگتے ہوئے ریل پر پہنچے اور سہارنپور اترے۔ تانگہ میں بیٹھتے ہوئے مدرسہ کو آرہے تھے کہ راستہ میں سوداگر صاحب ملے، مولانا نے گاڑی ٹھہرا کر یا آہستہ کرا کر (یاد نہیں) ان کو اپنی واپسی کی اطلاع کی۔ ہم لوگ اپنے وعدہ پر آ گئے ہیں تو آپ کیا مزے کا جواب دیتے ہیں کہ مجھ کو امید واپسی کی نہ تھی اس لئے میں نے کچھ سامان نہیں کیا اب کل صبح کی دعوت ہے اس وقت مولانا کا حلم اور میرا غصہ دیکھنے کے قابل تھا، مگر بوجہ ادب کے غصہ ظاہر نہ کر سکتا تھا اور مولانا نے منظور فرمالیا اور کھڑے چڑے سب مہمانوں کا انتظام فرمانا پڑا۔

اگلے دن کی دعوت سے میں نے عذر کر دیا جس کی اصل وجہ تو غصہ تھا مگر عذر کیا یہ کہ سویرے بھوک نہیں لگتی اور دیر میں ریل نہ ملے گی اور مجھ کو کل وطن جانا ضروری ہے۔ مولانا نے سفارش فرمائی کہ دعوت میں شریک ہو جانا اگر رغبت ہوئی کچھ کھالینا ورنہ اصرار نہ ہوگا۔ چنانچہ اگلے روز سب انکے مکان پر پہنچے اور کھانا لایا گیا۔ میں بھی بیٹھا رہا مگر کھانے کی خواہش نہ ہوئی۔ کچھ تو غصہ کے سبب اور کچھ خلاف معمول ہونے کے سبب تھوڑی دیر میں اجازت لے کر مکان سے باہر آیا، اور صاحب دعوت کو بھی فرمائش کر کے ہمراہ لایا اور باہر آ کر ان کی اس نامعقول حرکت پر اچھی طرح کان کھولے اور توبہ کرائی اس قصہ پر حضرت حکیم الامت خوان خلیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے مولانا کا حلم ظاہر ہے اور حلم بھی اتنے درجہ کا کہ میں اس میں ساتھ نہیں دے سکا اور اس قصہ پر حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم آپ بیتی میں فرماتے ہیں کہ بندہ کے خیال میں تو اس قصہ میں حضرت سہارنپوریؒ سے زیادہ حضرت حکیم الامت کی تواضع ہے کہ اس غصہ اور تکدر کے باوجود حضرت سہارنپوریؒ کے کہنے پر دعوت بھی قبول کر لی، اور حضرت کے سامنے کچھ ڈانٹ بھی نہیں پلائی۔ الگ لیجا کر ڈانٹا۔

(اکابر کا تقویٰ ۲۵)

لقب کی لاج

شیرانوالہ گیٹ میں مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہٗ نے انجمن خدام الدین کا سالانہ جلسہ منعقد کیا۔ جس میں ہندوستان بھر کے پانچ سو علماء جمع تھے۔ ان دنوں قادیانی تحریک زوروں پر تھی۔ حکومت افرنگیہ اس کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ

علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ جیسے بزرگانِ دین بھی موجود تھے۔ علامہ محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ قادیانی فتنے کے رد کیلئے اس کی نشر و اشاعت کو روکنے کیلئے لوگوں کو بے دینی سے بچانے کیلئے ہمیں ایک امیر منتخب کر لینا چاہئے تاکہ منظم طریقے سے اس فتنے کا سدباب کیا جا سکے۔ حضرت رحمۃ اللہ کی رائے سے تمام علمائے کرام نے اتفاق کیا اور بیک زبان ہو کر کہا کہ آپ ہم سب میں بزرگ، سب سے زیادہ محترم و مکرم ہیں۔ آپ جو فیصلہ فرمائیں گے ہمیں منظور ہوگا۔

علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ جی کو طلب کیا شاہ جی لبیک کر حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اس کام کیلئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور امیر شریعت کا لقب عطا فرمایا۔ شاہ کی عجیب کیفیت تھی۔ وہ بزرگ جس کی علمیت، جس کی بزرگی جس کے تقویٰ کا ہر شخص معترف تھا۔ جو تمام علماء کا مخدوم تھا۔ جس کی دینی خدمات بے مثل تھیں۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ ختم نبوت اور ناموس کی خاطر ایک نوجوان عالم دین کے ہاتھ پر بیعت کر رہا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بعد پانچ سو کے قریب علماء دین، مفسرین، محدثین نے ردِ مرزائیت کے سلسلے میں شاہ جی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر حضرت انور شاہ کاشمیری قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ ”خداوند کریم نے اس عظیم کام کیلئے آپ کو منتخب کر لیا ہے۔ اس کار خیر کی سعادت آپ کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔“

شاہ جی نے اس لقب کی لاج رکھ لی۔ سینکڑوں اجتماعات سے اس مسئلہ پر پُرزور تقریریں کیں۔ اس جھوٹے مدعی نبوت کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ ہزاروں سادہ لوح مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچالیا۔ اس مشن کی تکمیل کیلئے اس دینی خدمت کیلئے ساری زندگی وقف کر دی۔ جوانی سے بڑھاپے تک اس محاذ پر لڑے۔ قید و بند کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ آخر ان کی سعی جمیلہ، انکی عمر بھر کی کاوش بار آور ہوئی اور مرزائیوں کو خارج از اسلام قرار دیا گیا اور حکومت نے مرزائیوں کو اقلیت قرار دے کر اس مسئلہ کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا۔

شاہ جی علمائے کرام اور بزرگان دین کا بے حد احترام کرتے تھے جب کسی بزرگ کا ذکر کرتے تو ادب و احترام کے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر ذکر کرتے شاہ جی احرار کے دفتر لاہور میں تشریف فرما تھے۔ میں انکی خدمت میں حاضر تھا۔ شاعری کا دور ہو رہا تھا۔ شورش کاشمیری نے اپنی گفتگو سے محفل کو زعفران بنا رکھا تھا۔ اچانک کسی نے مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی

نور اللہ مرقدہٗ کی آمد کی اطلاع دی۔ محفل کا رنگ یکسر بدل گیا۔ ہر شخص احترام وعقیدت کا پیکر بن گیا۔ شاہ جی نے آگے بڑھ کر حضرت کا استقبال کیا۔ اور نہایت ادب سے ایک طرف کھڑے ہو گئے حضرت تشریف فرما ہوئے۔ شاہ جی سے فرمایا کہ تشریف رکھئے شاہ جی دوزانو ہو کر نظریں جھکا کر حضرت کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ جب تک حضرت احمد علی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما رہے شاہ جی اسی انداز میں بیٹھے ادب واحترام سے ان کے ارشادات سنتے رہے۔

اسی طرح شاہ جی کو اپنے مرشد ومربی حضرت عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ العزیز کی مجلس میں مؤدب بیٹھے دیکھا لاکھوں کے مجمع کو اپنی خطابت سے مسحور کرنے والا ہر جگہ زبان و بیان کا جادو جگانے والا، خطیب اعظم شعلہ بیان مقرر خاموشی وعقیدت سے سر جھکائے حضرت رحمہ اللہ کی خدمت اقدس میں حاضری دیتا آداب کے تمام تقاضے احترام کے تمام پہلو، نیازمندی کے تمام رخ سامنے آجاتے۔ اگر حضرت رحمہ اللہ کوئی بات دریافت فرماتے تو مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو جاتا۔ (امیر شریعت حصہ دوم ۱۵۳)

گاڑی کھڑی رہی

۱۹۴۹ء میں قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم نے ایک ''اسلامی مشاورتی بورڈ'' بنایا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اسلامی دستور کا خاکہ تیار کر کے پیش کرے۔ اس بورڈ کے ممبران کو ایک ہزار روپے ماہوار اعزازی الاؤنس ملتا تھا۔ جسے حضرت مفتی صاحب نے اس شرط کے ساتھ قبول فرمایا تھا کہ وہ پابندیاں قبول نہ کریں گے۔ جو سرکاری ملازمین کی ہوتی ہیں۔ یہ پیش بندی اس لئے فرمائی تھی کہ کلمۂ حق کے اظہار میں ادنیٰ رکاوٹ پیش نہ آئے۔

چنانچہ ایک موقع پر جب اس بورڈ کی سفارشات کو بالکلیہ نظر انداز کر کے خالص مغربی طرز کے دستور کا مسودہ حکومت نے شائع کیا اور مرکزی وزیروں نے اپنے اخباری بیان میں اس مسودہ کو ''بالکل اسلامی'' قرار دیا تو حضرت مفتی صاحبؒ اور دیگر بعض ارکان نے ایک مشترکہ بیان شائع کیا جس میں واضح کہا گیا اس مسودہ دستور کو ہماری سفارشات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور جن وزیروں نے اسے ''اسلامی'' قرار دیا تھا بیان میں ان کی خبر بھی لی گئی۔

اس وقت جو صاحب اسمبلی کے سیکریٹری تھے انہوں نے کسی زمانہ میں مفتی صاحبؒ سے کچھ دن عربی زبان سیکھی تھی۔ تعلقات میں قدرے بے تکلفی کے باعث انہوں نے

حضرت مفتی صاحبؒ سے کہا کہ آپ کو حکومت کے اندر رہتے ہوئے ایسا بیان جاری کرانا مناسب نہ تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ جب سے میں نے بورڈ کی رکنیت قبول کی تھی اسی دن سے جیب میں استعفیٰ لئے پھرتا ہوں۔ آئندہ بھی جو بات مناسب سمجھوں گا بلا روک ٹوک شائع کردوں گا ورنہ میرا استعفیٰ ارباب حل وعقد تک پہنچادیا جائے۔ سیکرٹری صاحب نے معذرت کی اور آئندہ کسی کو ایسے اعتراض کی جرأت نہ ہوئی۔

اسی طرح ۱۹۵۰ء کے اواخر میں موجودہ قوانین کو اسلامی ڈھانچہ میں ڈھالنے کیلئے ایک لاء کمیشن بنایا گیا۔ ایک موقع پر اس کمیشن کی ایک میٹنگ میں حضرت مفتی صاحبؒ نے کمیشن کے چیئرمین کو جو ایک جسٹس تھے مخاطب کر کے فرمایا کہ قانون سازی کے کام کو اسلام کے رخ پر آپ چلنے نہیں دیتے اور غلط پر میں نہیں چلنے دوں گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ گاڑی یہیں کھڑی رہے گی۔ چنانچہ یہی ہوا گاڑی کھڑی رہی۔ (مآثر مفتی اعظم پاکستان ۲۰)

یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

امیر شاہ خان صاحب (مرحوم) راوی ہیں کہ جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا۔ اس زمانہ میں مطبع میں مولانا نانوتویؒ بھی ملازم تھے۔ اور ایک حافظ جی بھی نوکر تھے۔ یہ حافظ جی بالکل آزاد تھے۔ رندانہ وضع تھی چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے۔ ڈاڑھی چڑھاتے تھے، نماز کبھی نہ پڑھتے تھے مگر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ان کی نہایت گہری دوستی تھی۔ وہ مولانا کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے۔ مولانا ان کے کنگھا کرتے تھے اور وہ مولانا کے کنگھا کرتے تھے۔ اگر کبھی مٹھائی وغیرہ مولانا کے پاس آتی تو ان کا حصہ ضرور رکھتے تھے غرض بہت گہرے دوست تھے۔ مولانا کے بعض دوست ایسے آزاد شخص کے ساتھ مولانا کی دوستی سے ناخوش تھے۔ مگر وہ اس کی کچھ پروانہ کرتے تھے ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا۔ حسب معمول مولانا نے حافظ جی کو نہلایا اور حافظ جی نے مولانا کو جب نہلا چکے تو مولانا نے فرمایا حافظ جی مجھ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا رنگ اور ہو میرا رنگ اور اس لئے میں بھی تمہاری ہی وضع اختیار کرلیتا ہوں، تم اپنے کپڑے لاؤ میں بھی وہی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ ڈاڑھی موجود ہے تم اس کو بھی چڑھاؤ اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کپڑے اتاروں گا، نہ ڈاڑھی۔ وہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ مجھے اپنے

کپڑے دیجئے میں آپ کے کپڑے پہنوں گا، اور یہ ڈاڑھی موجود ہے اس کو آپ اتار دیں چنانچہ مولانا نے ان کو کپڑے پہنائے اور ڈاڑھی اتار دی اور وہ اس روز سے پکے نمازی اور نیک وضع بن گئے۔ (ارواح ثلاثہ ۱۷۴)

حکیمانہ طرز خطاب

دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب نے ایک مرتبہ محسوس کیا کہ بعض حضرات مدرسین دارالعلوم کے مقررہ وقت سے کچھ دیر میں آتے ہیں تو آپ نے حاکمانہ محاسبہ کے بجائے یہ معمول بنالیا کہ روزانہ کو دارالعلوم کا وقت شروع ہونے پر دارالعلوم کے دروازے کے قریب ایک چارپائی ڈال کر اس پر بیٹھ جاتے اور جب کوئی استاد آتے تو سلام ومصافحہ اور دریافت خیریت پر اکتفاء فرماتے زبان سے کچھ نہ کہتے کہ آپ دیر سے کیوں آئے۔ اس حکیمانہ سرزنش نے تمام مدرسین کو وقت کا پابند بنادیا البتہ صرف ایک مدرس اس کے بعد بھی کچھ دیر سے آتے تھے ایک روز جب وہ وقت مقررہ کے کافی بعد مدرسہ میں داخل ہوئے تو سلام اور دریافت خیریت کے بعد انہیں پاس بٹھا کر فرمایا:

''مولانا! میں جانتا ہوں کہ آپ کے مشاغل بہت ہیں ان کی وجہ سے دارالعلوم پہنچنے میں دیر ہو جاتی ہے ماشاء اللہ آپ کا وقت بڑا قیمتی ہے اور میں ایک بے کار آدمی ہوں خالی پڑا رہتا ہوں آپ ایسا کریں اپنے گھریلو کام مجھے بتلا دیا کریں میں خود جا کر ان کو انجام دے دیا کروں گا تاکہ آپ کا وقت تعلیم کیلئے فارغ ہو جائے۔'' اس حکیمانہ طرز خطاب کا اثر ہونا تھا وہ ہوا اور وہ مدرس بھی آئندہ ہمیشہ کیلئے وقت کے پابند ہو گئے۔ (میرے والد ماجد ۵۹)

ہاں! ایسا بھی ہوتا ہے

جب میں رخصت ہونے لگا مدینہ طیبہ سے شیخ سے ملاقات کی، شیخ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں الوداعی سلام کیلئے روضۂ اقدس پر حاضر ہوا اور میرا انتقال ہو گیا۔ روح نکل گئی۔ میں نے اپنے ان دوستوں سے لڑکوں سے نہیں کہا ہے یہ خواب کہ ابھی سے رونا شروع کر دیں گے۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ وہ انتقال تھوڑا ہی ہے یہ تو آفتاب نبوت سامنے چراغ کا

اضمحلال ہے بس حضرت شیخ الحدیث تشریف لے گئے لندن، لندن سے واپسی پر فرمانے لگے مجھ سے۔ مفتی جی! کیا فائدہ وہاں جانے کا۔ تم بتاؤ۔ میں نے کہا بتاؤں، میں نے ذرا قوت سے کہا، بجائے ادب کے دوبارہ میں نے کہا کہ بتاؤں، کہا کہ ہاں پوچھ تو رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ مجھ سے کیوں پوچھتے ہو، پوچھئے ان سے جنہوں نے آپ کو بھیجا ہے کیا فائدہ ہوا۔ بس حضرت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمایا بھئی بات تو یہی ہے کئی مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ بھی فرمایا کہ جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ خیر پھر شیخ نے یہ کہا کہ بھائی کلکتہ والے بہت عرصے سے بلا رہے ہیں۔ میں اپنی بیماری اور کمزوری کا عذر کر دیتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ مکہ مدینہ بھی تو جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ بھئی تم مکہ مدینہ پر کیا قیاس کرتے ہو اپنے کلکتہ کو؟ لیکن اب تو لندن بھی ہو آئے، اب کیا جواب دوں گا، پھر حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نہ کبھی بغیر اجازت آیا اور نہ بغیر اجازت گیا۔ مدینہ طیبہ پہنچا تو اجازت سے، وہاں سے یہاں آیا تو اجازت سے۔ (اکابر دیوبند اور عشق رسول ؐ ۶۸)

آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جب دہلی سے واپس تشریف لائے اور وطن عزیز میں قیام پذیر ہوئے تو بمقتضائے طبیعت آپ کو شوق ہوا کہ کوئی طالب علم دین مل جاتا تو اس کو پڑھانا ہی شروع کر دیتے اللہ تعالیٰ نے اس خواہش کو پورا کیا اور ایک صاحب سید مومن علی صاحب کو بھیج دیا ان ہی ایام میں ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ کی تحریر در بارۂ مسئلہ روضہ اقدس سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں جو جگہ ایک قبر کیلئے افتادہ ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدفون ہوں گے، شیخ صاحب نے حکم لگایا تھا کہ یہ امر قطعی ہے اور اس کا منکر ایسا ہے ویسا ہے، یہ تحریر کسی نے حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پیش کر دی، آپ نے اس پر تحریر فرمایا کہ سارا ثبوت دشوار ہے۔ یہ جواب جس وقت حضرت شیخ صاحبؒ کی نظر سے گزرا تو جوش وغضب سے بھر گئے اور پھر کیا تھا طرفین سے سوال و جواب شروع ہو گئے۔ بالآخر مولانا گنگوہیؒ نے بغرض مناظرہ ایک بارات کے ساتھ تھانہ بھون کا سفر اختیار کیا اور بارات کے متعلق امور نکاح وغیرہ سے فارغ ہو کر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بعد استفسار آنے کا منشاء ظاہر کیا تو حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے

یہ کہہ کر کہ وہ ہمارے بڑے ہیں۔ مناظرے سے منع فرمایا، چنانچہ آپ نے حضرت حاجی صاحب کی بات مان لی اور مناظرے سے باز آئے اور اپنا ارادۂ بیعت ظاہر کیا تب حضرت حاجی صاحبؒ نے باصرار و بسفارش حضرت حافظ ضامن شہید بیعت کر لیا۔ بیعت ہونے کے بعد آپ نے بموجب ارشاد حضرت حاجی صاحب ذکر و شغل شروع کیا اور بقول خود ''کہ پھر تو میں مرمٹا۔'' چنانچہ حضرت حاجی صاحب نے آٹھویں دن فرمایا:

''میاں رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دیدی آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے''

جب آپ کو بیالیس دن رہتے ہوئے ہو گئے تب آپ نے وطن عزیز رخصت ہونے کی اجازت چاہی، حضرت حاجی صاحبؒ نے گنگوہ کے لئے رخصت کرتے وقت خلافت اور اجازت بیعت ان الفاظ کے ساتھ عنایت فرمائی۔ ''اگر تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو بیعت کر لینا''

خدا کے دین کا موسیٰ سے پوچھئے حال
کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

اس خدائی نعمت کو (جس کیلئے دردر کی خاک چھانی جاتی ہے) پاکر جب آپ گنگوہ تشریف لائے تو خانقاہ شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کو جو تین سو سال سے ویران اور خراب وخستہ پڑی تھی مرمت کر کے آباد کیا اور رات دن ذکر و فکر الٰہی میں مشغول رہتے، راتوں کو رویا کرتے تھے اور جو لحاف آپ اوڑھا کرتے تھے باران اشک سے داغدار ہو گیا تھا۔

شب وصل بھی کیسی شب ہے الٰہی
نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے

غرضیکہ ذکر الٰہی کی خوشبوؤں نے جب گنگوہ کے کوچہ و بازار اور خانہ وصحرا کو معطر کرنا شروع کیا تو ایک نیک بخت خاتون نے حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی درخواست کی لیکن آپ نے انکار فرما دیا، اتفاق سے چند دنوں بعد حضرت حاجی صاحب تشریف لے گئے اور خاتون موصوفہ نے موقعہ کو غنیمت جان کر بتوسط حضرت حاجی صاحبؒ پھر درخواست کی بالآخر حضرت حاجی صاحب کی تعمیل حکم میں آپ نے بیعت فرمالیا۔ سلسلۂ بیعت میں داخل ہونے والی یہ سب سے پہلی خاتون تھیں۔

معمولات پر مداومت اور استقامت مشائخ دیو بند کی خصوصی شان ہے اور حقیقتاً یہی کمال ولایت اور علامت عبدیت ہے چنانچہ ان مشائخ کے یہاں جو چیز روز اوّل معمولات میں داخل ہوئی اس کو ہمیشگی اور دوام حاصل رہا ان حضرات نے احب الاعمال عند اللہ ادومھا کو دل نشیں کر کے اعمال میں شان محبوبیت پیدا کی اور تقرب وولایت کے اعلیٰ منازل کو طے کیا چنانچہ حضرت گنگوہیؒ کے مجاہدات وریاضات کا پیرانہ سالی میں یہ عالم تھا کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا تھا۔ دن بھر صائم رہتے اور بعد مغرب ۶ رکعت نوافل کی بجائے بیس رکعت صلوٰۃ الاوابین پڑھا کرتے تھے جس میں تقریباً دو پارے قرآن شریف تلاوت فرماتے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر جب دولت کدہ برائے تناول طعام شریف لے جاتے تو اثنا راہ اور گھر ٹھہرنے کے وقفہ میں کئی کئی پارہ تلاوت فرما لیتے تھے اور بعد نماز عشاء تھوڑی دیر تک استراحت فرماتے اور دو بجے تہجد کیلئے کھڑے ہو جاتے، بعض نے آپ کو ایک بجے بھی وضو کرتے دیکھا ہے، اور ڈھائی تین گھنٹے صلوٰۃ اللیل میں مشغول رہتے اور صبح کی نماز سے فارغ ہو کر ڈاک و جوابات استفتاء میں مصروف ہوتے اور دوپہر کو قیلولہ فرما کر بعد نماز ظہر تا عصر تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتے، رمضان شریف میں تو آپ کے یہاں دن رات مساوی ہوتے تھے۔

(اکابر علماء دیو بندؒ ۲۸)

باخبر...... ملنسار

ہندوستان کے دور دراز کے گاؤں میں حضرت مفتی صاحبؒ کا کوئی دور پرے کا رشتہ دار آباد تھا اس کے حالات سے بھی باخبر رہتے ایک ایسے ہی گاؤں میں ایک بیوہ خاتون تھیں آپ کو پتہ چلا کہ ان کا مکان برسات میں ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اس زمانے میں ایک تو ہندوستان روپیہ بھیجنا کارے دارد تھا دوسرے حسب عادت صرف روپیہ بھیجنے سے حضرتؒ کی تسلی نہ ہوتی کیونکہ خاتون کیلئے خود مکان کی مرمت کرانا دشوار تھا لیکن آپ نے نہ جانے کس کس طرح دوسروں کی معرفت روپیہ ایک دوسرے صاحب کو بھجوایا اور ان کے ذریعہ مکان کی مرمت کرائی۔ (مآثر مفتی اعظم پاکستان ۶۶)

اب ڈھونڈ انہیں

مفتی عطاء اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا محمد امین صفدرؒ کا یہ خاصہ تھا کہ بے انتہاء تعلیمی،

تدریسی اور تصنیفی مصروفیات کے باوجود، کئی کئی گھنٹے صرف ایک آدمی کو سمجھانے میں خرچ کر دیتے مگر ماتھے پر کبھی کوئی شکن نہ آتی۔ اوکاڑہ میں اکبر روڈ والی ممتاز مسجد کے امام وخطیب قاری محمد افضل صاحب کا بیان ہے کہ "ایک مرتبہ مولانا ہمارے ہاں مسجد سے متصل حجرے میں بیٹھے تھے۔ میں نے مولانا کو کسی موضوع پر اپنا بیان کیسٹ میں ریکارڈ کروانے کی استدعا کی۔ اور میں خود اور غالباً ایک یا دو آدمی سامنے بیٹھ گئے۔ مولانا نے صرف ہم دو تین آدمیوں کی خاطر ڈیڑھ دو گھنٹے بیان فرمایا مگر شومئی قسمت کے ایک لفظ بھی ریکارڈ نہ ہو سکا۔ ہم نے مولانا سے پھر گزارش کی۔ مولانا نے پھر کسی بیزاری اور گلے شکوے کے بغیر، وہ تمام کا تمام طویل بیان دوبارہ فرما کر کیسٹ میں ریکارڈ کروایا۔ ایک دفعہ مولانا کو اندرون سندھ کسی علاقے میں بیان کیلئے بلایا گیا۔ بیان کے بعد ان لوگوں نے ایک بند لفافہ مولانا کو ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ "واپسی پر میں نے اسے کھولا تو اس میں صرف پانچ روپے کا ایک عدد نوٹ تھا" مگر مولانا کا اخلاص دیکھئے کہ اگلے سال ان کے بلانے پر پھر وہاں پہنچ گئے۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ "ہم بہت حیران ہوئے" "ہمیں تو یہ یقین تھا کہ یہ بزرگ اب دوبارہ یہاں نہیں آئیں گے۔ لیکن عجیب اعلیٰ ظرف انسان ہیں کہ پھر ہماری دعوت پر دوبارہ چلے آئے۔"

سائیکل پر

جامعہ فاروق اعظمؓ رحیم یار خان میں جمعہ کے پروگرام کے سلسلہ میں جانا ہوا، تو حضرت مولانا عبدالغنی طارق اور حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب نے ایک عجیب واقعہ سنایا، فرماتے ہیں چند ماہ پیشتر کی بات ہے حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ نے ہمارے مدرسہ میں جمعہ پڑھانا تھا حضرت والا رحیم یار خان تشریف لائے لیکن مدرسہ میں آنے کی بجائے اپنے بھائی اسلم صاحبؒ کے ہاں تشریف لے گئے اور ہمیں اطلاع دی کہ میں انشاء اللہ العزیز گیارہ بارہ بجے آپ کے ہاں پہنچ جاؤں گا، ہم نے عرض کیا کہ حضرت ہم آپ کو لے آئیں گے آپ از خود تکلیف نہ فرمانا، حضرت نے فرمایا نہیں! میں نے مدرسہ دیکھا ہوا ہے میں آ جاؤں گا، ہم نے اصرار کیا کہ حضرت آپ کی شخصیت اور آپ کے مقام کا تقاضا ہے کہ ہم آپ کو گاڑی میں لے آئیں حضرت نے فرمایا اس تکلف کی ضرورت نہیں۔

ہم خاموش ہو گئے لیکن ارادہ پختہ کر لیا کہ حضرت کو خود ہی جا کر لے آئیں گے کچھ

حالات کا تقاضا بھی یہی تھا، چنانچہ ہم پونے گیارہ بجے کے قریب حضرت کو لانے کیلئے ابھی راستہ میں ہی تھے دیکھا کہ حضرت سائیکل پر خود تشریف لا رہے ہیں، چنانچہ آپ سائیکل پر مدرسہ پہنچے، ہم ندامت کی وجہ سے پانی پانی ہو رہے تھے، لیکن حضرت اپنی خندہ پیشانی، خوش اخلاقی، پرمسرت مسکراہٹوں سے ہماری ندامت کو دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اور فرمایا بھائی میں کوئی آپ کا کام تھوڑا ہی کرنے آیا ہوں، یہ میرا اپنا کام ہے سائیکل پر آ گیا تو کیا ہوا، حضرت کے اس اخلاص، سادگی اور اعلیٰ اخلاق و کردار کو دیکھ کر دل میں حضرت کی محبت و عظمت کے وہ نقوش قائم ہوئے جو کبھی مٹ نہیں سکتے۔

زہر شہادت کا ذریعہ بنا

حق گوئی اور تردید عیسائیت کی پاداش میں عیسائیوں نے مولانا محمد امین صفدر ؒ کو کھانے میں زہر ملا کر دیا۔ آپ اس وقت شورکوٹ مولانا بشیر احمد حسینی کے پاس تشریف لائے ہوئے تھے جس کے چند لقمے کھانے کے بعد حضرت ؒ کو قے آ گئی، ہسپتال لے جایا گیا لیکن چونکہ اللہ نے ابھی دین کا کام لینا تھا اس لئے زندگی محفوظ رہی، لیکن زہر سے معدے میں ایسے زخم ہوئے جو پوری زندگی اذیت کا سبب بنتے رہے، آپ یہ بتایا نہیں کرتے تھے اور اسی زہر کا اثر وفات حسرت آیات سے کچھ دیر قبل ظاہر ہوا جس کی وجہ سے قے آئی۔ یوں آپ کی وفات ایک نوع کی شہادت بھی ہے۔ (علمی مجالس)

حضرت شیخ الحدیث ؒ کا بلند مرتبہ

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی ؒ فرماتے ہیں کہ سہارنپور میں حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شخص نے دعوت کی، حضرت نے قبول فرمالی۔ اس نے حضرت شیخ مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کی بھی دعوت کی حضرت شیخ نے انکار کر دیا۔ انہوں نے جا کر حضرت سہارنپوری سے عرض کر دیا کہ حضرت میں نے میاں زکریا کی دعوت کی انہوں نے قبول نہیں کی۔ حضرت نے شیخ سے فرمایا کہ:

"کیوں میاں زکریا! تم نے کیوں دعوت قبول نہیں کی، کیوں انکار کر دیا؟ چلو ان کے یہاں۔"

راضی ہو گئے، اچھی بات، گئے، جا کر کھانا بھی کھایا۔ واپس آ کر انگلی حلق میں ڈال کر قے کر دی جو کچھ کھایا تھا۔ کسی نے پوچھا حضرت کیا بات تھی، بتاتے نہیں تھے مگر ہر ایک کا کوئی منہ چڑھا ہوتا ہے کسی نے اصرار کر کے پوچھ ہی لیا۔ فرمایا کہ:

''اصل بات یہ ہے کہ اس شخص کا کھانا جائز نہیں، مجھے معلوم ہے کہ اس کی آمدنی حرام کی ہے سود لیتا ہے اس لئے میں نے انکار کر دیا تھا اور حضرت کو علم نہیں تھا حضرت نے قبول کر لی تھی۔ حضرت کیلئے قبول کرنا جائز ہوا۔ میرے لئے انکار کرنا درست ہوا۔ اس نے میرے حضرت سے مجھ پر زور ڈلوایا، اب میں اس پریشانی میں مبتلا ہوا کہ اگر وجہ بتلاتا ہوں تو اس کی حضرت کی نظروں میں تحقیر و تذلیل ہوتی ہے، نہیں بتاتا تو حرام کھانا لازم آتا ہے، تو میں نے سوچا کہ حرام کی اذیت میری ذات تک محدود ہے، اس کا عیب نہیں کھلے گا، اس کی تحقیر و تذلیل نہیں ہوگی۔ اس لئے میں نے ان کو برداشت کر لیا، جا کر کھا لیا اور پھر آ کر میں نے قے کر کے نکال دیا۔ الحمد للہ میں تو اس سے محفوظ رہا۔ حضرت کی طبیعت البتہ خراب رہی۔''

صرف تین کھجوریں اٹھالیں

ایک صاحب حج سے آئے اور ایک بڑا طباق کھجوروں کا بھر کر حضرت شیخؒ کی خدمت میں لائے۔ شیخ اس کو دیکھ کر کچھ مسکرائے اور فرمایا کہ:

''میرے پاس تو کھجوریں براہِ راست مدینہ طیبہ سے بھی آتی رہتی ہیں۔ تم کو تو اور جگہ بھی تقسیم کرنا ہوگی، تمہاری خاطر میں دو تین کھجوریں اٹھا لیتا ہوں باقی تقسیم کر دینا۔''

چنانچہ تین کھجوریں شیخ نے اٹھا لیں۔ وہ شخص نہایت شرمندہ آنکھیں نیچی خاموش اپنا طباق اٹھا کر چل دیا۔ میں نے (مفتی محمود حسن گنگوہیؒ) باہر آ کر جب اس سے پوچھا کہ بھائی کیا بات تھی تمہارے اوپر اس کا بہت اثر ہوا۔ اس نے کہا:

''بس جی بس! ہم نے دیکھ لیا قیامت میں بھی اسی طرح چھانٹ ہو جائے گی، مدینہ پاک کی یہی تین کھجوریں تھیں باقی دوسری تھیں، میری دلداری کیلئے فرما دیا کہ میرے پاس تو براہ راست بھی آتی ہیں، تمہیں تو اور جگہ بھی تقسیم کرنا ہوگی۔''

میں نے کہا تم کو ضرورت تھی طباق بھر کے لانے کی تمہارے پاس تین کھجوریں تھیں مدینہ پاک کی، یہی تین لے آتے۔ (حضرت شیخ اور ان کے خلفاء کرام، ۲/۲۹)

ناظم آپ ہی رہیں گے

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی اور ناظم حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری نور اللہ مرقدہ پر فالج کا اثر ہوگیا تھا۔ ارباب دارالعلوم جانتے تھے کہ دارالافتاء دارالعلوم کی نظامت وصدارت کا منصب جلیل حضرت اقدس مفتی محمود حسن سے ہی پُر ہوسکتا ہے اس لئے ان کا برابر اصرار تھا خود حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوریؒ کو حضرت دام مجدہ کی تشریف آوری کا اتنا اصرار واشتیاق تھا کہ انتہائی ضعف اور فالج پڑ جانے کے باوجود دارالعلوم سے تشریف نہیں لے گئے کہ خدا معلوم بعد میں کس کو صدر مفتی بنا دیا جائے۔ آخر ارباب دارالعلوم دیوبند کے اصرار اور حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے حکم پر حضرت مفتی صاحب دام مجدہم دارالعلوم تشریف لے آئے۔ حضرت مفتی مہدی حسن صاحبؒ نے حضرت مفتی صاحب زید مجدہم کو اپنی جگہ پر بٹھایا اور دارالافتاء دارالعلوم کی صدارت ونظامت کا منصب وعہدہ جلیل حضرت دام مجدہم کے سپرد فرما کر وطن شاہجہان پور تشریف لے گئے، مگر واہ رے بے نفسی و فنائیت کہ اس سب کے باوجود حضرت مفتی صاحب زید مجدھم نے حضرت مولانا الحاج مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ (جو اس وقت دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے مفتی تھے) سے فرمایا:

''صدر مفتی اور دارالافتاء کے ناظم آپ رہیں گے۔''

حضرت مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ نے انکار فرمایا۔ اور فرمایا:

''بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کے سامنے کوئی دوسرا صدر مفتی وناظم بنے اور پھر آپ کو باقاعدہ یہ عہدہ ومنصب دیا بھی گیا ہے۔''

آخر جب حضرت مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ برابر انکار فرماتے رہے اور کسی طرح آمادہ نہ ہوئے تو حضرت مفتی صاحب زید مجدہم نے فرمایا:

''اگر آپ نے یہ عہدہ قبول نہ کیا تو میں یہاں نہیں رہوں گا اور استعفیٰ دے کر چلا جاؤں گا۔''

جب حضرت مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ کو یقین ہوگیا کہ یہ ماننے والے نہیں تو مجبوری یہ عہدہ قبول فرمایا۔

اللہ اکبر، کیا کمال فنائیت وعبدیت ہے۔ ایسے مقامات پر اچھوں اچھوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور آج تو ان عہدوں کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جا رہا ہے۔ (مقدمہ فتاویٰ محمودیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دارالعلوم دیوبند میں ایک یادگار خطاب

نحمدہ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم...... امابعد

علماء کرام اور مادرِ علمی کے فرزندو! اس وقت اگر دارالعلوم کی تاریخ کو دہرایا جائے تو اس کی تفصیل اس خطے میں ایک ایک درخت کی ٹہنی پہ لکھی ہوئی ہے۔ اور اگر اس کا اجمال بیان کیا جائے تو دارالعلوم کی ایک ایک اینٹ جہادِ حریت کے پروانوں کی ایک دستاویزی تصویر ہے۔

کائنات حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

آج مجھے دیوبند کے تاریخی قبرستان میں حاضری کا موقع ملا، میں نے گلشن کی خوشبو پھیلی ہوئی محسوس کی تھی ......اور آج...... سمٹی ہوئی بھی آنکھوں سے دیکھ لی، میں نے اس گلشن کی خوشبو شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کی شکل میں دلّی میں دیکھی اور دلّی سے دیوبند چلا تو تاریخ کے وہ انمٹ نقوش میرے سامنے آگئے، جب درختوں کے پھانسی گھاٹ پر ایک ایک دن میں پانچ پانچ سو علماء کو تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ پوچھئے تو دیوبند ان دلدوز چیخوں کا نام ہے جو ۱۸۵۷ء میں شہید ہونے والے علماء نے اپنے آنے والے سپوتوں کیلئے آخری وقت میں چھوڑی ہیں۔ سچ پوچھئے تو دیوبند اس مہک کا نام ہے جو کملی والا ﷺ صحابہؓ کو دے کر گیا تھا، سچ پوچھئے تو دیوبند اس صداقت کا امین ہے، جس امانت کو لے کر صدیق اکبر غار حرا میں گئے تھے، سچ پوچھئے تو دیوبند اصحاب رسول کی ان عظمتوں کا امین ہے جو عظمتیں سرکارِ مدینہ اپنے آخری وقت میں اپنے اصحاب کو دے کر گئے تھے، پھیلاتے جائیے تو تاریخ کا ایک گلشن بن جائے گا، سمیٹتے جائیے تو بات نانوتویؒ پہ رک جائے گی، آگے بڑھئے تو محمود حسنؒ نظر آئے گا، تقسیم کر دیجئے تو گلشن بن جائے گا اور اگر اس گلشن کے مختلف پھولوں کو الگ الگ، تنہا تنہا، اکیلا اکیلا جمع کر کے کسی گلدستے میں سجا دیا جائے تو اس کا نام دارالعلوم دیوبند بن جائے گا،

ان پھولوں میں سے اگر آپ نے تصنیف کی خوشبو سونگھنی ہو تو تھانہ بھون چلے جایئے، اس گلدستے میں اگر آپ نے فقاہت کی خوشبو سونگھنی ہو تو گنگوہ چلے جائیں، اس گلدستے میں آپ نے حدیث کی خوشبو مہکتی ہوئی دیکھنی ہو تو انور شاہؒ کے ہاں چلے جائیں، اس گلدستے میں اگر آپ نے احمد بن حنبلؒ کو دیکھنا ہو تو حسین احمد مدنی کے پاس چلے جایئے، اگر آپ بکھرے ہوئے پھولوں کو سمیٹنا چاہیں تو قبرستان میں جا کر دیکھئے کہ ادھر نانوتوی سویا ہوا ہے اور جب تھوڑا سا قدموں کی طرف جائیں تو محمود حسنؒ اور حسین احمدؒ اکٹھے سوئے ہوئے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ (خطیب ایشیا حضرت مولانا ضیاء القاسمیؒ)۔

☆......☆......☆

علماء کی عزت

ایک دفعہ مجھ سے کسی نے پوچھا کہ تم کہتے ہو کہ عالم دین کی بہت عزت ہے لیکن ایسا نہیں! آج کل ان کی کوئی عزت نہیں۔ میں نے کہا: کس کے ہاں عزت نہیں اللہ کے ہاں یا لوگوں کے ہاں؟ اس نے کہا لوگوں کے ہاں!

اس زمانے میں لیاقت علی خان وزیر اعظم تھے، میں نے جواب میں کہا ''ایک آدمی ہے اس کی لیاقت علی خان کے ہاں تو بڑی عزت ہے مگر ''رام کلا'' کے دل میں اس کی کوئی عزت نہیں (رام کلا میرا ملازم تھا جو میرے بنگلے کی صفائی کرتا تھا) بتاؤ وہ شخص عزت والا ہے یا نہیں؟'' اس نے کہا ''وہ شخص یقیناً عزت والا ہے جس کی عزت لیاقت علی خان کرتا ہے بھلا! وہ شخص کیسے صاحب عزت نہ ہو؟ بے شک رام کلے اسے ذلیل سمجھیں جب لیاقت علی خان کے ہاں اس کی عزت ہے تو رام کلے کون ہوتا ہے؟'' میں نے کہا ''رام کلا تو پھر لیاقت علی خان کے ساتھ انسانیت میں شریک ہے کیونکہ انسانی صفات دونوں میں پائی جاتی ہیں لیکن خدا کے مقابلے میں تو دنیا کے بڑے سے بڑے آدمی کی کوئی حیثیت نہیں ہے تو جب وہ ذلیل

آدمی نہیں، جس کی عزت لیاقت علی خان کرتا ہے تو وہ کیسے ذلیل ہو سکتا ہے جس کی عزت خود اللہ تعالیٰ کر رہے ہوں!''

ایک دفعہ مجھ سے والیٔ قلات نے کوئٹہ کی ایک مسجد میں، مجھ سے کہا کہ علماء کی کوئی عزت نہیں کیا وجہ ہے؟ میں ابھی جواب دینے بھی نہ پایا تھا کہ مسجد کے دروازے پر ایک عورت نے مجھ سے کہا ''مولوی صاحب! میرے اس لڑکے پر دم کر دیں اور ہاتھ پھیر دیں یہ بیمار ہے'' والیٔ قلات کھڑے دیکھتے رہے میں نے لڑکے کو دم کر کے والیٔ قلات سے کہا ''خدا نے آپ کے سوال کا جواب مجھ سے پہلے دے دیا، غور کیجئے! میں پشاور کا رہنے والا ہوں یہاں کا رہنے والا نہیں، یہ عورت بھی بلوچ ہے اور آپ بھی بلوچ ہیں، یہ بھی آپ کی رعایا لیکن کیا وجہ ہے کہ اس نے آپ سے ہاتھ پھیرنے کو نہیں کہا مجھ سے کہا ہے، کیا میرے ہاتھ سونے اور آپ کے ہاتھ چاندی کے ہیں؟ دیکھئے اس عورت نے مجھے اہل علم میں سے سمجھا علم کی عزت اس کے دل میں تھی اس لئے مجھ سے کہا اور آپ سے نہیں کہا، اللہ کا ارشاد ہے:

''تم میں سے اللہ ایمانداروں کے اور ان کے جنہیں علم دیا گیا ہے، درجے بلند کریگا''

علم کی عزت رہے گی یہ قدر و منزلت رہتی دنیا تک باقی رہے گی۔ غریب مولوی جس کے پاس پاؤ بھر آٹا بھی نہیں ہوتا لوگ اس کے پاس تو برکت اور دعا کیلئے آتے ہیں لیکن وائسرائے کے پاس نہیں جاتے کیوں؟ اس لئے کہ خدا نے علماء کو خاص عزت دی ہے۔

(حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی قدس سرہ)

''انار کے درخت تلے'' (جلد دوم) زیر ترتیب ہے۔ کئی احباب کی طرف سے جلیل القدر شخصیات کا تعارف اور کتب وصول ہو رہی ہیں۔ اللہ نے چاہا تو یہ سب مواد جلد دوم میں ہمارے قارئین پڑھ سکیں گے۔ ممکن ہے آپ میں سے کسی کی دعائے نیم شب ہمارے لئے کام کو آسان بنا دے۔

ڈاکٹر علامہ اقبال ؒ کی رائے گرامی

حکیم احمد شجاع اپنی کتاب ''خوں بہا' حصہ اول ص ۴۳۹ پر رقم طراز ہیں:۔
لاہور آکر میں نے پاک پٹن شریف (منٹگمری) کے مسلمانوں کی یہ نفسیاتی کیفیت اور اپنے ان احساسات کی روئداد ڈاکٹر محمد اقبال کو سنائی۔ وہ پہلے تو حسب عادت میری باتیں غور سے سنتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں میرے احساسات سے ہمدردی ہے۔ پھر آنکھیں بند کر کے سوچنے لگے، جب میں اپنی کہانی سنا چکا، تو فرمایا: ''جب میں تمہاری طرح جوان تھا تو میرے قلب کی کیفیت بھی ایسی تھی، میں بھی وہی کچھ چاہتا تھا جو تم چاہتے ہو۔ انقلاب، ایک ایسا انقلاب، جو ہندوستان کے مسلمانوں کو مغرب کی مہذب اور متمدن قوموں کے دوش بدوش کھڑا کر دے۔ علامہ اقبال نے فرمایا۔ ان مکتبوں کو اس حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مکتبوں میں پڑھنے دو۔ اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا، جو کچھ ہوگا میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر ہندوستان کے مسلمان ان مکتبوں کے اثر سے محروم ہو گئے، تو بالکل اسی طرح جس طرح ہسپانیہ میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمراء اور باب الاخوتین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیرو ول اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا ہندوستان میں بھی آگرے، تاج محل اور دلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔''

دارالعلوم دیوبند

شمعِ عرفاں علم ہے، شمسِ ہدایت علم ہے
اصلِ ایماں علم ہے، رکنِ رسالت علم ہے
آفتابِ علمِ دیں چمکا ہدایت کے لئے
ابرِ رحمت چھا گیا علمی اشاعت کے لئے
علم نے ٹھہرایا اک موقع اقامت کے لئے
تھے جہاں ابرارِ امت دینی خدمت کے لئے
سب نے مل کر مدرسہ اخلاص سے قائم کیا
مصدرِ فیضِ نبی دیوبند سا قصبہ ہوا
مخزنِ علمِ نبی، آنکھوں کا تارا، دیوبند
معدنِ فضل و ہدیٰ، ہم سب کا پیارا، دیوبند
پنجۂ شیطان سے چھٹنے کا سہارا، دیوبند
دیوبندی ہم ہیں ''حُسن'' اور ہے ہمارا دیوبند
ہونے بھی دو گر کسی کو این و آں پر ناز ہے
نسبتِ دیوبند یاں تو مایۂ اعزاز ہے
تھا رئیس الطائفہ ان سب کا اک قطبِ زمن
ہادیِ راہِ یقین، کشافِ قرآن و سُنن
قاسمِ بزمِ ہدایت، مقتدائے اہل فن
فیض سے جس کے تروتازہ ہے مصطفوی چمن
ولولہ ہے دل میں لیجئے نامِ نامی آپ کا
قاسم الخیرات ہے اسمِ گرامی آپ کا

(......حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ......)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترانۂ دارالعلوم دیوبند

یہ علم و ہنر کا گہوارہ، تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں ایک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے
خود ساقی کوثر نے رکھی، میخانے کی بنیاد یہاں
تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی روداد یہاں
جو وادئ فاراں سے اٹھی گونجی ہے وہی تکبیر یہاں
ہستی کے صنم خانوں کے لئے ہوتا ہے حرم تعمیر یہاں
برسا ہے یہاں وہ ابر کرم، اٹھا تھا جو سوئے یثرب سے
اس وادی کا سارا دامن سیراب ہے جوئے یثرب سے
کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں
ہر بوند ہے جس کی امرت جل یہ بادل ایسا بادل ہے
سو ساگر جس سے بھر جائیں یہ چھاگل ایسا چھاگل ہے
مہتاب یہاں کے ذروں کو ہر رات منانے آتا ہے
خورشید یہاں کے غنچوں کو ہر صبح جگانے آتا ہے
یہ صحن چمن ہے برکھا رت ہر موسم ہے برسات یہاں
گلبانگ سحر بن جاتی ہے ساون کی اندھیری رات یہاں
اسلام کے اس مرکز سے ہوئی تقدیس عیاں آزادی کی
اس بام حرم سے گونجی ہے سو بار اذاں آزادی کی

اس وادی گل کا ہر غنچہ خورشید جہاں کہلایا ہے
جو رند یہاں سے اٹھا ہے وہ پیر مغاں کہلایا ہے
جو شمع یقین روشن ہے یہاں وہ شمع حرم کا پرتو ہے
اس بزم ولی اللہ میں تنویر نبوت کی ضو ہے
یہ مجلس ہے وہ مجلس ہے خود فطرت جس کی قاسم ہے
اس بزم کا ساقی کیا کہئے جو صبح ازل سے قائم ہے
جس وقت کسی یعقوب کی لے اس گلشن میں بڑھ جاتی ہے
ذروں کی ضیاء خورشید جہاں کو ایسے میں شرماتی ہے
عابد کے یقین سے روشن ہے سادات کا سچا صاف محل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج یہاں
یہ صنم خانہ ہے جہاں محمود بہت تیار ہوئے
اس خاک کے ذرے ذرے سے کس درجہ شرر بیدار ہوئے
ہے عزم حسین احمد سے بپا ہنگامہ گیر ودار یہاں
شاخوں کی لچک بن جاتی ہے باطل کیلئے تلوار یہاں
رومی کی غزل رازی کی نظر غزالی کی تلقین یہاں
روشن ہے جمال انور سے پیمانہ فخر الدین یہاں
ہر رند ہے ابراہیم یہاں ہر میکش ہے اعزاز یہاں
رندان ہدی پر کھلتے ہیں تقدیس طلب کے راز یہاں
ہیں کتنے عزیز اس محل کے انفاس حیات افروز ہمیں
اس ساز معانی کے نغمے دیتے ہیں یقین کا سوز ہمیں

☆

دیوبند

شاد باش و شاد زی اے سرزمین دیوبند　ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

ملت بیضا کی عزت کو لگائے چار چاند　حکمتِ بطحا کی قیمت کو کیا تو نے دو چند

اسم تیرا باسمٰے، ضرب تیری بے پناہ　دیو استبداد کی گردن ہے اور تیری کمند

تیری رجعت پر ہزار اقدام سوجاں سے نثار　قرنِ اول کی خبر لائی تری الٹی زقند

تو علم بردارِ حق ہے حق نگہباں ہے ترا　حیلِ باطل سے پہنچ سکتا نہیں تجھ کو گزند

ناز کر اپنے مقدر پر کہ تیری خاک کو　کر لیا اُن عالمانِ دین قیم نے پسند

جان کر دیں گے جو ناموس پیغمبرؐ پر فدا　حق کے رستے پر کٹا دیں گے جو اپنا بند بند

کفر ناچا جن کے آگے بار ہا تگنی کا ناچ　جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے سپند

اس میں قاسمؒ ہوں کہ انور شاہؒ کہ محمود الحسنؒ　سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند

گرمیٔ ہنگامہ تیری ہے حسین احمدؒ سے آج

جن سے پرچم ہے روایات سلف کا سربلند

(......مولانا ظفر علی خانؒ......)

درس گاہِ عظیم

مدرسہ دیوبند

دیوبند ہے انوارِ مدینہ کی تجلی
توحید کی اس شمع سے روشن ہے زمانہ
اس مکتبہ فکر کے ممنون ولی ہیں
مذہب کی حقیقت ہے یہ، باقی ہے فسانہ
کاشانۂ رحمت ہے زمانے کی نظر میں
بیٹھا تھا جہاں تنہا اللہ کا دیوانہ
محمودؒ جہاں سوئے مدنیؒ جہاں لیٹے
اس خاک میں محفوظ ہے ملت کا خزانہ
ایمان ہے آئینِ فرنگی سے بغاوت
بخشا ہے اسی خاک نے ملت کو ترانہ
نکلے ہیں اسی ساز سے توحید کے نغمے
قائل ہیں اسی بات کے اغیار و یگانہ
ابھرے نہ کبھی ہند میں دیوبند کا سورج
ڈھونڈا ہے کئی بار فرنگی نے بہانہ
اللہ کرے ہند میں خود اس کی حفاظت
مرکز ہے یہ جانباز کے ایماں کا یگانہ

(......جانباز مرزا......)

دارالعلوم دیوبند

دِل افرنگ کا کانٹا

عین حق ہے جو تجھے علم کا دریا کہہ دوں
یہ بھی سچ ہے کہ تجھے گلشن تقوے کہہ دوں
ایشیا ہے جو انگوٹھی تو پھر اس میں تجھ کو
کیوں نہ میں ایک چمکتا ہوا ہیرا کہہ دوں
جتنے دل والے ہیں وہ تجھ پہ ہیں شیدا دل سے
کیوں نہ دل والوں کی میں تجھ کو تمنا کہہ دوں
تو نے پیدا کیے، محمودؒ و رشیدؒ و انورؒ
زیب دیتا ہے انہیں جس قدر اچھا کہہ دوں
ہاں بجا ہوگا! کہ میں تیرے حسینؒ احمد کو
پیکر عشق کہوں، علم سراپا کہہ دوں
ہائے تیرے اشرفؒ و عثمانیؒ و طیبؒ کو میں
جھوٹ کیا ہوگا، اگر فخر زمانہ کہہ دوں
ایک دو چار جو ہوتے تو گنا دیتا میں
حق ہے یہ، تجھ کو نوادِر کا خزانہ کہہ دوں
بار بار آتا ہے گیلانی کے دل میں کہ تجھے
دل افرنگ میں اٹکا ہوا کانٹا کہہ دوں

(......سید امین گیلانی......)

مکتبۃ الشھداء کی چند اہم مطبوعات

کیا آپ جانتے ہیں کہ اسلامی ہجری سال کی کیا اہمیت ہے؟
اس سال میں کتنے مہینے ہوتے ہیں؟
ان مہینوں کے نام اور خصوصی احکامات کیا ہیں؟
تاریخ اسلام کے کونسے اہم واقعات کس مہینے میں پیش آئے؟
حالانکہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ سب کچھ جاننا آپ کیلئے ضروری ہے۔
قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں آپ کو یہ تمام معلومات ایک ہی کتاب میں مل سکتی ہیں۔ جس کا نام ہے

تاریخ کے ساتھ ساتھ

مؤلفہ...... مولانا محمد رمضان لدھیانوی

☆......☆......☆

ایسے واقعات جو آپ کو زندگی کا ایک نیا رُخ دیں گے
ایسی حکایات جو ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق ہیں
اسلافِ امت کی خوبصورت، دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں

اللہ والے

جدید اضافہ شدہ اشاعت — مؤلفہ...... مولانا محمد منصور احمد

☆......☆......☆

ایک ایسی کتاب جس کا صفحہ صفحہ انکشاف ہے
جس کا ہر ورق قابل مطالعہ اور ہر سطر بصیرت افروز ہے
اپنوں اور غیروں کے اعترافات پر مبنی دلچسپ اور تاریخی پیشکش

میں نے کابل بستے دیکھا

مؤلفہ...... محمد مقصود احمد شہیدؒ

☆......☆......☆

طنز و مزاح کی ایک نئی روایت
بامقصد، نظریہ ساز اور عام فہم
ہنستے مسکراتے اور ہلکے پھلکے مضامین کا گلدستہ

چٹکیاں

مؤلفہ......محمد منصور احمد

☆......☆......☆

ایک مجاہد کی ولولہ انگیز آپ بیتی
مجاہدین کے شانہ بشانہ عملی جہاد کی ایمان افروز داستان
فدائیانِ اسلام کی ہمت جرأت اور عزم وحوصلے کی ان کہی کہانی

خاک وخون

مؤلفہ......محمد مقصود احمد شہیدؒ

☆......☆......☆

درجۂ رابعہ کے طلبہ کیلئے دو گرانقدر تحفے

۱۔ تحریر الوقایۃ (زیرِ طبع)

شرح الوقایہ، کتاب البیوع کا عام فہم ترجمہ، دلنشین تشریح اور حل لغات

۲۔ خلاصۂ قطبی

منطق کی مشہور کتاب قطبی کی آسان اور دلچسپ تلخیص وتشریح

مؤلفہ......محمد منصور احمد